الکتاب

آیات بیّنات

جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ چہارم

فَهَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأۡتِيَهُم بَغۡتَةً فَقَدۡ جَاءَ أَشۡرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن

کسر الصلیب

عیسیٰ ابن مریم وابن مریم کی مثل عیسیٰ یعنی عیسیٰ ابن مریم اوراحمد عیسیٰ

خودکوامت محمد یاامت مسلمہ کہلوانے والوں کی اکثریت کا نہ صرف کہنا ہے بلکہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جنہیں بنی اسرائیل کے آخر میں ان کی طرف بھیجا گیا تھا ان کی ابھی تک موت نہیں ہوئی وہ زندہ ہیں۔ کائنات الگ ہے اور اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر ہے اور عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمانوں میں اللہ کے پاس موجود ہیں اللہ انہیں الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ دنیا میں بھیجے گا یوں عیسیٰ ابن مریم الساعت سے قبل زندہ آسمان سے نیچے اتریں گے۔ یہ عقیدہ ونظریہ اس قدر شدت کیساتھ پایا جاتا ہے کہ جو بھی اس عقیدے سے انحراف کرے اسے مرتد تصور کیا جاتا ہے اور پھر یہ بھی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے یعنی کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ کوئی اس عقیدے کے خلاف کوئی بات کرے یہاں تک کہ اس عقیدے کے خلاف سوچنا بھی کفر۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے جو آج تک کہا جاتا رہا اور زبان زد عام ہے؟ جو اکثریت کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمان پر اللہ کے پاس موجود ہیں اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ آسمان سے نیچے اتریں گے؟

اگر آپ اندھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے عقل کا استعمال کیے اپنے آباؤاجداد اور ملاؤں کے پیچھے چلنے کی بجائے اپنے وجود کے قائل ہیں کہ آپ کا اپنا بھی وجود ہے آپ خود بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں آپ میں بھی دماغ ہے عقل ہے آپ میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں ہیں اور نہ صرف آپ سن اور دیکھ سکتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی آپ کو دی گئی اس لیے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح اور غلط کیا ہے یہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ کو بالکل غیر جانبدار ہوکر میری بات کو سننا ہوگا اور پڑھنا ہوگا حق ہر لحاظ سے آپ پر کھل کر واضح ہو جائے گا یہاں تک کہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس موضوع پر اپنا شکار نہیں کر سکے گی اور نہ ہی اس موضوع پر آپ کا کوئی مقابلہ یا رد کر سکے گا اور اگر آپ حق کے طلب گار نہیں، بندر اور خنزیر ہونے کا ہی ثبوت دیتے ہیں، اندھے کے اندھے ہی رہنا پسند کرتے ہیں کہ غور وفکر کرنے سوچنے سمجھنے کی بجائے اندھوں کی طرح اپنے آباؤاجداد، ملاؤں اور اکثریت کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں اپنی خواہشات کی ہی اتباع کرنا چاہتے ہیں تو حق آپ پر اس قدر واضح ہو جائے گا کہ اگر آپ اس کا انکار کریں گے تو آپ کو خود بھی علم ہوگا کہ آپ بے بنیاد اور باطل ہیں آپ پر حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا جس کا آپ چاہ کر بھی کسی بھی صورت رد نہیں کر سکتے اور اگر آج حق کو تسلیم نہیں کرتے تو آپ پر حجت ہو چکی کل کو آپ کے پاس کسی بھی قسم کا کوئی بہانہ نہیں ہوگا آپ ہر لحاظ سے دنیا وآخرت میں ہلاک ہی ہوں گے آپ کو کوئی ہلاکت سے نہیں بچا سکتا۔

عیسیٰ ابن مریم نہ صرف زندہ ہے اس کی موت

رہے ہیں اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی گئی اور پھر سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت دی گئی تو اب آپ سے سوال ہے کہ جب آپ پر یہ واضح ہو چکا کہ آپ کو سننے، دیکھنے جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے اور جو سمجھتے ہیں اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں اس مقصد کے لیے دی کہ جو آپ سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ اور سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کریں تو کیا آپ ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں؟ جب آپ اپنے گریبان میں جھانکیں گے تو آپ پر یہ کھل کر واضح ہو جائے گا کہ آپ ان میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہے جس مقصد کے لیے آپ کو یہ صلاحیتیں دی گئیں کیونکہ آپ کو آسمانوں وزمین میں بہت کچھ سنایا اور دکھایا جا رہا ہے جسے آپ ہر لمحے نظر انداز کر رہے ہیں اور صرف اس کے پیچھے ان صلاحیتوں کا ستعمال کرتے ہیں جن سے آپ کی خواہشات پوری ہوتی ہیں یعنی آپ اپنی خواہشات کی اتباع میں ان کا استعمال کر رہے ہیں اور اگر آپ ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں یعنی جو کچھ بھی آپ کو سنایا اور دکھایا جا رہا ہے اگر آپ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو یہ کہنا پڑے گا ''هُوَ اللهُ'' یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہے۔

تو اب آپ سے سوال ہے کہ جب یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اللہ ہی ہے تو پھر آپ کو کس نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ هُوَ اللہُ؟ کیا اسی ذات اللہ نے نہیں؟ کیونکہ جیسے آپ کا جسم ہے آپ کے جسم میں ہر عضو دوسرے کیساتھ نہ صرف جڑا ہوا ہے بلکہ اس کیساتھ مشروط ہے ایسے ہی جیسے ایک مشین میں پرزے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ومشروط ہوتے ہیں بالکل یہی مثال جو کچھ بھی موجود ہے اس وجود کی ہے یہ ایک ہی وجود ہے آپ کہیں سے بھی غور وفکر کا آغاز کریں گے تو آپ آگے بڑھتے جائیں گے ہر خلق دوسری کے ساتھ مربوط ومشروط ہیں یوں آپ اور اور کرتے کرتے وہاں تک پہنچ جائیں گے جہاں اور ختم ہو جائے گا آپ اس سے آگے نہیں جاسکیں گے یوں یہی وجود جو کہ اللہ ہے آپ کو کہنے پر مجبور کر دے گا کہ یہ جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہے۔

بالکل آسان الفاظ میں آپ پر واضح کرتے ہیں آپ ذرا غور کریں کہ آپ کو کچھ موجود نظر آ رہا ہے؟ تو جو بھی موجود ہے جو بھی وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا قصہ نہیں بن جاتا جب تک کہ اور ماضی نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا یہ اللہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ درخت بھی اللہ، پہاڑ بھی اللہ، دریا بھی اللہ، سمندر بھی اللہ، پانی بھی اللہ، زمین بھی اللہ، آسمان وغیرہ سمیت جو کچھ بھی موجود ہے وہ اللہ ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان ہے جو کہ آگے موجود بھی ہے اَحَـدٌ احد جملہ ہے جو کہ دو الفاظ پر مشتمل ہے پہلا لفظ '' ا '' اور دوسرا لفظ '' حد '' ہے جب بھی کسی جملے کے شروع میں الف کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ نہ صرف سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ اس سوال کا آگے جواب بھی موجود ہوتا ہے یوں احد کے شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور آگے اسی سوال کا جواب ہے '' حد '' اور حد کے معنی ہیں جس سے آگے نہیں جایا جاسکتا۔ یوں احد کے معنی بنتے ہیں جس سے آگے نہیں جایا جاسکتا یعنی ایک ہی اور کچھ ہے ہی نہیں اور احد کی '' د '' پر دو پیش کا استعمال یہ واضح کرتا ہے کہ جو وجود موجود ہے جب تک موجود ہے اللہ ہے اگر ماضی میں چلا جائے تو '' اللهَ '' ہو جائے گا اور جو آگے مستقبل میں ہے وہ '' اللهِ '' ہوگا۔

یعنی بالکل آسان الفاظ میں احد کے معنی یہ ہیں کہ مثال کے طور پر آپ اپنے ہی جسم کی مثال لے لیں اگر آپ کا نام عمران ہے تو آپ کے ہاتھ کو عمران نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ہاتھ کہا جائے گا انگلی کو انگلی کہا جائے گا، پاؤں کو پاؤں کہا جائے گا لیکن جب تمام کے تمام اعضاء کو اور اور کیا جائے یہاں تک کہ اور ختم ہو جائے تو جو پورا وجود سامنے آئے گا وہ تمام اعضاء کا مجموعہ نہ صرف ایک وجود سامنے آئے گا بلکہ ان تمام اعضاء کو بطور ایک وجود عمران کہا جائے گا، ہاتھ کو یا کسی بھی عضو کو عمران نہیں کہا جائے گا ہاں البتہ انہیں عمران کی آلاء یعنی اعضاء یا آیات کہا جائے گا۔

اگر پورے کا پورا جسم چھپا دیا جائے اور جسم کا کچھ حصہ یا کچھ اعضاء سامنے رہنے دیئے جائیں تو انہیں عمران نہیں بلکہ عمران کی آیات یا عمران کے اعضاء یعنی آلاء کہا جائے گا، انہیں عمران ہی کا وجود کہا جائے گا بالکل ایسے ہی جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ کا پورا وجود انسان سے پوشیدہ ہے سوائے تھوڑے کے اور جو نظر آ رہا ہے یہ اعضاء ہیں یہ اللہ کی آیات ہیں آیات جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد آیت ہے اور آیت کے معنی ہیں پوری بات، پوری ذات، پوری شیئ یا پورے وجود کا چھپے ہوئے ہونا اور اس کا تھوڑا سا حصہ سامنے ہونا جس میں غور کرنے جس کے پیچھے پڑنے سے پوری بات جو کہ حقیقت ہے پوری ذات، پوری شیئ یا پورا وجود سامنے آجائے۔

آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ سب کا سب اللہ کی آیات ہیں یعنی اللہ کی ذات کا ہی وجود نظر آ رہا ہے اللہ چھپا ہوا ہے اللہ کا ہی تھوڑا سا حصہ ہے جو

سامنے نظر آ رہا ہے اور جب آپ اس میں غور کریں گے اس کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ کیا ہے آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا آپ اللہ کو پا لیں گے اس لیے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فلاں بھی اللہ فلاں بھی اللہ، اللہ واحد یعنی اور ایک نہیں بلکہ اللہ احد ہے ایک ہی وجود اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود ہے صرف اور صرف اللہ ہی کا وجود ہے اب اگر کوئی خود کو اللہ سے الگ کرے گا وہ یہ کہے کہ وہ الگ ہے اور آسمان و زمین الگ ہیں اللہ الگ ہے تو وہ اللہ کا شریک ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اللہ اپنے شریک کو برداشت نہیں کرے گا۔

اب جب آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ذرا غور کریں جب بھی آپ غور وفکر کریں گے تو کون ہے جو آپ کو یہ کہنے پر مجبور کر دے گا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ کیا اللہ ہی نہیں جو یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ؟ اس طرح اللہ کہہ رہا ہے کہو تمہیں یہ کہنا پڑے گا جو کچھ بھی موجود ہے جو بھی وجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے ایک ہی وجود اور کچھ ہے ہی نہیں۔

اب اگلی آیت ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ.

اَللّٰهُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے الصَّمَدُ الصمد ہے اللہ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الصمد کیا ہے یعنی الصمد کے معنی کیا ہیں تو الصمد کے معنی ہیں جو خلق کر رہا ہے جو خلق ہو رہا ہے اور جس سے خلق ہو رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں وہ خود ہی ہے اللہ ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ الصمد کے معنی کیے جاتے ہیں بے نیاز جو کہ الصمد کے معنی نہیں ہیں بلکہ غنی کے معنی ہیں بے نیاز یعنی کسی کا بھی محتاج نہیں۔

الصمد اور غنی کے معنی کافی قریب ہیں لیکن ایک نہیں ہے کیونکہ الصمد ہونے کے لیے صرف اور صرف ایک ہی وجود کا ہونا شرط ہے یعنی اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جو ہے ایک ہی وجود ہے جو خلق ہو رہا ہے جس سے خلق ہو رہا ہے اور جو خلق کر رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں بلکہ خود ہی ہے۔

جب اللہ الصمد ہے یعنی ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے اللہ کسی کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی خود کو اللہ سے الگ کرتا ہے الگ سے وجود کا دعویدار بنتا ہے تو پھر اللہ غنی ہے یعنی اللہ اس کا محتاج نہیں اللہ اس سے اپنا کام نہیں لے گا بلکہ اللہ اپنا کام خود کرتا ہے۔ جو بھی الگ سے وجود ہونے کا دعویٰ کرے گا یعنی جو بھی اللہ سے کٹے گا اور الگ سے وجود کا دعویدار بنے گا تو وہ اللہ کا شریک ہے اللہ کا دشمن ہے اور ظاہر ہے دشمن کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے نہ کہ دشمن سے اپنا کام لیا جاتا ہے۔

ذرا غور کریں اگر آپ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ یوں تو دو وجود بن جاتے ہیں اور الصمد ہونے کے لیے تو ایک ہی وجود کا ہونا شرط ہے تو پھر کیا اللہ الصمد ہو سکتا ہے؟ پھر اللہ الصمد ہی ثابت نہیں ہوتا تو جو الصمد ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ ہے ہی نہیں ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا بلکہ جو اللہ وجود رکھتا ہے جو اللہ ہے وہ الصمد ہے۔

مثال کے طور پر اگر آپ کہتے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو ذرا غور کریں کیا ایسا اللہ الصمد ثابت ہو سکتا ہے؟ یعنی اگر اللہ الگ ہے اور پانی الگ ہے اگر پانی ہٹا دیا جائے تو کیا وہ پانی کے بغیر بارش برسا سکتا ہے؟ پہلی بات کہ اگر اللہ الگ ہے اور پانی الگ تو پھر دو وجود ثابت ہو کر اللہ الصمد ہی نہیں رہتا اور اگر مان لیا جائے کہ کوئی اللہ کا شریک بنا اس نے پانی کا اللہ سے الگ وجود تسلیم کیا تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اللہ بارش برسانے کے لیے دوسرے وجود کا محتاج ہے یوں اللہ نہ تو الصمد ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی الغنی کیونکہ یوں نہ صرف دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں جس سے اللہ کے الصمد ہونے کا رد ہو جاتا ہے بلکہ بارش برسانے کے لیے دوسرے وجود پانی کا محتاج ہو گیا۔

اسی طرح اگر سورج الگ ہے اور اللہ الگ تو پھر پہلی بات کے اللہ الصمد ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں اور دوسری بات کہ اللہ زمین پر نظام چلانے کے لیے سورج کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اگر سورج کو ہٹا دیا جائے تو کیا وہ سورج کے بغیر زمین کو روشن کر سکتا ہے؟ سورج کے بغیر زمین کا نظام چلا سکتا ہے؟ اگر ممکن تھا تو ایسا کیا کیوں نہیں اور اگر کر رہا ہے اس کے باوجود کہ اللہ الگ اور سورج الگ ہے تو نہ صرف ایسا اللہ الصمد ثابت نہیں ہوتا بلکہ زمین کو روشن کرنے اور نظام چلانے کے لیے سورج کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آپ کسی بھی شئے کی مثال سامنے رکھ لیں اگر اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر وہ الصمد کیسے ہوا وہ تو کائنات بنانے کے لیے مادے کا محتاج ثابت ہوگیا کیوں کہ کائنات تو مادے سے وجود میں آئی اور مادہ گیسوں سے یوں گیسوں کا محتاج ثابت ہوگیا اور گیسیں نور یعنی انرجی سے یوں وہ انرجی کا بھی محتاج ثابت ہوجاتا ہے یعنی اگر اللہ الگ ہے اور نور یعنی انرجی الگ ہے تو پھر ایک تو اللہ الصمد ہی نہ ہوا کیونکہ اس کے علاوہ بھی وجود ثابت ہوجاتا ہے اور دوسرا وہ تو نور یعنی انرجی کا محتاج ثابت ہوجاتا ہے۔

اگر اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر اللہ احد یعنی ایک ہی وجود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اللہ تو واحد ثابت ہو جاتا ہے واحد یعنی اور ایک۔ ایک ہی صورت میں اللہ احد ثابت ہوتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جو کچھ بھی ہے اسی ایک اللہ کا ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی دوسرا وجود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اللہ اسے برداشت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ اپنے شریک کو برداشت نہیں کرتا کیونکہ اللہ احد ہے یعنی ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، اللہ واحد نہیں ہے یعنی اور ایک نہیں ہے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو یوں اللہ احد نہیں بلکہ واحد یعنی اور ایک ثابت ہوجاتا ہے کائنات اور ایک اللہ۔

جب آپ آسمانوں وزمین میں غور کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجائے گی کہ جو وجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہ ایسا وجود ہے کہ نہ تو اس کو کوئی الگ سے بنانے والا ہے نہ ہی اسے بنانے کے لیے الگ سے مواد کی ضرورت ہے بلکہ یہ وجود الصمد ہے جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ وجود خود ہی کر رہا ہے خود ہی ہو رہا ہے۔مثلاً آپ کسی بھی خلق کی مثال لے لیں کسی بھی شئے میں کسی میں بھی غور کرلیں تو کوئی دوسرا سامنے آئے گا ہی نہیں خالق، مخلوق اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے یہی وجود سامنے آئے گا۔

آم کے درخت کی ہی مثال لے لیں آم کے درخت کی تخلیق کے پیچھے بطور خالق آپ کو یہی مخلوقات ہی نظر آئیں گی سمندر، ہوائیں، بادل، سورج، چاند، زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات ہی بطور خالق آپ کے سامنے آئیں گی یوں خالق بھی یہی وجود اور جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی یہی وجود ہے اور جس سے خلق ہو رہا ہے وہ بھی یہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یوں اس وجود کا یعنی اللہ کا الصمد ہونا اس سوال کو بھی مٹا دیتا ہے کہ اس کائنات کو کس نے خلق کیا۔ کوئی دوسرا ہوگا تو یہ سوال پیدا ہوگا اور اگر اس کائنات میں یعنی جو وجود ہے اس میں کوئی باہر سے آکر کچھ خلق کر رہا ہوتب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اسے کس نے خلق کیا جب سامنے نظر آرہا ہے کہ یہ خود ہی خالق ہے خود ہی خلق اور خود ہی وہ جس سے خلق کیا جا رہا ہے تو تمام تر سوالات ہی ختم ہوجاتے ہیں۔

آپ اسی کو ایک اور پہلو سے بھی بہت ہی آسانی سے جان سکتے ہیں مثلاً آپ کوئی بھی شئے سامنے رکھ لیں کسی بھی شئے میں غور کریں تو وہ شئے صرف اور صرف تین وجود کو ثابت کرے گی یعنی کوئی بھی شئے جب اس میں غور کیا جائے تو وہ فعل، فائل اور مفعول یعنی خلق، خالق اور مخلوق کے وجود کو ثابت کرتی ہے۔

ایک جو شئے آپ کے سامنے ہے اس کا وجود ثابت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور دوسرا وہ جس سے وجود میں آئی یعنی مواد اس کے وجود کا کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا اور تیسرا اس کا خالق یعنی اسے بنانے والا ثابت ہوتا ہے اس کے وجود کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔

اب اگر یہ تینوں وجود مل جاتے ہیں تو پیچھے کوئی ایسا بچتا ہی نہیں جس کا وجود ثابت ہو اور اسے تلاش کیا جائے کیونکہ صرف اور صرف یہ تین ہی وجود ثابت ہوتے ہیں۔

اب آپ اس شئے کو دیکھیں تو وہ خود موجود ہے اس لیے اس کی تلاش یہیں ختم ہوجاتی ہے پھر دوسرا وجود جس سے وہ وجود میں لائی گئی یعنی جس سے بنائی گئی وہ بھی موجود ہے یوں اس کی بھی تلاش ختم ہوجاتی ہے اب پیچھے رہ جاتا ہے صرف اور صرف ایک ہی وجود جو کہ اس کا خالق ہے فاعل ہے اگر وہ بھی مل جائے تو تلاش ختم ہوجاتی ہے اس کے علاوہ پیچھے کوئی رہتا ہی نہیں جسے تلاش کیا جائے اور اگر وہ نہیں ملتا نہیں سامنے آتا تو پھر اسے اس وقت تک تلاش کیا جائے گا جب تک کہ وہ مل نہیں جاتا۔

آسمانوں وزمین یا جو کچھ بھی موجود ہے وہ تو بالکل سامنے ہے اور جس سے یہ سب خلق ہوا ظاہر ہے وہ بھی ان سب کی صورت میں سامنے ہے پیچھے رہ جاتا ہے ان کا خالق اب اسے تلاش کرنا ہے اور اگر وہ مل جائے تو تلاش ختم ہوجائے گی۔ اب آپ آسمانوں وزمین میں کہیں بھی غور وفکر کرلیں خواہ آپ اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرلیں یا کسی بھی خلق میں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجائے گی کہ خالق بھی بذات خود یہی وجود ہی سامنے آئے گا نہ کہ اس کے علاوہ کوئی

اور جو باہر سے آ کر خلق کر رہا ہے۔

مثلاً بارشیں برستی ہیں تو ظاہر ہے ان کا برسانے والا بھی کوئی ہے تو جب آپ بارشوں کے برسنے کے پیچھے جھانک کر دیکھیں کہ ان کو برسانے والا کون ہے تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا۔

ایسے ہی آپ کسی بھی پودے یا فصل کے خالق کو جاننے کے لیے اس میں غور و فکر کریں تو اس کے خالق کے طور پر بھی آپ کو یہی وجود جو مخلوقات نظر آ رہی ہیں یہی سامنے آئے گا، سمندر اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں، ہوائیں اپنی ذمہ داری، فضا اپنی ذمہ داری، زمین اپنی ذمہ داری زمین میں لاتعداد مخلوقات اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں، سورج اور چاند اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں ان کے پیچھے موجود مخلوقات اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتی ہیں تو نہ صرف بارشیں برستی ہیں بلکہ ان سے نباتات بھی وجود میں آتی ہیں یوں جب آپ غور و فکر کریں گے تو یہی کُل کا کُل پورا وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا بطور خالق نہ کہ کوئی ایسی ذات سامنے آئے گی جو باہر سے آ کر کچھ کر رہی ہے۔

یوں تینوں وجود بالکل کھل کر سامنے آ گئے تو پیچھے تلاش کس کو کیا جائے گا؟ تلاش تو اسے کیا جاتا ہے پہلی شرط کہ اس کا وجود ثابت ہو اور دوسری شرط کہ وہ حاضر کی بجائے غائب ہو اور اگر جس کا بھی وجود ثابت ہے وہ سب کا سب سامنے ہے تو پھر پیچھے تلاش کسے کیا جائے گا؟ تلاش تو ختم ہو جاتی ہے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی تلاش کرتا ہے تو وہ جان لے کہ وہ اسے تلاش کر رہا ہے جس کا کوئی وجود ہے ہی نہیں سوائے اس کے دماغ میں ایک تصور یا پھر عقیدے و نظریے کے۔

ان تینوں کو ایک کیا جائے تو یہ ہے " اَللّٰہُ الصَّمَدُ " یعنی نہ صرف ایک ہی وجود ہے بلکہ خالق، خلق اور مخلوق خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

اب آگے دیکھیں لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ.

لَمۡ ہرگز نہیں کسی بھی صورت نہیں بالکل نہیں یَلِدۡ

آگے بڑھنے سے پہلے یلد یولد میں اصل لفظ " لد " کو سمجھ لیں " لد " کے معنی ہیں ایک وجود کا دوسرے سے الگ ہونا یعنی ایک سے دوسرا وجود وجود میں آنا۔

لَمۡ یَلِدۡ بالکل نہیں کسی بھی صورت نہیں ہرگز نہیں اس نے خود سے کوئی وجود الگ کیا یعنی وہ کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں وَلَمۡ یُوۡلَدۡ اور نہ ہی وہ کسی سے الگ ہوا یعنی نہ ہی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا وجود ہے جس سے اللہ وجود میں آیا۔ ظاہر ہے جب ایک ہی وجود ہے تو پھر یلد ولد کا تو تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اگر کوئی اس کے باوجود دوسرے وجود کا دعویدار ہو گا تب ہی یہ کہا جائے گا لَمۡ یَلِدۡوَلَمۡ یُوۡلَدۡ.

اب ذرا غور کریں اگر آپ یہ عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور پھر آپ سے سوال کیا جائے کہ کائنات کو کس نے وجود دیا تو آپ جواب دیں گے اللہ نے تو یوں آپ اپنی زبان سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں اقرار کر رہے ہیں کہ اللہ احد نہیں بلکہ واحد ہے اللہ الصمد نہیں ہے اور اللہ نے یلد کیا یعنی اللہ نے ایک دوسرا وجود وجود میں لایا۔ ظاہر ہے جب آپ یہ کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اس کائنات کو الگ سے یعنی بطور دوسرا وجود وجود میں لانے والا اللہ ہے تو اسے عربوں کی زبان میں یلد کہا جائے گا۔

قرآن میں اللہ کہہ رہا ہے لم یلد لیکن آپ ماننے کو تیار ہی نہیں اور جب آپ اللہ کو جاننے کے لیے اللہ کو پانے کے لیے اللہ میں جہاد کریں یعنی اللہ کو پانے کے لیے اللہ میں اپنی پوری کوشش کریں تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی لم یلد ولم یولد یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی وجود ہے جب ایک ہی وجود ہے تو دوسرے وجود کا کوئی تصور ہی نہیں اس لیے یلد ولد کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جب اس میں غور کریں گے تو آپ پر یہ بات کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہ وجود ہے ہی الصمد خود کار ہے خود ہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اس لیے واحد یا پھر یلد ولد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی کہ اس کو کس نے خلق کیا یہ بھی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر پہلے علم نہ ہونے کی بنیاد پر یہ سوال موجود تھا تو یہ سوال مٹ جاتا ہے کالعدم ہو جاتا ہے۔

اس کے باوجود اگر آپ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات پر ڈٹے رہیں گے اور یہی کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اس کائنات کو اللہ نے الگ وجود دیا تو آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا تو دیکھیں اللہ نے قرآن میں آپ کے اس بہتان کی جگہ جگہ کتنی سختی

کیساتھ تردید کی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ. البقرة ۱۱۶

وَقَالُوا یہ حال کا صیغہ ہے اس موجودہ وقت کی بات ہو رہی ہے جس میں آج آپ موجود ہیں۔ اس وقت دنیا میں جو انسان موجود ہیں ان سے اللہ کلام کر رہا ہے یہ لوگ جہاں باقی سب میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اختلاف کر رہے ہیں وہیں اللہ کے بارے میں بھی کہہ رہے ہیں اتَّخَذَ تین الفاظ کا مجموعہ ہے شروع میں الف ہے جو کہ سوالیہ بنا دیتا ہے آگے '' ت '' ہے جو کائنات یعنی جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے اس کا اظہار کر رہی ہے اگلا لفظ ہے '' خذ '' جس کے معنی ہیں اخذ کرنا یعنی یہ کہا جا رہا ہے یہ جو کائنات ہے جو بھی وجود ہے یہ کیا ہے اللّٰهُ وَلَدًا اللہ ہے اس نے ولد اخذ کر لیا یعنی اس وقت جو لوگ دنیا میں آباد ہیں یہ اپنے قول و فعل سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا، اللہ الگ ہے اور کائنات الگ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا یعنی اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا ہے اللہ الگ ہے اور یہ کائنات اللہ الگ سے وجود میں لایا ہے اس لیے یہ کائنات الگ ہے ان کی اس بات کے رد میں اللہ کا کہنا ہے سُبْحٰنَهٗ یہ جملہ چار الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ہے '' سبح '' دوسرا '' ا '' تیسرا '' ن '' اور چوتھا گول والی '' ہ '' پر پیش ہے۔

سبح کے معنی ہیں جو بھی کرنے کا کہا جا رہا ہے اس پر فوری تیزی کیساتھ اسی طرح عمل کیا جا رہا ہے اور آگے الف کے معنی ہیں جو کچھ بھی موجود ہے کُل کا کُل، یعنی جو کچھ بھی موجود ہے کُل کا کُل جو بھی حکم دیا جا رہا ہے جو بھی کرنے کو کہا جا رہا ہے اسے فوری تیزی کیساتھ کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے؟ کون حکم دے رہا ہے؟ اور کون عمل کر رہا ہے؟ تو آگے اسی کا جواب ہے '' ن '' یعنی ہم اللہ خود کو کہہ رہا ہے اور کیا ہے اللہ آگے اسی کا جواب ہے گول والی '' ہٗ '' پر پیش یعنی یہ جو وجود تمہیں نظر آ رہا ہے یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کا وجود ہے اور تم جو کہہ رہے ہو اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ ہے اور آسمانوں و زمین میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے بَلْ لَّهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے اسی وجود کا ہے جو وجود موجود ہے جو ذات اپنا وجود رکھتی ہے جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے یعنی جیسے آپ کے جسم میں جتنے بھی اعضاء ہیں یہ آپ کے ہیں اور آپ کے تمام اعضاء آپ ہی کے لیے کام کرتے ہیں مثلاً ہاتھوں کا کام ہے اپنے ہی وجود کی دیکھ بھال کرنا وجود کو کوئی نقصان نہ پہنچے وجود کی ضروریات اسے مہیا کرنا، آنکھوں کا کام ہے وجود کے لیے دیکھنا اسی طرح زبان کا کام ہے اپنے ہی وجود کی ترجمانی کرنا جیسے آپ کہتے ہیں یہ زبان میری ہے یہ ہاتھ میرے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ ہاتھ، پاؤں، زبان یا باقی اعضاء وجود سے الگ ہیں یا الگ سے اپنا کوئی وجود رکھتے ہیں بالکل اسی طرح جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ سب کا سب اللہ ہی کا ہے اسی کا وجود ہے كُلٌّ لَّهٗ تمام کا تمام جو کچھ بھی موجود ہے یعنی آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی وجود کا ہی ہے قٰنِتُوْنَ یہ جو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان کیساتھ چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے ان کے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے ان کو ان کے مقامات سے ہٹایا جا رہا ہے جس وجہ سے انہیں طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا ہے تکالیف کا سامنا ہے ہم ہیں قناعت کر رہے یعنی اللہ خود کہہ رہا ہے کہ یہ میں ہوں جو قناعت کر رہا ہوں۔ جیسے کہ آپ اس وقت آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان کو دیکھیں ان کیساتھ جو ظلم و زیادتیاں انسان کر رہا ہے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے فساد کی وجہ سے تو بدلے میں مخلوقات صبر کر رہی ہیں برداشت کر رہی ہیں کوئی شکوہ و شکایت نہیں کر رہیں یہ ہے ان کا قناعت کرنا اور اللہ کہہ رہا ہے یہ میں قناعت کر رہا ہوں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ میرا وجود ہے۔

اب آپ خود غور کریں انسان جو آسمانوں اور زمین میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں فساد کر رہے ہیں تمام مخلوقات کا غلط استعمال کر رہے ہیں انہیں ان کے مقامات سے ہٹا رہے ہیں وہ کیا کہتے ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا وجود ہے، ہم اللہ سے دشمنی کر رہے ہیں یا پھر ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ہمارے لیے ہی خلق کیا گیا ہے اس لیے ہم جو جی چاہیں ان کیساتھ کریں اور کر رہے ہیں۔ جب انسانوں کا دعویٰ یہ ہے تو ظاہر ہے اللہ انسانوں کے اس دعوے کی تردید کر رہا ہے کہ اگر اللہ الگ ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ الگ ہے تو یہ اللہ کا ولد اخذ کرنا ہے اور اللہ نے ولد اخذ نہیں کیا یعنی اللہ نے کوئی الگ سے وجود وجود میں لایا ہی نہیں اس کے سوا کوئی وجود ہے ہی نہیں ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں اس کا شریک یعنی کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ هُوَ الۡغَنِىُّ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ. قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ. یونس ٦٨، ٦٩

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ اس وقت دنیا میں جو انسان موجود ہیں جن سے اللہ خطاب کر رہا ہے جو قرآن کے مخاطب ہیں یعنی وہ جو خود کو مسلمان کہلوا رہے ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا یعنی کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا ہے لیکن ان کے برعکس اللہ ان کی بات کا رد کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ ولد اخذ کرے یعنی اس نے کوئی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا هُوَ الۡغَنِىُّ ھُوَ کیا ہے یہ آپ پیچھے جان چکے یہاں کہا جا رہا ہے کہ ھُوَ الغنی ہے یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے اللہ الغنی ہے یعنی ھوالغنی ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ ھو ہی ہے جو ہر کام خود ہی کر رہا ہے وہ کسی دوسرے کا محتاج ہے ہی نہیں نہ وہ اپنا کام کسی دوسرے وجود سے کرواتا ہے اول تو کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور اگر کوئی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنے گا تو ھوالغنی ہے وہ اس سے اپنا کام نہیں لے گا بلکہ وہ شریک ہونے کا دعویدار ہے تو اس کیساتھ شریکوں والا ہی سلوک کیا جائے گا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے آسمانوں وزمین الگ ہیں جو کچھ بھی ان میں ہے یہ الگ ہے تو پھر اس کا مطلب کہ اللہ الغنی نہیں بلکہ اللہ تو ہر کام کے لیے ان مخلوقات کا ہی محتاج ہے؟ یوں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ وہ اپنے قول وفعل سے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ الغنی نہیں بلکہ اللہ فقیر ہے لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اسی کا ہے یعنی جیسے آپ کہتے ہیں یہ ہاتھ میرے ہیں زبان میری ہے بالکل ایسے ہی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہی وجود ہے اور اگر کوئی الگ سے وجود ہونے کا دعویدار ہوگا تو اسے حق نہیں ہے کہ وہ شریک بنے اس کے باوجود اگر وہ اللہ کا شریک بنتا ہے یا شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ اپنا شریک برداشت نہیں کرتا یعنی جو وجود ہے یہ وجود اپنا شریک برداشت نہیں کرتا اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ بِهٰذَا یہ جو بھی کہہ رہے ہیں کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو اوپر آسمانوں میں موجود ہے ان کے پاس اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے کوئی سلطان نہیں یعنی ان کے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں کہ جس سے یہ اپنی بات کو سچا ثابت کرسکیں جب ان کے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں جس سے یہ اپنی بات کو سچا ثابت کرسکیں تو پھر اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ کیوں اللہ پر ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں دیا جا رہا یعنی جن سے تم ہدایت کے لیے رجوع کر رہے ہو جو تمہارے آباؤ اجداد ہیں جو تمہارے ملاں ہیں جب اللہ کے بارے میں تمہیں علم دے ہی نہیں رہے وہ خود تمہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے بارے میں سوال مت کرو اللہ کے پیچھے مت پڑو اللہ کو مت جانو تو تم کون ہوتے ہو اللہ پر بات کرنے والے؟ ظاہر ہے جب نہ تو خود تمہارے پاس اللہ کے بارے میں علم ہے اور نہ ہی تمہاری راہنمائی کے دعویدار جن کے پیچھے تم چل رہے ہو وہ تمہیں اللہ کے بارے میں علم دے رہے ہیں بلکہ وہ تو الٹا تمہیں روک رہے ہیں کہ اللہ کے بارے میں سوچنا بھی مت ورنہ تمہیں طرح طرح کے فتوؤں سے ڈراتے ہیں اور تم اللہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان رہے تو پھر تم یہ جو بغیر علم کے اللہ پر باتیں کیے جا رہے ہوں کیوں ایسا کر رہے ہو؟ کس نے تمہیں یہ حق دیا؟ کس بنیاد پر ایسا کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس تمہاری کسی ایک بھی بات کا ثبوت ہے؟ نہیں ہے تمہارے پاس کسی ایک بھی بات کا ثبوت جو تمہاری کسی ایک بھی بات کو سچا ثابت کر سکے جو تم اللہ پر کہہ رہے ہو۔

آپ خود بھی یہ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے بھی لوگ ہیں جو حق کی مخالفت کر رہے ہیں ان سے پوچھ لیں کہ اللہ کیا ہے تو ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا اور اگر اپنی طرف سے کوئی جواب دیں گے بھی تو اس پر لاتعداد سوالات پیدا ہو جائیں گے جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ انہی لوگوں کو کہا جا رہا ہے جب تمہیں اللہ کے بارے میں علم دیا ہی نہیں جا رہا تو پھر تم کیوں اللہ پر بات کر رہے ہو اللہ کے بارے میں حق سامنے لایا جاتا ہے تو کیوں بغیر علم کے جھگڑ رہے ہو۔

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ اللہ اپنے بھیجے ہوئے کو کہہ رہا ہے یعنی آج اس وقت اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ کو کہہ رہا ہے جس کے ذریعے اس وقت اللہ انسانوں سے کلام کر رہا ہے کہ انہیں کہو اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو افتراء کر رہے ہیں اللہ پر جھوٹ کذب وہ بالکل فلاح نہیں پا رہے۔

ظاہر ہے جب آپ کواللہ کے بارے میں علم ہی نہیں تو آپ کیوں اللہ پرافترا کرر ہے ہیں؟ اللہ سے منسوب کر کے طرح طرح کی باتیں گھڑ رہے ہیں؟ اللہ کے بارے میں جب کچھ علم ہی نہیں تمہارے پاس تو تم اللہ کی نمائندگی کے دعویدار کیسے بنے ہوئے ہو؟ اب بھی تمہارے پاس وقت ہے رجوع کرلو ورنہ کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے نہ صرف دنیا میں تمہارے لیے ہلاکت ہے بلکہ آخرت میں بھی تمہارے لیے ہلاکت ہے۔

اگلی آیت جس کا یہاں ذکر نہیں کیا جار ہا اس میں اللہ نے یہ بات واضح کردی کہ یہ اللہ پر جو افتراء کرر ہے ہیں دنیاوی متاع کے لیے ایسا کرر ہے ہیں صرف اور صرف دنیاوی مال و متاع کی خاطر یہ اس گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں اللہ کے نمائندے بن کر انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

پھر یہی بات کہ اللہ نے کوئی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا اس کا ذکر سورۃ الاسراء یعنی بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۱۱ میں بھی کیا ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا

الاسراء ۱۱۱

اللہ اپنے رسول یعنی اپنے بھیجے ہوئے کو جس کے ذریعے اللہ آج اس وقت انسانوں سے کلام کرر ہا ہے یعنی انسانوں سے بات کرر ہا ہے آج اس وقت انسانوں پر سب کچھ کھول کھول کر واضح کرر ہا ہے انسانوں پر اپنی حجت کرر ہا ہے جو بشر اس وقت انسانوں تک اللہ کا پیغام کھول کھول کر پہنچا رہا ہے اللہ اسے کہہ رہا ہے وَقُلِ اور انہیں کہہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اللہ کے لیے ہے ہی حمد یعنی اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں رائی برابر بھی کوئی نقص کمی کجی کوتاہی یا عیب وغیرہ نہیں ہوتا اللہ کا ہر کام ہر لحاظ سے مکمل اور پرفیکٹ ہوتا ہے اب اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو ذرا غور کریں کائنات اللہ تو نہ ہوئی جب کائنات اللہ نہیں تو دیکھیں اس کائنات میں جو کچھ بھی خلق ہور ہا ہے وہ کیسے خلق ہور ہا ہے کون خلق کرر ہا ہے؟ کیا یہی مخلوقات ہی خالق کی صورت میں سامنے نہیں آئیں گی؟ جب یہی مخلوقات ہی خالق کی صورت میں سامنے آئیں گی تو پھر اللہ کہاں گیا؟ دوسری بات جہاں تک تمہاری پہنچ ہے وہاں تک غور کرو جو بھی وجود میں آیا اسی کائنات نے خود ہی وجود میں نہیں لایا؟ جب اسی وجود نے خود ہی وجود میں لایا ہے اور یہ اللہ بھی نہیں تو اس میں حمد کہاں سے آ گئی کیوں کہ حمد تو صرف اور صرف ہے ہی اللہ کے لیے۔ آپ جب غور وفکر کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا یہی وجود ہی وہ ذات ہے یعنی اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی وجود ہے ہی نہیں اللہ نے کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں ایک ہی وجود ہے جو نظر آ رہا ہے یہی ذات ہی اللہ ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی الگ سے اللہ ہے۔اور مزید یہ بھی کہنے پر مجبور ہو جائیں گے وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ اور ہرگز نہیں ہے کہ ہو اس کا شریک اس کے ملک میں۔ جیسے آپ کا وجود آپ کی مِلک ہے آپ اپنے وجود کے مالک ہیں آپ کا وجود آپ کا مُلک کہلائے گا بالکل اسی طرح جو وجود ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یا جو بھی وجود ہے یہ اسی کی مِلک ہے یعنی اسی کی ملکیت ہے یہ خود ہی ہے اگر کوئی اس میں شریک بنے گا یعنی اگر کوئی فطرت سے بغاوت کرتا ہے اس کا شریک بنتا ہے تو اس کے لیے ہے ہی نہیں کہ وہ اس وجود کا شریک بن سکے یہ وجود یہ فطرت اسے قطعاً برداشت نہیں کرے گی یہ وجود جو کہ اللہ کا وجود ہے اللہ اپنے وجود میں اپنا شریک قطعاً بردا

رہنا اپنا مقصد پورا کر کے ہی رہنا اور ''توجہ فرمائی'' ترجمہ کیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر استویٰ کے معنی جلوہ فرمانا یا قرار پکڑنا ہوتا ہے یعنی کہیں جا ٹھہرنا ہوتا ہے تو پھر یہاں معنی کیوں بدل گئے؟

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰٓى. القصص ۱۴

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے۔ فتح محمد جالندھری

اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا۔ احمد رضا خان بریلوی

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کا نشوونما مکمل ہو گیا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب آپ اس آیت میں بالکل عین اسی لفظ کے معنی دیکھ سکتے ہیں کہ کیا کیے گئے ''بھرپور جوان ہونا'' ''پورے زور پر آنا'' ''نشوونما مکمل ہونا''۔ اس آیت کے تراجم آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں جو ترجمہ و معنی کیے گئے وہ پہلے دونوں مقامات سے بالکل مختلف کیے گئے جو کہ ان کے دجل و فریب کو چاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ. الفتح ۲۹

اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی ۔ فتح محمد جالندھری

پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی ۔ احمد رضا خان بریلوی

پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب اس آیت میں تینوں مترجمین نے استویٰ کا ترجمہ ''سیدھا کھڑا ہونا'' کر دیا۔ اب آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا یہی ترجمہ و معنی اس آیت میں کیا جا سکتا ہے یا باقی آیات میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہاں کیوں کر دیا گیا؟ اور کیا وہ ترجمہ جو وہاں اس آیت میں کیا گیا وہ یہاں اس آیت میں یا باقی آیات میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہاں وہ کیسے کر دیا گیا؟

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

ذُوۡ مِرَّةٍ فَاسۡتَوٰى. النجم ۶

(یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے ۔ فتح محمد جالندھری

پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ احمد رضا خان بریلوی

جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب اس آیت میں اسی لفظ کے ساتھ جو کیا گیا آپ جان کر چونک جائیں گے فتح محمد جالندھری نے ترجمہ کیا ''پورا نظر آنا'' احمد رضا خان بریلوی نے ترجمہ کیا ''قصد فرمانا'' اور ابوالاعلیٰ مودودی تو پورا لفظ جو کہ اپنے آپ میں جملہ ہے اسے کھا ہی گئے اسے غائب ہی کر دیا گویا کہ اللہ سے غلطی ہو گئی اور ابوالاعلیٰ مودودی کو وحی کی کہ میں یہ غلطی کر بیٹھا ہوں ذرا اسے سدھار دینا یعنی اس سے بڑا بہتان اللہ پر ہو سکتا ہے؟ جب ایسا کیا ہی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ غلطی ہو گئی تو کیا اس شخص نے اپنی موت تک اپنی اس غلطی کو تسلیم کیا؟ یا پھر قرآن کیساتھ کھلواڑ کر کے ایسے بھول گیا جیسے کہ کچھ کیا ہی نہ ہو؟ اور باقی مترجمین کے تراجم کو بھی دیکھ لیں کہ نہ تو تینوں مترجمین کے اس آیت کے تراجم کا آپس میں کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان کے اپنے ہی معنوں سے کوئی تعلق ہے جو گزشتہ آیات میں اسی لفظ کے تراجم و معنی کر چکے ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے اور ایسے تمام کے تمام قرآن کے ترجمان ہونے کے دعویداروں کے پیچھے چلنے والوں سے سوال ہے کہ ان کے کون سے ترجمے کو ٹھیک قرار دیا جائے اور کون سے کو غلط؟

اگر ان میں سے کسی کو بھی ٹھیک قرار دیا جاتا ہے تو اس کی بنیاد کیا ہو گی اور جنہیں غلط قرار دیا جاتا ہے تو انہیں کس بنیاد پر غلط قرار دیا جائے؟

اور پھر ان لوگوں سے بھی سوال ہے جو اپنی زبانوں سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ تمام کے تمام تراجم میں صرف الفاظ کے چناؤ کا فرق ہے باقی معنی ومطلب سب کا ایک ہی ہے اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہوتو آؤ اب ان آیات کے تراجم سے ایک ہی معنی ومطلب ثابت کر کے دکھاؤ؟ ایک ہی پیغام ثابت کر کے دکھاؤ؟

اور پھر اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ تمام کے تمام تراجم ہی ٹھیک ہیں جہاں جہاں جو جو ترجمہ کیا گیا بے شک اختلاف ہے مگر ترجمہ ٹھیک ہے یہ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر ایسوں کے لیے اللہ نے اسی قرآن میں ہی بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ یہ اللہ کا کلام ہو ہی نہیں سکتا نہ اللہ کا کلام ہے بلکہ یہ اللہ کے دشمنوں شیاطین مجرمین کا کلام ہے جن کا اللہ کے کلام کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. النساء ۸۲

کیا پس نہیں تدبر کر رہے القرآن اور اگر تھا کسی اور کے ہاں سے اللہ کے علاوہ تو اس کے لیے تھا کہ تم پاتے اس میں کثیر اختلاف یعنی ایک مقام پر کچھ کہا جا رہا ہے اور دوسرے مقام پر کچھ اور کہا جا رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ جس میں چھوٹے سے چھوٹا اختلاف بھی نہ ہو وہ قرآن اللہ کے ہاں سے ہے اور جو اللہ کے ہاں سے نہیں بلکہ غیر اللہ کے ہاں سے ہے اس میں تمہیں بہت زیادہ اختلاف ملے گا۔ اب آپ خود غور کریں کہ کس قرآن کی بات ہو رہی ہے جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ جس میں چھوٹے سے چھوٹا اختلاف بھی نہیں وہ اللہ کے ہاں سے ہے وہ اللہ کا اتارا ہوا ہے اور جو اللہ کا اتارا ہوا نہیں جو اللہ کے ہاں سے نہیں اس میں تمہیں اختلاف کثیر ملے گا اس میں تم اختلاف کثیر پاؤ گے؟

ذرا غور کریں کتنے قرآن موجود ہیں؟ کیا بظاہر ایک ہی قرآن موجود نہیں لیکن ایک ہونے کے باوجود ایک نہیں ہے جنہیں آپ تراجم وتفاسیر کہتے ہیں وہ کیا ہیں؟ جب آپ اردو میں یا دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی آیت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تو کیا اس کو قرآن کی آیت نہیں قرار دیتے کہ اللہ قرآن کی فلاں آیت میں یہ کہہ رہا ہے؟

تو پھر اور کون سے قرآن ہیں؟ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ جو عربی متن میں ہے عین وہی تراجم میں ہے رائی برابر بھی کوئی کمی وزیادتی نہیں؟ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی ایک بھی ترجمہ ایسا نہیں ہے جو قرآن کا ترجمان ہونے کی بجائے قرآن کی ضد نہ ہو، تمام کے تمام تراجم قرآن کی ضد ہیں بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ اوپر عربی متن میں اللہ کا کلام ہے اور نیچے تراجم کی صورت میں شیاطین کا کلام اور اب تو آپ کے سامنے ہیں مختلف تراجم تو بہت دور کی بات ایک ہی مترجم کے ترجمے میں اختلاف کثیر موجود ہے۔

جب اختلاف کثیر موجود ہے جو کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو پھر کیا یہ تراجم کی صورت میں جتنے بھی قرآن ہیں یہ اللہ کے ہاں سے ہوئے یا پھر غیر اللہ کی ہاں سے؟ جب اختلاف کثیر ثابت ہو چکا ہے تو پھر یہ اللہ کا کلام نہیں اللہ کے ہاں سے نہیں بلکہ اللہ کے دشمن شیاطین کا کلام ہے یہ شیاطین کے ہاں سے ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس بات کو غلط ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ تو محض چند آیات ہیں ان کے علاوہ پورے قرآن میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں جس کا ترجمے کیساتھ کوئی تعلق ہو بلکہ ایک ایک آیت کا ترجمہ اس کی ضد ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے ان کا دجل وفریب آپ پر واضح کرتے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی. طٰہٰ ۵

وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلی مودودی

(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری

اس ایک آیت کو پیش کرتے ہوئے تو کہا جاتا ہے کہ عرش پر استویٰ ہوا لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن میں آیات ہیں جیسا کہ قرآن میں چھ مقامات پر درج ذیل

آیت آئی ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ. الاعراف ۵۴، یونس ۳، الرعد ۲، الفرقان ۵۹، السجدۃ ۴، الحدید ۴

اس آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش سے پہلے ثُمَّ کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں مابعد یعنی پہلے کچھ کیا اس کے بعد پھر کیا۔ تو قرآن میں چھ مقامات پر جو کہا گیا کہ ''پھر استویٰ العرش ہوا'' یہ ان لوگوں کو نظر نہ آیا؟ اور نہ ہی کبھی اس پر بات کی جو کہ بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے بھی وہ استویٰ تھا تو العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے کہاں استویٰ تھا جو پھر استویٰ ہوا العرش پر؟ ان لوگوں کو علم تھا کہ ان آیات میں سے اگر کوئی ایک آیت بھی سامنے لائی گئی اسے اپنے آباؤ اجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقیدے و نظریے کے لیے بطور دلیل پیش کیا تو یہ بہت بڑا سوال سامنے آجائے گا جس کا ان کے پاس جواب نہیں ہوگا اس لیے ان لوگوں نے اس آیت کو بطور دلیل استعمال کرنے کی بجائے صرف اس ایک آیت پر ہی اکتفاء کیا ورنہ تو یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کی تائید میں کہیں ایک سے زیادہ بار بات آئے تو یہ شور مچا دیتے ہیں لیکن یہاں یہ لوگ چھ آیات کو بھول گئے صرف ایک ہی انہیں نظر آئی۔

اب آپ سے بھی سوال ہے اور اس عقیدے و نظریے کے حامل تمام کے تمام لوگوں سے سوال ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے بھی وہ کہیں استویٰ تھا تو العرش سے پہلے وہ کہاں استویٰ تھا اور پھر اگر استویٰ کے معنی جلوہ فرمانا یا قرار پکڑنا ہیں تو کیا وہاں بھی یہ معنی لیے جاسکتے ہیں؟

اب جب قرآن سے ہی سوال کیا جائے کہ العرش پر استویٰ سے پہلے کہاں استویٰ تھا تو قرآن کیا جواب دیتا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش. السجدۃ ۴

اس آیت میں بالکل کھلم کھلا واضح ہے کہ استویٰ علی العرش سے پہلے اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے انہیں خلق کیا تو پھر ظاہر ہے استویٰ علی العرش سے پہلے استویٰ الی السماوات والارض وما بینھما تھا

یعنی اگر کل وجود کی بات کی جائے تو ترتیب یہ بنے گی استویٰ الی السماء ثم استویٰ الی الارض ثم استویٰ الی بینھما ثم استویٰ علی العرش. اور اگر بات کی جائے اس زمین جس پر آپ رہتے ہیں اس کی اور اس کے گردگیسوں کی سات تہیں جو کہ زمین کے سات آسمان سات طبقات ہیں تو پھر ترتیب یوں بنے گی ثم استویٰ الی الارض خلق الارض ثم استویٰ الی السماء خلق السماوات ثم استویٰ علی العرش.

اور پھر دیکھیں یہی بات قرآن میں بھی بیان کردی گئی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

ہُوَالَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ. البقرۃ ۲۹

اس آیت میں واضح کردیا گیا کہ استویٰ علی العرش سے پہلے استویٰ ہوا آسمان کی طرف جو کہ ایک آسمان تھا اور استویٰ ہونے کے بعد انہیں سات آسمان کردیا بنادیا۔ آیت میں آیا ہے ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ پھر استویٰ ہوا آسمان کی طرف یعنی آسمان کی طرف استویٰ ہونے سے پہلے بھی کہیں استویٰ تھا اور کہاں تھا اس کا جواب بھی اسی آیت میں پیچھے موجود ہے ہُوَالَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا یعنی استویٰ الی السماء سے قبل استویٰ الی الارض تھا یوں اس آیت میں یہ ترتیب سامنے لائی گئی ثم استویٰ الی الارض خلق الارض ثم استویٰ الی السماء خلق السماوات ثم استویٰ علی العرش.

اب آپ سے سوال کرتے ہیں اور ان تمام لوگوں سے بھی سوال ہیں جنہوں نے ایسے تراجم و تفاسیر کیے جو اس عقیدے و نظریے کے حامل ہیں کہ اگر ثم استویٰ علی العرش کے معنی یہ ہے کہ پھر تخت پر جلوہ فرما ہوا، قرار پکڑا یعنی جا ٹھہرا، متمکن ہوا تو پھر ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ کے معنی کیا کیے جائیں گے؟ کیا یہاں وہی معنی کیے جانے ممکن ہیں؟ اگر نہیں جو کہ کسی بھی صورت ممکن نہیں تو پھر آپ کو کس نے اختیار دیا کہ آپ اتنا بڑا دجل و فریب کریں؟ آپ نے یہ تراجم و معنی کہاں سے گھڑ لیے؟ کیا ہر لحاظ سے یہ بات ثابت نہیں ہوجاتی کہ ان لوگوں نے تراجم و تفاسیر کے نام پر نہ صرف اللہ سے دشمنی کرتے ہوئے قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا، دجل و فریب سے کام لیا، بلکہ اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو ہی سچا ثابت

کرنے کے لیے قرآن کو من پسند تراجم ومعنی پہنائے جن کا قرآن کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں بلکہ الٹا ان کے تمام کے تمام تراجم ومعنی اور تفاسیر قرآن کی ضد ہیں شیاطین کا کلام ہے جس سے انہوں نے انسانوں کو نہ صرف گمراہ کیا ضلالٍ مبین یعنی سو فیصد گمراہیوں میں دھکیل دیا بلکہ ان کی ذلت ورسوائی کا بھی سبب بنے آج دنیا کی جو حالت ہے انہی کے ان کرتوتوں کے سبب ہے۔

یہاں تک ان لوگوں کی جڑیں ہی کاٹ کر رکھ دی گئیں ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کو بنیادوں سے ہی اکھاڑ کر رکھ دیا اور دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس حق کو غلط ثابت کر سکے یا اس کا انکار کر سکے، ہر کوئی جان لے یہ حق ہے اور حق کو حق حاصل ہے کہ اسے مانا جائے حق خود کو منوا کر ہی رہتا ہے اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے دل سے اپنی مرضی سے مانتے ہوئے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی فلاح کا سودا کریں ورنہ جب زبان اپنا کام مکمل کر چکے گی تو ہاتھ حرکت میں آئیں گے اور جب ہاتھ حرکت میں آئیں گے تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا لیکن وہ ماننا آل فرعون اور جو ان سے پہلے تھے ان کے ماننے کی مثل ہوگا۔

اب آپ پر واضح کرتے ہیں کہ استویٰ کے معنی کیا ہیں **ثم استویٰ الی الارض ثم استویٰ الی السماء ثم استویٰ علی العرش** کیا ہے؟ آخر حق کیا ہے؟ اس کے علاوہ جو آج تک کہا جاتا رہا کہ اللہ کا عرش آسمانوں وزمین کی تخلیق سے پہلے پانی پر تھا اس حق کو بھی کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں سب سے پہلے جان لیں کہ استویٰ کے معنی کیا ہیں۔ استویٰ ''سَوَ'' سے ہے جس کے معنی ہیں کرنا یعنی کوئی کام وغیرہ کرنا اور استویٰ کے معنی ہیں کیا ہے جو کام کرنا ہے یا کیا ہے جو کام کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گارنٹی ہے یہ معنی درست ہیں؟ تو اس کا جواب بہت ہی آسان ہے قرآن میں ہی اللہ نے حق کی پہچان کا بہترین طریقہ بیان کر دیا کہ کوئی بھی بات کرتا ہے تو اس کی بات کو قرآن پر پیش کیا جائے اگر تو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو وہ حق ہے اور اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے۔

تو ایسا کرتے ہیں کہ اس معنی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن اس معنی کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کرتا ہے یا پھر اس معنی کو رد کرتے ہوئے تصدیق کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

تو قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا اگر آپ ان تمام مقامات پر ان معنوں کو پیش کریں تو قرآن میں کوئی بھی مقام ایسا نہیں ہے کہ جو ان معنوں کو قبول نہ کرے بلکہ تمام کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کر دیں گے کہ یہی حق ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں آپ دیکھ سکتے۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ. البقرة ٢٩

هُـوَ جو بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ **الَّذِیْ** یہی وجود ہے وہ ذات ہے **خَلَقَ لَکُمْ** خلق کیا تم ہی کو **مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا** ارض میں یعنی زمین میں جو ہے وہ سب باقاعدہ پوری ترتیب میں ہے **ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ** پھر استویٰ ہوا آسمان کی طرف یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے تم ہی کو خلق کرنے کے بعد کیا تھا جو کرنا تھا؟ کیا تھا جو کیا؟ ایک آسمان تھا اسے کرنے کے لیے جو کیا **فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰت** پس انہیں سات آسمان کر دیا۔

اس آیت میں نہ صرف اللہ کی ذات کیا ہے کھول کر واضح کر دیا کہ ھُوَ یعنی جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ ہی کا وجود ہے بلکہ استویٰ کے معنی کیا ہیں وہ بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں کہ پہلے زمین میں جو کچھ ہے اسے خلق کیا اور جب زمین میں وہ سب خلق کر لیا تو پھر زمین کے گرد گیسوں کے مرکب کی ایک ہی تہہ تھی جو کہ ایک آسمان تھا تو اس آسمان کو جب کرنا شروع کیا اسے کیا تو پس سات آسمان کر دیا یوں استویٰ کے معنی بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی. الرعد ٢

اَللّٰہُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے اَلَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ بلند ہیں آسمان کسی ایک بھی ستون کہ یہ ذات ہے اللہ تَرَوْنَھَا ہمیں دیکھ رہے ہو یہ جو آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو۔ یعنی یہ جو تم آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو یہ اللہ ہی کی ذات ہے جسے دیکھ رہے ہو تو غور کرو آسمان کیسے بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہیں؟ کیسے بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہوئے؟ کیا کوئی باہر سے آیا جس نے ان کو آکر بلند کیا بغیر کسی ایک بھی ستون کے؟ کیا کوئی باہر سے آکر آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے؟ غور کرو کیا آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے رفع کرنے والی ذات یہی وجود ہی نہیں ہے جس میں بذات خود آسمان بھی آتے ہیں؟ یہی ذات ہے یہ تم اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہو جو تم آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یہی وجود ہے یعنی یہی ذات ہے جو کچھ بھی موجود ہے جب اس وجود نے آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے رفع کیا تو پھر استویٰ ہوا العرش پر۔

عرش کے معنی ہیں نظام چلانا، مثلاً اگر آپ کوئی مشین بناتے ہیں تو بنانے کے بعد آپ کیا کریں گے؟ ظاہر ہے بنانے کے بعد اسے چلایا جائے گا تو مشین کے چلانے کو اس کا نظام چلانے کو عرش کہتے ہیں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یعنی آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند کرنے کے بعد آسمانوں و زمین یعنی زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں پر مشتمل آسمانوں کا نظام چلانے پر معمور ہوا اور پھر کون ہے جو نظام چلانے پر معمور ہے آگے مزید اسے بھی کھول کر واضح کر دیا کہ یہی ذات ہی ہے جو کہ ایک ہی ذات ہے اس کے علاوہ کسی اور کا وجود ہے ہی نہیں وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اور سورج اور چاند اپنے اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں تمام کے تمام یعنی تمام کے تمام ستارے وسیارے بہہ رہے ہیں جو جوان کے خاتمے کا وقت ہے تب تک کے لیے جس سے زمین کا نظام چل رہا ہے

آپ آسمانوں و زمین کی خلق میں غور وفکر کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان کو خلق کرنے والا کوئی باہر سے نہیں آیا بلکہ یہی وجود ہے جسے آپ کائنات کہتے ہیں اسی نے آسمانوں و زمین کو وجود دیا اور یہی وجود ہی ہے جو انہیں وجود میں لانے کے بعد ان کا نظام چلانے پر معمور ہے یعنی مخلوقات ہی ہیں جو نظام چلانے پر معمور ہیں نہ کہ کوئی ایسا اللہ اپنا وجود رکھتا ہے جو کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے۔

حق ہر لحاظ سے آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اور آج تک اللہ کے عرش پر استویٰ ہونے سے مراد جو لیا جاتا رہا اور اس بنیاد پر جو دھوکہ دیا جاتا رہا وہ بھی چاک کر کے رکھ دیا گیا۔ عرش کوئی تخت نہیں ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے جس پر اللہ بیٹھا ہے بلکہ عرش تو کہتے ہیں نظام چلانے کو اور آسمانوں و زمین کا نظام چلانے پر جو معمور ہے جو آسمانوں و زمین کا نظام چلا رہا ہے وہ ہی ذات ہے جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں یا کائنات کا نام دیتے ہیں۔

سورج اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے، چاند اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے، فضا اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے، سمندر اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں ایسے ہی تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہی ہیں جس سے آسمانوں و زمین کا نظام چل رہا ہے یوں کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ یہی وجود ہی ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں، خالق بھی خود ہی ہے، جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی خود ہی ہے اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے وہ بھی خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، اور یہ وجود خود ہی نظام چلانے پر معمور ہے۔

اب ان کے اس دجل وفریب کو بھی بالکل چاک کر کے رکھتے ہیں جو آج تک کہا جاتا رہا کہ اللہ کا عرش پہلے پانی پر تھا جس کے لیے درج ذیل آیت کے تراجم و تفاسیر کو بطور دلیل پیش کیا جاتا رہا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ۔ ھود ۷

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ فتح محمد جالندھری

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ احمد رضا خان بریلوی

اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ '' کَانَ '' کا ترجمہ تھا کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ '' کان'' ماضی کا صیغہ ہے اس لیے اللہ نے اس آیت میں کہا کہ پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا حالانکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی۔ جسے انہوں نے ماضی کا صیغہ بنا دیا وہ ماضی کا صیغہ کہاں سے بن گیا؟ کیونکہ یہ ایک ہی لفظ کی مختلف حالتیں ہیں ''کن، کون، کونو، کان'' اب اگر ''کان'' ماضی کا صیغہ ہے تو پھر اسی لفظ کی باقی حالتوں کا معنی کیا کیا جائے گا؟ کیا انہیں بھی کوئی صیغہ بنایا جا سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔

''کن'' کہتے ہیں قانون میں کسی کام کے ہونے کو، ''کون'' کسی کام کا قانون میں ہونا، ''کونو'' کسی کام کا قانون میں ہو رہے ہونا اور ''کان'' کے معنی ہیں کام کا قانون میں ہو چکا ہونا۔

اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے مثلاً کوئی بادشاہ ہو اور آپ اسے کوئی کام کہتے ہیں کہ میرا یہ کام کروا دیں تو بادشاہ آپ کو کہتا ہے کہ آپ کا کام ہو گیا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ کے کہنے سے کیا کام ہو چکا ہوتا ہے؟ یا پھر کام تو ابھی ہونا باقی ہے مگر جب بادشاہ نے کہہ دیا کہ ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ قانون میں ہو چکا اب اسے ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا محض وقت کی بات ہے جیسے ہی وقت آ جاتا ہے تو یہ کام ہو کر رہے گا۔

یہ ہیں ''کان'' کے معنی یعنی کسی کام کا قانون میں ہو چکا ہونا یا یوں کہیں کہ کسی کام کا پہلے سے طے شدہ ہونا ہے جو کہ وقت آنے کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا تو ہو کر رہے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی یہی کہتا ہے کہ نہیں ''کان'' ماضی کا ہی صیغہ ہے تو پھر ایسے ہر شخص سے سوال ہے کہ کیا وہ درج ذیل آیت میں ''کان'' کو ماضی کا صیغہ ثابت کر سکتا ہے؟

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. الانبیاء ۲۲

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں بھی وہی لفظ ''کان'' کا استعمال کیا گیا اب اگر اسے ماضی کا صیغہ تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل یہ کہا تھا کہ اگر تھے آسمانوں اور زمین میں الٰہ اللہ کے علاوہ تو آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کچھ درہم برہم ہو گیا ہر شئے میں خرابیاں ہو گئیں۔

تو آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا آج سے چودہ صدیاں قبل ایسا کچھ ہوا تھا؟ آسمانوں و زمین میں تمام کی تمام مخلوقات میں خرابیاں ہو گئی تھیں؟ نہیں بلکہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب میں خرابیاں تو آج ہوئی ہیں نہ کہ آج سے چودہ صدیاں قبل ہوئی تھیں۔

یہ آیت لفظ ''کان'' کو بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے جس کے معنی ہیں ایک کام کا قانون میں ہو چکا ہونا یعنی کہ جو قانون میں طے شدہ ہے بس اس کا وقت آنے کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا تو وہ ہو کر ہی رہے گا اسے ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی کیونکہ وہ قانون میں ہو چکا اور یہ آج سے چودہ صدیاں قبل اللہ نے کھول کھول کر واضح کر دیا تھا کہ آسمانوں و زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان کی مثال تمہارے جسم کی سی ہے ان کی مثال ایک مشین کی سی، ایک وجود کی ہے۔ انتہائی پیچیدہ المیزان یعنی توازن قائم کیا گیا اس لیے ان میں کوئی ایک بھی عمل اللہ کے علاوہ کسی بھی مرضی کے مطابق نہ کرنا ورنہ اگر اللہ کے علاوہ اوروں کی بات مانی جائے گی اوروں کی بات مان کر جو کچھ بھی دیا گیا اس کا یا اس میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا تو سمجھو آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب خراب ہو چکا یعنی پھر ان کا خراب ہونا قانون میں طے شدہ ہے۔

اور آج جب وہ وقت آ گیا جب انسان نے اللہ کے علاوہ اوروں کو الٰہ بنایا یعنی فطرت جس نے اسے وجود دیا اور تمام تر صلاحیتوں سے نوازا ان کا استعمال فطرت کے لیے ہی کرنے کی بجائے اسی وجود کے لیے ان کا استعمال کرنے کی بجائے اوروں کی مان کر ان کا استعمال کیا گیا تو آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے نہ صرف ہر شئے میں خرابیاں ہو گئیں بلکہ اب تو فساد طرح طرح کی ہلاکتوں و تباہیوں کی صورت میں ظاہر ہو چکا۔

یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ ''کان'' ماضی کا صیغہ نہیں ہے بلکہ کان کے معنی ہیں کسی کام کا قانون میں ہو چکنا۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ. ہود ۷

هُــوَ جو بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِىْ یہی وجود ہی وہ ذات ہے خَـلَـقَ السَّـمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ خلق ہوئے

آسمانوں اورزمین چھ مراحل میں وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ اورخلق ہونے کے بعدان کا نظام جوچل رہا ہےاس نظام کا پانی پر چلنا طے شدہ تھا یعنی قانون میں اس نظام کا جوآسمانوں وزمین میں موت وحیات کا نظام چل رہا ہےاس کا پانی پر چلنا ہی طے شدہ تھا۔

یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ آج سے چودہ صدیاں قبل قرآن نے یا محمد علیہ السلام نے یہودیوں وعیسائیوں کے اس بے بنیاد و باطل عقیدے و نظریے کی تائید وتصدیق نہیں کی تھی کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اللہ الگ اوپر آسمانوں پر تخت پر موجود ہے جو آسمانوں وزمین کی خلق سے پہلے اس کا تخت پانی پر تھا اور بعد میں اٹھا کر آسمانوں پر لے گیا بلکہ قرآن نے اور محمد علیہ السلام نے تو ان کے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کا رد کرتے ہوئے ان کو بے بنیاد و باطل ثابت کرتے ہوئے حق بالکل کھول کھول کر واضح کیا تھا کہ نہ صرف ایسے کسی اللہ کا کوئی وجود نہیں بلکہ کوئی ایسا تخت اپنا وجود نہیں رکھتا جو آج آسمانوں پر پڑا ہے اور پہلے پانی پر پڑا ہوا تھا۔

بلکہ اگر آپ آسمانوں وزمین کی خلق میں غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ پانی تو آسمانوں وزمین کی خلق کے بعد وجود میں آیا، آسمانوں وزمین کی خلق سے پہلے تو پانی کا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور جب آسمانوں وزمین کی خلق سے پہلے پانی کا کوئی وجود ہی نہیں تھا تو پھر کون سا تخت اور کون سے پانی پر پڑا تھا۔

پیچھے آپ پر تفصیل کیساتھ کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ پانی کیسے وجود میں آیا۔ زمین پر آخری چار اقسام کے شہابیوں کی جو بارشیں ہوئیں اور ان شہابیوں کا مواد جب کیمیائی عوامل سے گزرا تو اس میں سے خارج ہونے والی گیسیں زمین کے گرد جمع ہوتی رہیں اور پھر جب سورج وجود میں آیا تو سورج سے خارج ہونے والی انرجی جب زمین کے گرد گیسوں کے مرکب میں داخل ہوئی تو نہ صرف گیسوں کا مرکب سات آسمانوں یعنی سات تہوں میں تقسیم ہو گیا بلکہ ان آخری چار اقسام کے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں سے ہائیڈروجن و آکسیجن گیسیں وجود میں آئیں اور ان کے ملاپ سے پانی وجود میں آیا۔ اس وقت کل کے کل وجود میں پانی صرف اور صرف اسی زمین پر ہے اس کے علاوہ کہیں بھی پانی کا کوئی وجود نہیں کیوں کہ پانی کسی بھی سیارے کے مکمل ہونے کے بعد اس پر آخری چار اقسام کے آنے والے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں سے وجود میں آتا ہے اور اِس وقت کل کے کل وجود میں یہ زمین جس سیارے پر آپ موجود ہیں اس کے علاوہ کوئی اور سیارہ مکمل نہیں ہوا بلکہ باقی تمام سیارے اپنے تکمیلی کے مراحل سے گزر رہے ہیں اور تب تک اس زمین سے باہر کہیں بھی پانی کا کوئی وجود نہیں ہوگا جب تک کہ باقی سیارے مکمل نہیں ہو جاتے یعنی جو بھی سیارہ مکمل ہوگا تو اس کا نظام چلانے کے لیے پانی وجود میں آئے گا۔

اب جب آپ پر یہ بات واضح ہو چکی کہ اس زمین کے علاوہ کہیں بھی پانی کا نام ونشان تک نہیں تو پھر کون سا عرش نامی تخت کس پانی پر پڑا ہوا تھا جو بعد میں اٹھا کر اوپر آسمانوں پر لے جایا گیا؟

اور دوسری بات کہ آپ خود غور کریں کہ زمین پر جو نظام چل رہا ہے یہ نظام کس پر چل رہا ہے؟ کیا زمین کا نظام پانی پر نہیں چل رہا؟ کیا پانی سے ہی سارا نظام نہیں چل رہا؟ کیا پانی سے ہی زندگی وجود میں نہیں آئی؟ کیا پانی سے ہی نباتات، جاندار اور یہ بشر وجود میں نہیں آیا؟ کیا پانی سے ہی زمین پر حیات وجود میں نہیں آ رہی؟ کیا یہ پانی ہی نہیں جس پر زمین کا سارا نظام چل رہا ہے اگر پانی کو ہٹا دیا جائے تو زمین ایک بنجر سیارہ بن جائے گا؟

آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہیں یعنی سات آسمان مکمل کرنے کے بعد ان میں نظام چلانا مقصود تھا اور وہ نظام پانی پر چلایا گیا جو کہ آج آپ خود عرش یعنی نظام کو پانی پر چلتا دیکھ رہے ہیں۔

یوں حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا اور کوئی چاہ کر بھی حق کو نہ تو غلط ثابت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کر سکتا ہے ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر وہ حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تو اسے آل فرعون اور ان سے پہلی قوموں کی مثل ماننا ہوگا اور ہر کوئی اس حق کو تسلیم کرے گا لیکن اس طرح ماننا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ اس طرح ماننا تو مجبوری ہوگا کوئی چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکے گا۔

خود کو مسلمان کہلوانے والوں میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو قرآن کی ایک آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے۔

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ. الشوریٰ ۱۱

اس آیت کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اس جیسی کوئی شئے نہیں یا اس کی مثل کوئی شئے نہیں جس سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ کی مثل کوئی شئے نہیں یا اللہ کے جیسی کوئی شئے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کو آج تک استعمال کرتے ہوئے اکثریت کو دھوکہ دیا جاتا رہا، اپنے مشرک آباؤاجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے اس آیت کے من پسند تراجم و تفاسیر کیے جاتے رہے اور من پسند مطلب اخذ کیا جاتا رہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ اللہ کی مثل کوئی شئے نہیں بلکہ اس آیت میں تو بالکل مختلف بات کی گئی جسے آپ ایک مثال سے با آسانی سمجھ سکتے ہیں مثلاً کوئی ایسا کاریگر ہے جو ایسے اشیاء بناتا ہے کہ اس کے جیسی شئے کوئی دوسرا بنا ہی نہیں سکتا خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لے تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ اس کے جیسی یا اس کی مثل کوئی شئے نہیں یعنی جو وہ خلق کرتا ہے جو اشیاء وہ بناتا ہے اس کے جیسی کسی دوسرے کی کوئی شئے ہے نہ ہو سکتی ہے۔

اور یہی اس آیت میں کہا گیا جو کہ اس آیت کا پس منظر غائب کرنے سے چھپ گیا۔ یہی ان لوگوں نے آج تک کیا کہ اس آیت کا پس منظر کیا ہے اسے بالکل غائب ہی کر دیا اور وہ پس منظر بھی کسی الگ آیت میں نہیں بلکہ اسی آیت میں موجود ہے یعنی یہ جس آیت کا حصہ ہے اس پوری آیت کو آپ سامنے رکھیں تو ان کا دجل آپ پر چاک ہو جائے گا جیسا کہ ذیل میں مکمل آیت آپ کے سامنے ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ. الشوریٰ ۱۱

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فاطر ہیں آسمانوں وزمین یعنی جب تک آسمانوں وزمین بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کہ اول خلق کیے گئے ان میں کوئی بھی تبدیلی نہیں کی جاتی جیسے اللہ نے خلق کیے یعنی اسی وجود نے خلق کیے بالکل ویسے کے ویسے ہیں تو جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا کر دیا تم کو انہی سے جوڑا یعنی مرد اور عورت وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا اور کر دیا انعام سے جوڑا يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ یعنی جن ذرات سے تمہیں وجود میں لایا جا رہا ہے ان ذرات میں بھی جوڑا ہے ایک طیب اور دوسرا خبیث۔ اب یہ بات کرتے ہوئے آگے کہا گیا لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ ہرگز نہیں تھا بالکل ایسے ہی جیسے کہ اس کی مثل شئے ہے یعنی بالکل واضح الفاظ میں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ آسمانوں وزمین کو فاطر کیا گیا یعنی انہیں جب خلق کیا گیا تو بالکل پرفیکٹ اور مکمل خلق کیا گیا تو انہیں جیسا خلق کر دیا گیا جب تک ویسے ہی رہیں گے تو ان میں جو بھی خلق ہوگی وجود میں آئے گی تو نہ صرف ہر شئے کا جوڑا ہوگا اور تب تک جوڑا تھا بلکہ ان کے جیسی کوئی شئے ہو ہی نہیں سکتی مطلب یہ کہ اگر آسمانوں وزمین کو فاطر نہیں رہنے دیا جاتا ان میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کی جاتی ہے ان میں مداخلت کی جاتی ہے اور یوں جو کچھ بھی خلق کیا جائے گا تو کوئی ایک بھی شئے اس طرح کی نہیں ہو سکتی جیسے فطرت پر رہنے سے وجود میں آتی ہے جیسا فطرت خلق کرتی۔

جب تک آسمانوں وزمین فاطر رہیں گے تو ان میں رائی برابر بھی کوئی خامی نہیں ہوگی کوئی بھی شئے رائی برابر بھی خامی وخرابی والی نہیں ہوگی پہلی بات جوڑا ہوگا اور دوسری بات ہر لحاظ سے مکمل اور بے عیب ہوگی لیکن جب انہیں فاطر نہیں رہنے دیا جائے گا تو پھر ان کے جیسی شئے ہو ہی نہیں سکتی ان کی مثل کوئی شئے ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ یہ بات واضح کر دی تھی کہ فطرت پر قائم ہونا ورنہ اگر فطرت پر قائم نہیں ہوئے اور فطرت میں تبدیلیاں کیں تو اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اور جب تبدیلی کی جائے گی تو وہ شئے سلامت نہیں رہے گی اس میں خرابیاں ہو کر تباہیاں آئیں گی۔

اور آج کیا ہوا؟ آج آپ اپنی آنکھوں سے سب دیکھ سکتے ہیں آج جب آسمانوں وزمین کو فاطر نہیں رہنے دیا گیا ان میں چھیڑ چھاڑ کر دی گئی ان میں مداخلت کر دی گئی تو کیا آج جو کچھ بھی خلق ہو رہا ہے کیا کوئی ایک بھی شئے بالکل اس جیسی ہے جیسے کہ جب آسمانوں وزمین فاطر تھے تو خلق ہو رہی تھیں؟ آج تو جنسیں بھی دو نہیں رہیں بلکہ ان میں بھی خرابی ہوگئی اور اس کے علاوہ ہر شئے ہی عیب دار، خامیوں وخرابیوں والی ہو چکی ہے تو پھر اس کی مثل کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تھا حق جو اس آیت میں بیان کیا گیا لیکن آج تک ان لوگوں نے بات کا پس منظر چھپا کر اکثریت کو اپنے دھوکے، دجل وفریب کے جال میں پھنسائے رکھا۔ اور پھر دیکھیں اسی آیت میں آگے اللہ کا بھی ذکر ہے اور اللہ کسے کہا گیا آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ اور ھُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم نہیں ہو جاتا یہی وجود ہے جو سن رہا ہے دیکھ رہا ہے۔

آپ خود غور کریں کہ پیچھے کس کی بات ہو رہی ہے جس کی مثل نہ ہو سکنے کا آگے ذکر کیا جا رہا ہے؟ کیا پیچھے اللہ کی ذات پر بات ہو رہی ہے کہ اللہ کیا ہے؟ یا پھر پیچھے تو اللہ کی خلق کی بات ہو رہی ہے؟ جب پیچھے اللہ کی خلق کی بات ہو رہی ہے تو پھر ظاہر ہے آگے اللہ کی خلق ہی کی مثل نہ ہونے کا دعویٰ کیا جائے گا نہ کہ اللہ کی مثل کا۔

یہ تھا حق اور اس کے باوجود اگر یہ بھی کہا جائے کہ اللہ کی مثل کوئی بھی نہیں تو پھر یہ بات جان لیں کہ مثل ہونے کے لیے دوسرا وجود ہونا شرط ہے یعنی جب وجود ہو ہی ایک تو پھر اس کی مثل کہاں سے آسکتی ہے؟ مثل کا تصور تو پیدا ہی وہاں ہوتا ہے جہاں ایک سے زائد وجود ہوں اور جب ایک ہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے مثل تو ہو ہی نہیں سکتی۔

یوں اس پہلو سے بھی اگر بات کی جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود ثابت ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں بلکہ جو ایک ہی وجود ہے وہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

یوں اس آیت کی بنیاد پر دیا جانے والا دھوکہ بھی چاک کر دیا گیا اور حق آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا جس کو دنیا کی کوئی طاقت غلط ثابت نہیں کر سکتی۔

آپ پر اللہ کو کھول کھول کر ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے واضح کر دیا ان کے علاوہ بھی اور بہت سے پہلوؤں سے اللہ پر بات کی جا سکتی ہے لیکن اب تک جن پہلوؤں سے بات کی گئی انہی سے حق اس قدر کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے نہ تو غلط ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کا انکار کر سکتی ہے۔ ہاں البتہ ایک بات ضرور ہے جب زبان سے کچھ کہا جاتا ہے تو کوئی چاہے مانے اور کوئی چاہے تو انکار کرے لیکن بالآخر اسے ماننا ہی پڑے گا اسے ماننا ہی ہوگا اور وہ تب مانے گا جب زبان اپنا کام مکمل کر لے گی اور ہاتھ اپنا کام کرنے کے لیے حرکت میں آجائیں۔ جیسے ہی ہاتھ حرکت میں آجائیں تو کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنی انکار والی بات پر قائم رہے بلکہ پھر ہر کوئی ماننے کی ضد کرتا ہے ماننے کا رٹا لگاتا ہے لیکن تب ماننا اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ حق آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ کیا ہے اور آپ جان چکے کہ ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو اللہ مولویوں نے گھڑ کر آسمانوں پر چڑھایا ہوا تھا۔ وہ اللہ محض مذہبی طبقے کی دماغی اختراع ہے جس کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں، آپ یہ بھی جان چکے کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے تو اس کا مطلب آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ احد نہیں بلکہ واحد ہے حالانکہ نہ صرف پورے قرآن میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ اللہ احد ہے بلکہ سورۃ الاخلاص میں دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ احد ہے، جب اللہ واحد نہیں احد ہے اور آپ نے جان لیا کہ اللہ کیا ہے ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو ملاّؤں نے گھڑ رکھا ہے جو اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر عیسیٰ ابن مریم کو کس اللہ نے اپنی طرف زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا؟ جب ایسا کوئی اللہ ہے ہی نہیں تو پھر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم سے متعلق حیات ونزول عیسیٰ ابن مریم والا عقیدہ بالکل بے بنیاد، باطل اور من گھڑت ہے جس کا حق کیساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں، حق ہر لحاظ سے آپ پر واضح کر دیا گیا دنیا کی کوئی طاقت حق کا رد نہیں کر سکتی اسے غلط ثابت نہیں کر سکتی۔

جب ان لوگوں کو اللہ کا ہی علم نہیں یہ اللہ کے بارے میں ہی کچھ علم نہیں رکھتے اللہ سے متعلق ان کا عقیدہ ونظریہ بے بنیاد، باطل اور من گھڑت ثابت ہو چکا تو پھر عیسیٰ ابن مریم سے متعلق جو عقیدہ انہوں نے عیسائیوں سے اخذ کیا وہ کیسے سچا ہو سکتا تھا؟

جب اس کائنات سے الگ وجود رکھنے والا اوپر آسمانوں میں کوئی اللہ ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف اوپر آسمانوں پر اٹھانے والی بات بے بنیاد اور من گھڑت ہے خواہ کوئی زندہ اٹھانے کی بات کرے یا مردہ اٹھانے کی بات کرے دونوں صورتوں میں ہی بے بنیاد، باطل اور من گھڑت ہے۔ اور جو لوگ بھی ایسا دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو زندہ یا مردہ اپنی طرف اوپر آسمانوں پر چڑھا لیا تو ایسے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ احد نہیں بلکہ اللہ واحد ہے اور اللہ نے ولد اخذ کر لیا ایسے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ تین وجود موجود ہیں ایک یہ کائنات دوسرا اللہ اور تیسرا عیسیٰ ابن مریم جو اللہ نہیں تھا اور اس کائنات کا حصہ بھی نہیں بلکہ وہ اس کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چڑھ گیا یوں تین وجود بن گئے اور انہی کا قرآن میں بھی ذکر کیا گیا جس آیت کو یہ لوگ عیسائیوں پر منطبق کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کا ایک دوسرے پہلو سے بھی یہی کہنا ہے کہ ایک نہیں تین وجود

ہیں خالق، خلق اور مخلوق جس کا مطلب ہے کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا جو کہ اللہ پر بہتان عظیم ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے آج تک جو خرافات پھیلائی گئیں ان کی حقیقت بھی آپ پر واضح کرتے ہیں جیسے کہ یہ بات اتنی عام کر دی گئی جو کہ زبان زد عام ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر نہیں چڑھایا گیا تھا بلکہ عیسیٰ ابن مریم کو تو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور ان کی جگہ ان کا ایک حواری جس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے بدل دی گئی اسے مصلوب کیا گیا۔

ایک شخص کو بنی اسرائیل کی طرف سے پکڑ کر مصلوب کیا گیا اس واقعہ پر نہ صرف بنی اسرائیل میں سے یہود و نصاریٰ متفق ہیں کہ ایسا واقعہ ہوا تھا بلکہ خود کو مسلمان کہلوانے والے بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں واقعتاً ایک شخص کو مصلوب کیا گیا۔

بنی اسرائیل میں یہود کا کہنا ہے کہ انہوں نے یسوع یعنی عیسیٰ جو کہ مریم کا بیٹا تھا اسے اس وجہ سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا کیونکہ وہ اللہ کا رسول اور مسیح ہونے کا دعویدار تھا لیکن یہود کا کہنا ہے اور کہنا تھا کہ وہ اللہ کا رسول اور وہ ہی مسیح نہیں تھا جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا تھا اس لیے وہ نہ صرف ایک جھوٹا شخص تھا بلکہ اس کی والدہ زانیہ تھی اور وہ زنا کی پیداوار تھا جس نے آ کر دین کو بدلنے کی کوشش کی اس نے موسیٰ کے دین کے برعکس ایک نیا دین پیش کیا جس وجہ سے اسے مصلوب کر دیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا گیا۔

اور عیسائی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک شخص کو مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا گیا جو کہ مریم کا بیٹا عیسیٰ تھا لیکن عیسائیوں کا اس شخص کے متعلق نظریہ یہود سے بالکل مختلف ہے عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور اس کو یہود نے ناحق قتل کیا۔ پھر عیسائیوں کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ مصلوب کیے جانے کے تین دن بعد عیسیٰ ابن مریم دوبارہ زندہ ہو گیا اور تقریباً چالیس دن تک اپنے خاص حواریوں سے ملاقاتیں بھی کرتا رہا اور چالیس دن بعد زندہ آسمانوں پر اللہ کے پاس جا بیٹھا۔

اور مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کو مصلوب کیا گیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم تھا لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ جسے مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا گیا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ ان کا ایک غدار حواری تھا جس نے عیسیٰ ابن مریم سے غداری کرتے ہوئے انہیں گرفتار کروانے کی کوشش کی، اللہ نے فرشتوں کو بھیج کر عیسیٰ ابن مریم کو تو زندہ آسمانوں پر اپنی طرف اٹھا لیا اور اس غدار حواری کی شکل کو عیسیٰ ابن مریم سے بدل دیا گیا اور اسے ہی عیسیٰ ابن مریم سمجھتے ہوئے مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا گیا۔

آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ یہودی و عیسائی ہوں یا پھر مسلمان قوم، سب کے نزدیک ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا کہ ایک شخص کو مصلوب کیا گیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کیا گیا اور اس واقعہ کا انکار بھی کسی صورت نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ نہ صرف تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے، عیسائیوں کی بائبل میں اس کا ذکر موجود ہے بلکہ قرآن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے قرآن نے بھی اس واقعہ کی نفی نہیں کی لیکن قرآن نے اس واقعہ کا نتیجہ وہ بیان نہیں کیا جو مسلمانوں سمیت عیسائی و یہودی سمجھتے ہیں قرآن کا دعویٰ ہے کہ جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ اس کی موت ہو گئی اسے قتل نہیں کیا جا سکا اس کی صلیب پر موت نہیں ہوئی۔

واقعہ صلیب پر تمام کے تمام فریق متفق ہیں کہ ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا لیکن اگر اختلاف ہے تو اس بات پر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے یہود جنہوں نے مصلوب کیا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے جس شخص کو مصلوب کیا اس کا نام عیسیٰ تھا جو کہ مریم کا بیٹا تھا اور وہ اللہ کا رسول ہونے کا دعویدار تھا حالانکہ وہ اللہ کا رسول نہیں تھا وہ کذاب تھا یعنی بنی اسرائیل سے یہود خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا اور قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب تھا۔

بنی اسرائیل سے نصاریٰ اور عیسائی قوم اس حد تک یہود سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہود نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا لیکن عیسائیوں کا کہنا ہے کہ وہ کذاب نہیں بلکہ واقعتاً اللہ کا رسول تھا وہی مسیح رسول جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا تھا۔

اور مسلمان قوم کا کہنا ہے کہ واقعہ صلیب وقوع پذیر تو ہوا لیکن مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل عیسیٰ ابن مریم نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ ان کے حواری کی شکل بدل

دی گئی جس وجہ سے وہ مصلوب ہوا۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ صرف اور صرف اس وجہ سے ہے کیونکہ اللہ نے قرآن میں عیسیٰ ابن مریم کے یہود کے ہاتھوں مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل ہونے کی نفی کی ہے لیکن قرآن میں اللہ نے واقعہ صلیب کی قطعاً کوئی نفی نہیں کی بلکہ الٹا قرآن اس واقعہ کے حق میں بات کرتا ہے کہ ایسا واقعہ ضرور وقوع پذیر ہوا لیکن نتیجہ وہ نہیں نکلا جس پر یہودیوں وعیسائیوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جس وجہ سے مسلمان اس واقعہ کا انکار تو نہیں کر سکتے مگر انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل ہونے کی نفی کرنے کے لیے عیسیٰ ابن مریم کے حواری کو مصلوب کیے جانے کی کہانی گھڑ لی جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلمان بھی بنی اسرائیل یہود ونصاریٰ کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کا قتل ہو گیا حالانکہ قرآن بالکل واضح طور پر جسے مصلوب کیا گیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کرنے کا دعویٰ کیا گیا اس کے قتل ہونے کی نفی کر رہا ہے نہ کہ اس کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے کی نفی کر رہا ہے۔ جس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی جگہ ان کے حواری کو مصلوب کیے جانے کی کہانی خود کو مسلمان کہلوانے والوں نے یہودیوں وعیسائیوں کی دشمنی میں گھڑ رکھی ہے جس کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں بہر حال جیسے ہی آگے اس واقعہ پر مکمل تفصیل کیساتھ بات کرتے ہیں تو حق ہر لحاظ سے کھل کر آپ کے سامنے آجائے گا۔

آتے ہیں قرآن سے ہی اس واقعہ کی حقیقت کی طرف کہ قرآن میں اللہ نے اس سے متعلق کیا راہنمائی کی؟ جسے جاننے کے لیے مختصراً اور جامع صورت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کو قرآن سے ہی سامنے رکھنا ہوگا جس سے عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کو اللہ نے یوسف علیہ السلام کے ذریعے عزۃ دی یعنی انہیں دنیا میں بلند مقام عطا کیا اور بنی اسرائیل اس وقت تک اس مقام پر فائز رہے جب تک کہ وہ یوسف کے بعد بھی رسولوں کی اطاعت کرتے رہے لیکن آہستہ آہستہ بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ یوسف آخری رسول تھا یوسف پر اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا تھا اس لیے یوسف کے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں آنے والا اور جو بھی اللہ کا نبی آیا تو اس کی تکذیب کر دیتے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے یا پھر قتل کر دیتے، بنی اسرائیل یہی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو گئے یعنی بلند مقام سے گرتے گرتے پستیوں کا شکار ہو گئے ان پر ایسی ذلت مسلط ہو گئی کہ قرآن میں اس کا پوری تفصیل کیساتھ ذکر کیا گیا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا، یہ ایسی قوم بن چکی تھی کہ ان کو ہر جگہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا، کوئی کتا مر جاتا تو اس پر پورے مصر میں طوفان بپا ہو جاتا لیکن اگر ہزاروں اسرائیلی مار دیئے جاتے ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا تو اس پر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی اور ایسا ہو بھی کیوں نہ؟ کیونکہ اسے ایک مثال سے سمجھ لیں۔

ذرا غور کریں مثال کے طور پر آپ کہیں ایسی جگہ پر جاتے ہیں یا ایسی جگہ پر موجود ہیں جہاں کے بارے میں آپ کے پاس کوئی علم نہیں آپ نے اپنی منزل کو پانا ہے لیکن وہاں قدم قدم پر آپ کے دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں قدم قدم پر مشکلات حائل ہیں جو نظر آرہا ہے وہ حقیقت میں ویسا نہیں جو نظر آرہا ہے اور حقیقت وہ ہے جو نظر ہی نہیں آرہی جو آپ سے بالکل پوشیدہ ہے تو ایسی صورت میں آپ کس طرح اپنی منزل کو پا سکیں گے؟

جواب بالکل واضح ہے کہ آپ کو راہنمائی درکار ہے اگر آپ کی راہنمائی کرنے والا کوئی ہو تو آپ با آسانی اپنی منزل کو پا لیں گے اور دشمنوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں آپ کی راہنمائی کون کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ صرف اور صرف وہ آپ کی راہنمائی کر سکتا ہے جو اس علاقے کے انگ انگ سے واقف ہو جسے رستوں کا بخوبی علم ہو جسے دشمن کی ہر چال کا پہلے سے ہی علم ہو۔

اب ذرا غور کریں اگر آپ اس سے راہنمائی لینے سے انکار کر دیں یا اسے قتل کر دیں تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ کیا آپ اپنی منزل کو پا سکیں گے یا دشمنوں کا شکار ہو جائیں گے اور پھر دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہو جائیں گے؟

جواب بالکل آسان اور واضح ہے کہ ایسا کرنے سے منزل ملنا تو دور بلکہ الٹا دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہو جائیں گے ذلت کا یعنی پستیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اب ذرا غور کریں اس دنیا میں آپ کو بھیجا گیا تو مقصد کیا ہے نظام چلانا اور یہ ذمہ داری آپ نے خود اٹھائی اور آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہاں قدم قدم پر آپ کے دشمن موجود ہیں اب ذرا غور کریں وہ کون ہے جو آپ کی دنیا میں ایسی راہنمائی کر سکتا ہے کہ نہ صرف آپ دشمنوں سے محفوظ رہیں بلکہ آپ عزت کی بلندیوں پر پہنچ جائیں ساری دنیا آپ کے قدموں میں ہو؟ دنیا میں کسی میں بھی جرأت نہ ہو جو آپ کی ہاں میں ہاں نہ ملائے یا جو آپ کے کسی بھی حکم کو ماننے سے انکار کر سکے۔

تھوڑا سا بھی غور کریں گے تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ سب سے بہتر راہنمائی تو وہی کر سکتا ہے جس کی زمین ہے جس نے اسے خلق کیا جو اس کے انگ انگ سے واقف ہے یعنی اللہ کی ذات۔ اب یہ بھی غور کریں کہ اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے؟ پیچھے اس کی تفصیل کیساتھ وضاحت ہو چکی کہ اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے۔ وہ کلام کرتا ہے تین طریقوں سے وحی کے ذریعے، پردے کے پیچھے سے اور رسول کے ذریعے اور انسان چونکہ بشر ہیں اس لیے انہی میں سے کسی بشر کا انتخاب کر کے اسے کھڑا کیا جاتا ہے یعنی رسول بعث کیا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

اب اگر آپ دنیا میں عزت چاہتے ہیں کہ ساری دنیا آپ کے قدموں میں ہو تو آپ کو اللہ سے راہنمائی لینا ہو گی اس کے لیے یا تو آپ کو خود اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہو گا اس مقام پر لے جانا ہو گا کہ آپ کیساتھ اللہ وحی کے ذریعے کلام کرے یعنی اللہ آپ کا بطور رسول انتخاب کر لے اور اگر یہ ممکن نہیں تو پھر آپ کو اسے تلاش کرنا ہو گا جو آپ کے اور اللہ کے درمیان محض ایک پردہ ہو گا اس کی صورت میں اللہ کلام کر رہا ہو گا یا پھر ایسا بشر جو رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہو لیکن وہ دعویٰ زبان سے نہیں بلکہ اس کا عمل ہونا چاہیے۔

اب آپ سے سوال ہے اگر آپ اس راہنمائی کا دروازہ ہی بند کر دیں تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ اگر آپ اپنے راہنما کو ہی قتل کر دیں یا اس سے راہنمائی لینے سے ہی انکار کر دیں تو پھر کیا آپ دشمنوں کا شکار ہو کر پستیوں میں نہیں جا گریں گے؟ کیا آپ کے دشمن راہنما کا لبادہ اوڑھ کر آپ کو ذلت و رسوائی سے دوچار نہیں کریں گے؟ آپ پستیوں میں نہیں جا گریں گے؟ جواب بالکل واضح ہے۔

یہی یوسف علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے کیا جس کا نتیجہ وہی نکلا جو پہلے سے ہی طے شدہ ہے کہ بنی اسرائیل ذلت و رسوائی کا شکار ہو گئے جس کا اللہ نے سورۃ غافر کی آیت نمبر ۳۴ میں ذکر کیا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَازِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ۔ سورة غافر ۳۴

اور تحقیق کہ یعنی تم اپنی طرف سے تحقیق کر لوا پنے گھوڑے دوڑا لو جو کہا جا رہا ہے یہی حق ہے یہ نتیجہ تمہارے سامنے آئے گا آ گیا تم میں تمہی سے یوسف اس سے پہلے البیّنات کیساتھ یعنی یوسف نے آ کر ہر بات ہر معاملے کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ دیا جب یوسف نے جو کچھ کھول کھول کر رکھا جو راہنمائی کی اسے تسلیم کر کے اس پر عمل کیا گیا یوسف کے بعد یوسف کی طرف سے کی جانے والی راہنمائی پر عمل کیا جاتا رہا تو تمہیں عزت دی یعنی بلند مقام عطا کیا لیکن جب تم اس مقام سے ذل ہوئے یعنی اس مقام سے گرتے گرتے ذلت و رسوائی کا شکار ہو گئے پستیوں میں جا گرے تو وہ اس وجہ سے کہ تم شکوک میں رہے یعنی یوسف کے بعد جب بھی کوئی اللہ کا بھیجا ہوا آ کر تمہاری راہنمائی کرتا تو تم اس کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے شک ہی کرتے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے شکوک میں پڑتے ہوئے اللہ کے بھیجے ہوؤں کی تکذیب یا قتل کر دیتے یہاں تک کہ تب تم ہلاک ہوئے جب تم نے کہنا شروع کر دیا کہ ہرگز نہیں بعث کیا اللہ نے اس کے بعد کوئی رسول یعنی یوسف پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا یوسف آخری رسول نبی تھا اس کے بعد کوئی رسول کوئی نبی نہیں یوں جب جب اللہ النبیین رسولوں کی صورت میں تمہاری راہنمائی کے لیے آتا رہا تو تم رسولوں کو قتل یا ان کی تکذیب کر دیتے جس وجہ سے تم ہلاک ہو گئے تم پر ہلاکت عذاب مھین کی صورت میں ڈال دی گئی تم ذلت و رسوائی کا شکار ہو گئے مصر میں تمہاری بدترین حالت ہو گئی تم مصر میں حقیر ترین قوم کی صورت اختیار کر گئے یعنی موسیٰ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل کی جو حالت تھی جس کا قرآن میں تفصیل کیساتھ ذکر کیا گیا بالکل وہی حالت جس حالت سے آج خود کو اللہ کے چہیتے سمجھنے والے خود کو امت محمد یا مسلمان کہلوانے والے دوچار ہیں، دنیا میں کتا بھی مر جائے تو پوری دنیا چیخ اٹھتی ہے لیکن اگر خود کو مسلمان کہلوانے والوں کے کروڑوں کو کتے سے بھی بدتر موت مار دیا جائے تو دنیا میں کسی کے بھی کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جو آج اس قوم اس امت کی حالت ہے بالکل یہی حالت اس وقت بنی اسرائیل کی ہو چکی تھی۔

اور ایسی صورت میں اللہ نے بنی اسرائیل کے دعوے ان کے عقیدے کہ یوسف آخری رسول تھا اس کے بعد کوئی رسول نہیں اس کے بالکل برعکس موسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف بعث کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے اس عقیدے کی دھجیاں بکھیر دیں بلکہ موسیٰ کے ذریعے ایک بار پھر ذلت سے نکال کر دنیا میں بلند ترین مقام پر فائز کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اگر اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ بند کرو گے تو نتیجہ کیا نکلے گا اور اگر اللہ کے بھیجے ہوؤں کی اطاعت و اتباع کرو گے تو دنیا و

آخرت میں اللہ کے مقربین میں سے ہو گے بلند ترین مقام تمہارا مقدر ہے۔اسی کا اللہ نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۹اور ۲۰ میں ذکر کر دیا جیسا کہ آیات آپ کے سامنے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ. المائدہ ۱۹

اے وہ جو الکتاب کے اہل ہو جنہیں الکتاب دی گئی الکتاب جو کہ آسمانوں وزمین ہیں وہ جو آسمانوں وزمین جو کہ اللہ کی امانت ہے اس کے اہل ہیں اور انہیں ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دی گئی ان سے کہا گیا جو کہ اُس وقت بنی اسرائیل تھے اور آج خود کو امت محمد کہلوانے والے انہیں کہا گیا تم تحقیق کر لو آ گیا تم میں تمہی سے ہمارا رسول جو کھول کھول کر رکھ رہا ہے تمہارے لیے جو تم آخرین میں بھیجے جانے والے الرسول سے افتراء کر رہے تھے یعنی اس کے متعلق طرح طرح کا جھوٹ گھڑ کر پھیلایا ہوا تھا کہ تم کہہ رہے ہو کہ بالکل نہیں آنے والا کوئی ایک بھی بشیر اور نہ ہی کوئی ایک بھی نذیر یعنی تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا اب کوئی رسول اور نبی نہیں آنے والا پس تم اپنی تحقیق کر لو گھوڑے دوڑا لو آ گیا تمہی میں سے تم میں بشیر اور نذیر اور اللہ ہے ہر شئے پر قدیر یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہوتا ہے یا ہونا ہے وہ وہی ہو گا جو اللہ نے ہر شئے قدر میں کر دی ایسا نہیں ہے کہ تم کوئی بات کہو اور اگر سارے کے سارے ہی اس پر متفق ہو جاؤ تو جو اللہ نے قدر میں کر دیا وہ بدل جائے گا نہیں بلکہ تم کچھ بھی کہو کچھ بھی مانو کسی پر بھی سارے کے سارے متفق ہو جاؤ پوری دنیا کسی بات پر اتفاق کر لے تو وہ نہیں ہونے والا جس پر تمہارا اتفاق ہے جو تم کہتے اور مانتے ہو بلکہ ہونا وہی ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا، ہر اس شئے پر اللہ ہے جو اس نے قدر میں کر دیا یعنی جو اللہ نے قدر میں کر دیا اس کا جیسے ہی وقت آئے گا اللہ اسے کر کے ہی رہے گا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے۔

اگر تو اللہ نے قدر میں کر دیا کہ کوئی رسول اور نبی نہیں آئے گا تو خواہ کچھ بھی ہو جاتا دنیا میں کوئی ایک بھی رسول اور نبی نہ آتا لیکن کیا ایسا ہوا؟ نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوا کہ اللہ رسولوں کو نبیوں کو بھیجتا رہا جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے رسولوں اور نبیوں کی بعثت قدر میں کر دی تو جو اللہ نے قدر میں کر دیا اسے کوئی کیسے ہونے سے روک سکتا ہے؟ اس لیے اگر تم ایسا کہتے ہو کہ کوئی رسول اور نبی نہیں تو اللہ تمہاری خواہشات کا غلام نہیں کہ وہ ویسا ہی کرے جو تم چاہتے ہو بلکہ اللہ تو وہی کرے گا جو اس نے قدر میں کر دیا۔

اللہ نے رسولوں اور نبیوں کا بعث کیا جانا قدر میں کر دیا اس لیے یہ دروازہ بند ہو ہی نہیں سکتا یوں اس وقت جب بنی اسرائیل ذلت کا شکار ہو چکے تھے اپنے اس عقیدے کی وجہ سے یوسف کے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تو ایسے وقت میں اللہ نے موسیٰ کو بعث کر دیا جس نے آ کر حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی ملاں موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے اس عقیدے کا دفاع نہ کر سکا ان کے اس عقیدے کی دھجیاں بکھیر دیں موسیٰ نے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ . المائدہ ۲۰

اور تب کہا تھا موسیٰ نے اس کی قوم کے لیے یعنی تب موسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو کہا اے میری قوم کیا یاد کر رہے ہو اس نعمت کو جو اللہ نے تم پر کی تھی؟ اگر یاد کر رہے ہو تو اللہ دوبارہ تم پر اپنی نعمت کرے گا اور وہ نعمت کیا تھی؟ وہ نعمت تھی کہ جب موسیٰ آئے اس وقت بنی اسرائیل پر ذلت ومسکنت مسلط تھی یہ ذلیل ترین قوم بن چکی تھی لیکن یہ ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی بلکہ ان کا ماضی عالی شان تھا یہ قوم لمبے عرصے تک بلند مقام پر فائز رہی، مصری نہ ہونے کے باوجود بھی مصر میں ان کو بلند مقام حاصل تھا جو کہ یہ کھو چکے تھے اور جتنے ماضی میں بلند مقام پر تھے اتنا ہی یہ پستیوں اور ذلت کا شکار ہو چکے تھے تو یہی موسیٰ نے کہا کہ یاد کرو اللہ نے وہ مقام تمہیں کیسے دیا تھا؟ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا جب کیے تھے تم میں انبیاء جو تمہیں نبا دیتے رہے یعنی وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور کر دیا تمہیں ملوکا یعنی تمہیں ملک دیا گیا اقتدار دیا گیا تم مصر پر حاکم بن گئے تو وہ کیسے ہوا تھا ذرا غور کرو؟ اور آج تم کس حال میں ہو آج تم اس حالت

میں کیسے پہنچے؟ اسی وجہ سے کے تم نے اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ ہی بند کر لیا تم نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا کہ نبوت کا دروازہ بند یوسف کے بعد کوئی رسول نہیں کوئی نبی نہیں اور جب تم نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا تو غور کرو تب سے لیکر آج تک کیا تم ہلاکت کا شکار نہیں ہو گئے؟

جب تم میں انبیاء تھے تم ان کی اطاعت واتباع کرتے رہے تو تمہیں بادشاہت حاصل تھی مصر کا اقتدار تمہارے پاس تھا تم بلند مقام پر تھے اور جب تم نے نبوت کا دروازہ بند کر لیا کہ کوئی نبی نہیں تو تب یعنی آج تمہاری کیا حالت ہو چکی ہے؟ اب اگر تم اپنی بیماری اور اس کے علاج کی تشخیص ہونے کے بعد اس علاج کو اپناتے ہو تو پھر یہ اللہ کا وعدہ ہے وَّاٰتٰـكُـمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًامِّنَ الْـعٰلَمِيْنَ وہ تمہیں وہ دے گا جو عالمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیا جائے گا یعنی جیسے تمہیں پہلے ملک دیا گیا بالکل ایسے ہی ایسا ملک دے گا جو عالمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیا جائے گا اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کے عین مطابق موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل نبیوں پر ایمان لاتے رہے جب جب کوئی نبی آیا تو اس کی اطاعت واتباع کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے بنی اسرائیل پر ایک بار پھر اپنی نعمت کی کہ انہیں ملک دیا یعنی انہیں زمین میں اقتدار واختیار دیا پھر داؤد کے بعد سلیمان علیہ السلام کو جو ملک دیا سلیمان کے ذریعے بنی اسرائیل کو جو ملک دیا وہ عالمین میں اس کے بعد کسی ایک کے لیے بھی نہیں۔

بنی اسرائیل کو پوری دنیا میں بلند ترین مقام حاصل ہو گیا پوری زمین کے انگ انگ پر ان کی حکمرانی قائم ہو گئی پوری زمین ہی کو ان کا ملک بنا دیا گیا یعنی ان کی سلطنت بنا دیا گیا۔ لیکن سلیمان کے بعد پھر وہی ہوا جو ماضی میں ہو چکا تھا سلیمان کے بعد بنی اسرائیل نے اپنی خواہشات کی اتباع کرنا شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ سامنے آ گیا کہ موسیٰ آخری رسول تھا موسیٰ پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اس کے بعد کوئی رسول نہیں کوئی نبی نہیں سوائے ایک مسیح کے جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے جس کا ذکر وہ اپنے مذہبی مواد میں پاتے ہیں جب بنی اسرائیل نے ماضی کی طرح ایک بار پھر یہ عقیدہ اخذ کر لیا تو ظاہر ہے اللہ کا قانون تو بدلنے سے ٹھہرا اس لیے ان کا انجام بھی قدر میں پہلے سے ہی طے شدہ تھا وہی انجام جو موسیٰ سے قبل دیکھ چکے تھے اسی کا اللہ نے ان آیات میں ذکر کر دیا۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. البقرة ٦١

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. آل عمران ١١٢

ان آیات میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ بنی اسرائیل پر جو ذلت ومسکنت ڈالی گئی وہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور نبیوں کو بغیر حق قتل کرتے رہے۔ اور ظاہر ہے جب آپ انہی کو قتل کر دیں گے جو آپ کی راہنمائی کر سکتے ہیں جو آپ کو منزل کی طرف لے جا سکتے ہیں تو پھر ذلت ورسوائی تو آپ کا مقدر ہے اس سے دنیا کی کوئی طاقت آپ کو نہیں بچا سکتی۔

بنی اسرائیل نے جب یہ عقیدہ اخذ کر لیا کہ موسیٰ کے بعد کوئی رسول کوئی نبی نہیں تو پھر جو بھی ان کے سامنے آتا تو اس پر نبوت کے بند ہونے کے عقیدے کا انکار اور توہین رسالت یعنی توہین موسیٰ کا فتویٰ لگا کر قتل کر دیا جاتا اور جس پر ایسا کوئی فتویٰ لگانے کے لیے کوئی بہانہ ہاتھ نہ آتا تو اس کی دعوت کو بالکل تسلیم نہ کیا جاتا اس کی تکذیب کر دی جاتی یہاں تک کہ بنی اسرائیل ایک بار پھر ہلاک ہو گئے ذلت کا شکار ہو گئے دوسری قوموں کو ان پر مسلط کر دیا گیا ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

جیسے آج افغانستان، پاکستان، عراق، شام، لیبیا، یمن اور باقی مسلمان کہلوانے والے ممالک پر دوسری قومیں مسلط ہیں اور انکے خوف سے موت کے خوف سے خود کو مسلمان کہلوانے والے کروڑوں کی تعداد میں پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں ہجرت کرنے پر مجبور ہیں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں بالکل یہی بنی اسرائیل کیساتھ کیا گیا بنی اسرائیل پر بھی دوسری قوموں کو مسلط کر دیا گیا جن کے ڈر سے بنی اسرائیل اِدھر اُدھر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور ذلیل ورسوا ہو گئے۔ جب ان کی ایسی حالت ہوئی تو یہ صرف اور صرف اپنے ماضی کو یاد کرتے اور جس مسیح اللہ کے رسول کی بعثت کا وعدہ کیا گیا تھا اسی کا انتظار کرتے رہے اب چونکہ ان کی عادت

ہو چکی تھی نبیوں کو قتل کرنا تو کسی پر بھی نبوت کے دعوے کا الزام لگا کر اسے قتل کر دیا جاتا، جیسے ہی کسی پر نبوت کا الزام لگتا تو اکثریت مشتعل ہو جاتی اور اس وقت تک خاموش نہ ہوتی جب تک کہ اسے قتل نہ کر دیا جاتا اب ایسی صورت میں اگر اللہ کا رسول مسیح آ بھی جاتا تو اس کا انجام کیا ہونا تھا یہ تو پہلے سے ہی ان کی جانب سے طے کیا جا چکا تھا کہ جو بھی رسالت و نبوت کا دعویٰ کرے اس کی صرف ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے قتل اس سے کسی بھی قسم کی دلیل بھی نہیں طلب کی جائے گی یہاں تک کہ اس سے دلیل طلب کرنے والا بھی کافر، اس کے کفر پر شک کرنے والا بھی کافر، جس وجہ سے ایسا ماحول بن چکا تھا کوئی رسول و نبی ہونے کا دعویدار سامنے آیا نہیں اور قتل کیا گیا نہیں۔ اب ایسی صورت میں اگر اللہ کا رسول مسیح بعث کیا جاتا ہے تو بنی اسرائیل اس پر ایمان لے آتے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر جب اللہ کے رسول مسیح جس کا وعدہ کیا گیا تھا جو کہ عیسیٰ ابن مریم تھے ان کی بعثت کا وقت آ چکا تھا تو اس وقت کیا ہوا اب بات کرتے ہیں اس پر اور حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. الجمعه ۲

سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۲ جو کہ آپ کو نظر آ رہی ہے اس میں اللہ نے نہ صرف اپنے رسول کی پہچان واضح کر دی بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ کب اپنے رسول کو بعث کرتا ہے وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اگر تھے اس سے پہلے ان کے لیے ضلالِ مبینٍ تھی وہ ضلالِ مبینٍ میں تھے یعنی اگر ضلالِ مبینٍ میں تھے تو اللہ نے رسول بعث کیا اگر ضلالِ مبینٍ میں نہ ہوتے تو رسول بعث نہ کیا جاتا، ضلالِ مبینٍ یعنی سو فیصد ہر لحاظ سے گمراہیاں نور کی ایک کرن بھی نہیں۔

اللہ نے اس آیت میں اور ایسی ہی باقی آیات میں یہ بات واضح کر دی کہ اللہ رسول کو صرف اور صرف تب بعث کرتا ہے جب دنیا میں ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیاں ہوتی ہیں لوگ سو فیصد گمراہیوں میں ہوتے ہیں ہدایت کی نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی لیکن ایسا نہیں ہے کہ لوگ اپنی زبانوں سے اس بات کو تسلیم کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ضلالِ مبینٍ میں ہیں بلکہ یہ تو اللہ واضح کر رہا ہے کہ لوگ ضلالِ مبینٍ میں ہوتے ہیں اللہ کے برعکس انسانوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے کوئی بھی حق پر نہیں ہوتا حق پر ہونا تو دور کی بات کسی کو حق کی رائی کا بھی علم نہیں ہوتا ہر کوئی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوتا ہے۔

اب ذرا غور کریں جب عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کی بعثت ہوئی تو جن کی طرف عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا گیا یعنی بنی اسرائیل وہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی اس کے باوجود وہ اہلِ حق ہونے کے دعویدار تھے اور پھر ان میں نبیوں سے متعلق جو عقیدہ پایا جاتا تھا ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ ایسی صورت میں عیسیٰ ابن مریم سامنے آتا تو اس کیساتھ کیا کیا جاتا؟ یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں حق ہر لحاظ سے خود بخود ہی واضح ہے۔

جب عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا تب بنی اسرائیل کی حالت کیا تھی اس کا ذکر اللہ نے ایک اور پہلو سے بھی واضح کر دیا۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ. الجمعه ۵

اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ جب بنی اسرائیل کے آخرین میں اللہ نے اپنے رسول عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا تو اس وقت بنی اسرائیل کی حالت یہ تھی کہ وہ التورائت کو اٹھائے ہوئے تھے پھر اٹھائے ہوئے ہونے کے باوجود نہیں اٹھائے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شئے کو اٹھائے ہوئے ہونے کے باوجود بھی نہ اٹھائے ہوئے ہونا اس کا مطلب کیا ہے تو اسی کا اللہ نے آگے جواب دے دیا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا بالکل ایسے ہی اٹھائے ہوئے تھے جیسے گدھا اٹھائے ہوئے ہوتا ہے جو کہ اس کے لیے محض اوراق کا بوجھ ہوتا ہے گدھے کو یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ اس نے جو اٹھایا ہوا ہے وہ اصل میں کیا ہے۔

التورائت محض اوراق کا بوجھ نہیں تھا بلکہ التورائت تو ذمہ داری تھی جو بنی اسرائیل نے اٹھائی تھی آسمانوں و زمین کی دیکھ بھال کی ذمہ داری، آسمانوں و زمین جو کہ اللہ کی امانت ہے اصل میں تو امانت کو اٹھانا تھا نہ کہ محض اوراق کے بوجھ کو۔

جب عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا تو پہلی بات کہ اس وقت بنی اسرائیل سو فیصد گمراہیوں میں تھے اس وقت نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی اور دوسری بات کہ وہ التورائت کو اٹھائے ہوئے ہونے کے باوجود نہیں اٹھائے ہوئے تھے ان کا التورائت کو اٹھانا بالکل گدھے کی مثل اٹھانا تھا انہوں نے تورات کے نام پر محض اوراق کو مزین کرنا اور انہیں ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا حقیقت کیا ہے کسی کو علم ہی نہ تھا اور جب علم نہ ہو ہر طرف جہالت ہی جہالت ہو تو نتیجہ کیا نکلتا ہے یہ بھی بالکل واضح ہے۔

بنی اسرائیل اس وقت سو فیصد وہی صورت اختیار کر چکے تھے جس کا آج خود کو امت محمد، مسلمان کہلوانے والے شکار ہو چکے ہیں بنی اسرائیل فرقہ در فرقہ کا شکار تھے تمام فرقے ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے ہر کسی کا دعویٰ تھا کہ وہی حق پر ہے اور باقی سب باطل ہیں ہر کسی کا دعویٰ تھا کہ جس المسیح کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے وہ ہمارے فرقے سے ہی ہوگا، فضول قسم کے بحث ومباحثوں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے کسی کو بھی حق کا علم نہیں تھا اس کے باوجود ہر کوئی حق ہونے کا دعویدار تھا، ہر فرقے نے آنے والے المسیح رسول کا اپنا اپنا حلیہ گھڑ رکھا تھا اپنی اپنی خود ساختہ علامات گھڑ رکھی تھیں اور لوگ بھی اپنے دماغوں میں اپنے ملاؤں کی بیان کردہ علامات واشراط کی روشنی میں المسیح کا تصور قائم کیے ہوئے تھے کہ المسیح ایسا ہوگا ویسا ہوگا ہمارے گروہ سے ہوگا، ہمارے فرقے ہماری تنظیم سے ہوگا، اس کی پہچان یہ ہوگی اس کی پہچان وہ ہوگی حالانکہ حق تو یہ ہے کہ رسول کو بعث کیا ہی تب جاتا ہے جب نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی اب جب رسول المسیح کو بعث کیا جانا تھا انتظار تو سب کر رہے لیکن کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ وہ ضلالٍ مبینٍ میں ہے بلکہ الٹا ہر کوئی حق کا دعویدار تھا۔
اب بھلا جب ہر کوئی ہے ہی حق پر تو پھر ان سے پوچھا جائے کہ المسیح کا انتظار کیوں کر رہے ہو کیونکہ المسیح کو بھیجنے کا مقصد ہے تمہاری ہدایت تمہاری راہنمائی اور جب تم پہلے سے ہی ہدایت یافتہ ہو تو پھر المسیح کی کیا ضرورت؟ اس لیے پھر المسیح کا انتظار کیوں کر رہے ہو؟ لیکن اس حق کا کسی کو بھی علم نہ تھا ہر کوئی اہل حق ہونے کا دعویدار بھی تھا اور المسیح کا منتظر بھی کہ وہ آئے گا تو ہم ذلت سے نکل کر دوبارہ عروج دیکھیں گے دنیا میں بلند مقام حاصل کریں گے ہمارا ماضی ایک بار پھر لوٹ آئے گا۔

یوں ہر فرقے نے المسیح کی پہچان کے لیے تصوراتی شخصیت گھڑ رکھی تھی اب اگر المسیح آتا ہے اور ان کی تصوراتی شخصیت کے برعکس نظر آتا ہے تو وہ اسے کیوں اللہ کا رسول تسلیم کریں گے؟ وہ اسے اللہ کا رسول ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔

بنی اسرائیل سے جہاں ہر طرف ہر کوئی المسیح یعنی اللہ کے اس رسول کا انتظار کر رہا تھا جسے اس سے قبل ضلالٍ مبینٍ کا ہونا شرط تھا تو وہیں ایک عورت ایسی تھی کہ جس پر حق واضح ہو گیا اور وہ باقیوں کی طرح انتظار کرنے والوں میں سے نہ ہوئی۔ کیونکہ اس پر یہ حق واضح ہو گیا تھا کہ المسیح اللہ کا رسول جس کا اللہ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کر رکھا ہے وہ نہ صرف ہماری ہی طرح ایک بشر ہوگا بلکہ اس کو جنم دینے والے ایک مرد اور ایک عورت ہی ہوں گے تو کیوں نہ میں وہ عورت بن جاؤں میں ایسے بچے کو جنم دوں جس کا اللہ اس مقصد کے لیے انتخاب کرلے اور اسی بات کو اللہ نے قرآن میں بھی اتار دیا جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. آل عمران ۳۵

نَذَرَ. کسی مخصوص کام کے لیے کسی کو کوئی شئے دینے کا عہد کرنا۔

مُحَرَّرًا. جس مقصد کے لیے شئے کا ہونا اس کے علاوہ اسے ہر طرح کی پریشانیوں، الجھنوں کاموں وغیرہ سے مکمل طور پر آزاد کر دینا اسے صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے پروان چڑھانا جس مقصد کے لیے وہ ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ تب کہا عمران کی عورت نے۔ تب کب کہا عمران کی عورت نے سب سے پہلے اسے جاننا ضروری ہے یہ بنی اسرائیل پر وہ وقت تھا جب بنی اسرائیل پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ذلت کی زندگی گزار رہے تھے حالانکہ اس وقت بنی اسرائیل دنیا میں وہ واحد اُمت تھی جسے دنیا کے انسانوں کے لیے نکالا گیا تھا۔ موسیٰ کے بعد داؤد اور اس کے بیٹے سلیمان کے ذریعے انہیں پوری زمین میں اقتدار دیا گیا انہیں بلند مقام دیا گیا لیکن بعد میں انہوں نے جب شکر کی بجائے کفر کیا یعنی اللہ نے انہیں جو بھی دیا تھا جس مقصد کے لیے دیا تھا اس مقصد کے لیے اس کا استعمال کرنے کی بجائے جب انہوں نے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کرنا شروع کیا تو نہ صرف یہ آپس کے اختلافات و دشمنیوں کا شکار ہو گئے بلکہ ایک ایک کر کے علاقے ان کے قبضے سے نکلنے لگے یہاں تک کہ دوسری قومیں بدلے کی غرض سے ان پر ایسے مسلط ہو گئیں کہ ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی جیسے آج خود کو مسلمان کہلوانے والے لاکھوں نہیں

بلکہ کروڑوں کی تعداد میں شام وعراق سمیت مختلف خطوں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہیں اور پوری دنیا میں بکھر رہے ہیں بالکل ایسے ہی بنی اسرائیل بھی ذلیل و رسوا ہو گئے تھے، اپنے مفسد اعمال کی وجہ سے ذلت ورسوائی کی پستیوں میں جا چکے تھے۔ اور عیسیٰ ابن مریم کی بعثت سے چند دہائیاں قبل بنی اسرائیل کے دس قبائل دنیا کے مشرق میں بکھرے پڑے تھے اور تین قبائل یروشلم اور اس کے آس پاس کے علاقے میں آباد تھے اور اس وقت ان کے علماء نے دین کی حالت بہت بگاڑ دی ہوئی تھی حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہوا تھا طیبات کی بجائے خبائث کی کثرت تھی خوراک میں بھی حد درجہ فساد کر دیا ہوا تھا۔

بنی اسرائیل اپنے شاندار ماضی کی تاریخ کو یاد کرتے اور دوبارہ دنیا میں اسی عروج کے خواب دیکھتے لیکن اس کے لیے ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا کہ جو آگے بڑھ کر کچھ کرنے والا تھا بلکہ ہر کوئی اسی انتظار میں تھا کہ اللہ نے ایک المسیح کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آئے گا اور نہ صرف ہمیں دنیا بھر سے اکٹھا کرے گا بلکہ اس کی قیادت میں ہمارا شاندار ماضی واپس لوٹ آئے گا یوں ہر کوئی اپنی اپنی دھن میں مگن المسیح کے انتظار میں تھا اور پھر کوئی بھی ان میں المسیح بننے کو تیار ہی نہ تھا کیونکہ ہر کسی کو اپنا انجام واضح نظر آ رہا تھا کہ اگر وہ قیادت کے لیے سامنے آتا ہے تو ان کے ملاّں اور ان کے پیچھے ان کی اندھی مقلد عوام اس کی حالت کیا کریں گی یوں ہر کوئی المسیح کا انتظار ہی کر رہا تھا اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ تب کہا عمران کی عورت نے۔

تب بنی اسرائیل میں سے ایک واحد عورت ایسی تھی جس نے کہا کہ سب ہی المسیح کا انتظار کر رہے ہیں اگر ہر کوئی انتظار ہی کرتا رہے گا تو المسیح بھلا کیسے آ سکتا ہے؟ کیونکہ المسیح نہ صرف ہمارے ہی طرح بشر ہوگا بلکہ ہم ہی میں سے جنم لے گا اسے جنم دینے والے دو افراد ایک مرد اور عورت ہی ہوں گے وہ ہماری ہی طرح ہمارے درمیان پلے بڑھے گا اور جب اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل ہو جائے گا تو اللہ اسے ہماری راہنمائی کے لیے بعث کرے گا اور اگر ہر کوئی انتظار ہی کرتا رہے گا تو المسیح کیسے آ سکتا ہے؟ اس لیے میں باقیوں کی طرح انتظار کرنے والوں میں سے ہونے کی بجائے ان لوگوں کی لائن اختیار کرتی ہوں جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ اللہ کے الرسول ہیں ان کی اطاعت کرنے والے النبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

جب بھی کوئی الرسول آیا تو نہ صرف تب بعث کیا گیا جب ہر طرف سو فیصد گمراہیاں تھیں بلکہ کسی کو بھی حق کا علم نہیں تھا اور انہی میں سے ایک بشر جب وہ باشعور ہوا تو اس نے اپنی آنکھیں اور کان بند کر کے اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چلنے، جو نسل در نسل دین کے نام پر منتقل ہو رہا تھا اسے ہی حق سمجھتے ہوئے اس پر چلنے کی بجائے غور وفکر کیا اور جب حق واضح ہوا تو اس پر قائم ہوا تو بالکل ایسے ہی میں بھی اکثریت کی لائن پر چلنے کی بجائے اللہ کے رسولوں کی لائن پر چلنے کو ترجیح دونگی۔

رَبِّ میرے ربّ یعنی اے وہ ذات جس نے مجھے عدم سے وجود میں لایا تو ظاہر ہے بغیر کسی مقصد کے وجود میں نہیں لایا اور پھر مجھے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت دی اور پھر مجھے عورت بنایا تو ظاہر ہے نہ تو تُو نے بغیر مقصد کے مجھے یہ سب دیا اور نہ ہی بغیر مقصد کے عورت بنایا تو تُو نے جس مقصد کے لیے مجھے وجود دیا مجھے تمام تر صلاحیتیں دیں اور مجھے عورت بنایا میں سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کروں گی اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے اس مخصوص مقصد کے لیے یعنی المسیح رسول کی بعثت کے لیے وہ بشر دینے کا عہد کرتی ہوں جس کی بعثت کا تُو نے وعدہ کر رکھا ہے مَافِیْ بَطْنِیْ جو میرے پیٹ میں ہے مُحَرَّرًا اسے صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے وجود میں لاؤں گی اور صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے پروان چڑھاؤں گی اسے اس مقصد کے علاوہ ہر طرح کی الجھنوں، پریشانیوں و کاموں وغیرہ سے آزاد رکھوں گی اسے وجود میں لاؤں گی تو صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے، پروان چڑھا کر کچھ کرنے کے قابل بناؤں گی تو صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے اسے اس کے علاوہ مکمل طور پر آزاد رکھوں گی اسے کسی فرقے اور گروہ وغیرہ کا شکار نہیں ہونے دوں گی اسے کوئی فرقہ پرست نہیں بناؤں گی اس پر کوئی نظریہ وعقیدہ مسلط نہیں کروں گی فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ پس قبول کر مجھ سے جو میں کر رہی ہوں اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اس میں کچھ شک نہیں تُو، تُو ہی ہے جو سن رہا ہے علم رکھ رہا ہے۔

یہاں یہ بات بھی آپ پر واضح کرنا بہت ضروری ہے ایسا نہیں ہے کہ عمران کی عورت نے یہ سب زبان سے کہا بلکہ جیسے آج آپ دنیا میں موجود ہیں اور آپ طرح طرح کے واقعات سے گزر رہے ہیں، آپ کے ہاں جب اولاد پیدا ہونے والی ہوتی ہے تو آپ نہ صرف دل ہی دل میں طے کر لیتے ہیں کہ میرا بیٹا جو پیدا ہونے والا ہے اس کو فلاں سکول، کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم دلوا کر ڈاکٹر بناؤں گا، انجینئر بناؤں گا یا بناؤں گی یعنی آپ خود سے ہی طے کر لیتے ہیں کہ میرا بچہ بڑا ہو کر کیا بنے گا اور پھر آپ ساتھ ہی یہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ اس سے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کراؤں گا تا کہ اس کی توجہ اِدھر اُدھر ہو کر وہ اس میں ناکام

نہ ہوجائے اس لیے اسے ہر طرح کی فکروں، پریشانیوں، الجھنوں اور کاموں سے آزاد رکھوں گا اور پھر آپ اس کی پیدائش سے لیکر جب تک کہ وہ وہی بن نہیں جاتا جو آپ نے طے کیا تھا تب تک اسے آزاد رکھتے ہیں اور اس پر اسی مقصد کے لیے پوری توجہ خرچ کرتے ہیں بالکل ایسے ہی اس وقت جہاں ہر عورت کا خواب تھا کہ اس کا بچہ ہوگا تو وہ فوج میں جائے گا، اعلیٰ افسر بنے گا وغیرہ وغیرہ تو وہیں ایک عورت ایسی تھی جب اس کے ہاں اولاد ہونے والی تھی وہ حاملہ تھی تو اس کی دن رات یہی خواہش وچاہت تھی کہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہواور وہ اپنے بیٹے کی اچھی سے اچھی تربیت کرے اور اس کو اس قابل بنائے کہ وہ بڑا ہوکر دین کی خدمت کرے، یہ جو دین کے ٹھیکیدار ملاّؤں نے دین کے نام پر فرقہ پرستی کی دکانداریاں کھولی ہوئی ہیں جولوگوں کو دین کے نام پرلوٹ رہے ہیں اور ان میں نفرت پھیلا رہے ہیں بعض کو بعض کا دشمن بنا رہے ہیں تو میرا بیٹا ان کے برعکس بغیر کسی لالچ کے حق واضح کرے وہ لوگوں کو آپس میں جوڑے وہ لوگوں پر حق کھول کھول کر واضح کرے۔ اور پھر وہ عورت دل ہی دل میں اپنے ربّ سے یہی کہتی رہتی کہ اے میرے ربّ میں تو اس بچے کو اسی مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھانا چاہتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہ مراد پوری نہ ہو تُو تو سن رہا ہے تجھے سب علم ہے یعنی اگر تو کوئی کسی لالچ کے تحت کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بھی اللہ کی ذات سن رہی ہے اسے علم ہے اور اگر کوئی بغیر کسی لالچ کے اور خالص اللہ کے لیے ایسا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ظاہر ہے اللہ سن رہا ہے اسے علم ہے اس لیے ایسے کسی بھی شخص کی محنت رائیگاں کیسے جاسکتی ہے۔

عمران کی عورت کی چاہت تھی کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہواور وہ بڑا ہوکر دین کی خدمت کرے اور عین اس وقت المسیح کا بھی انتظار کیا جا رہا تھا یوں اللہ کے قانون میں جانے انجانے میں عمران کی عورت اللہ کو وہی المسیح دینے کا وعدہ کر رہی تھی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. آل عمران ۳۶

وضعت. جو شئے کسی کو دینے کا وعدہ کیا تھا وہ شئے بنا کر اس کو دے دینا، اس کے حوالے کر دینا۔

سمی، اسم. کسی میں پائی جانے والی صلاحیتیں، صفات وخوبیوں وغیرہ کو کہتے ہیں۔

مریم. جس میں سفید ہرن والی صفات پائی جاتی ہوں۔

مریم جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے "م اور ریم" م موجودگی کا اظہار کرتا ہے اور "ریم" سفید ہرن کو کہتے ہیں جسے انگلش میں ایڈاکس (Addax) کہا جاتا ہے۔ یہ جانور زیادہ تر شمالی افریقہ کے صحرائی علاقے میں پایا جاتا ہے اس کی شکل ہرن سے مشابہ اور دھڑ بیل سے مشابہ ہوتا ہے اور سر پر دو بل کھاتے ہوئے لمبے سینگ ہوتے ہیں سینگوں میں عموماً دو سے تین بل ہوتے ہیں۔ نر کا وزن ایک سو سے ایک سو پچیس کلوگرام کے درمیان ہوتا ہے اور مادہ کا وزن ساٹھ سے نوے کلوگرام کے درمیان ہوتا ہے۔ جانوروں میں یہ مشابہت کے لحاظ سے ہرن کے قریب ترین ہے۔ صفات اور خوبیوں کے لحاظ سے جانوروں میں شاید ہی کوئی ایسا جانور ہو جس سے اس کا موازنہ کیا جاسکے۔ انتہائی شریف النفس ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ جانور خوراک کے حوالے سے انتہائی نفاست پرست ہے یہ صرف اور صرف بارش سے اُگی ہوئی گھاس کھاتا ہے اللہ نے اس جانور کی ذات میں ایسی خصوصیت رکھ دی کہ کن علاقوں میں بارش ہوگی اس جانور کو اس کا پہلے سے ہی علم ہوجاتا ہے انہی وجوہات کی بنا پر یہ جانور زیادہ تر بارانی علاقوں میں نظر آتا ہے۔ رہنے کے اعتبار سے یہ جانور ایک ہی جگہ رہتے ہیں لیکن خوراک کی خاطر یہ وسیع علاقے کو روند ڈالتے ہیں اور ایسے علاقے سے کھاتے ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ اور قدرتی طور پر اُگا ہوا رزق موجود ہو یہی اس جانور کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ خوراک کے حوالے سے یہ جانور نہ صرف فطرت پر انحصار کرتا ہے بلکہ ایسی گھاس وغیرہ کھاتا ہے جو خامیوں سے پاک ہواور قدرتی اجزاء سے بھر پور ہو، اگر یوں کہا جائے کہ یہ جانور اپنی خوراک کے حوالے سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتا تو اس میں رائی برابر بھی کچھ غلط نہ ہو گا۔ اس جانور کا بہت ہی زبردست معاشرتی نظام ہے اس میں جارحانہ پن بالکل بھی نہیں ہے اور نہ ہی یہ جانور آپس میں یا اوروں سے لڑتے یا حملہ کرتے ہیں سوائے اس کے کہ جب انہیں ان کی برداشت سے زیادہ تنگ کر دیا جائے اور برداشت کی حد بھی تعریف کے لائق ہے۔ گرمیوں میں اس کی رنگت سفید ہوتی ہے اور سردیوں میں اس کی رنگت تبدیل ہوکر خاکی مائل ہوجاتی ہے جیسا کہ آپ تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

اس جانور کی سب سے بڑی خوبی ہی یہ ہے کہ یہ خوراک پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا صرف اور صرف خالص قدرتی اور اجزاء سے بھرپور بارشوں سے اُگی ہوئی گھاس کھاتا ہے یوں سمجھ لیں کہ ہرلحاظ سے قدرتی اور خالص خوراک کھانا ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ ایسی صفات جس میں پائی جائیں عربی میں اسے مریم کہا جاتا ہے۔

فَلَمَّا پس جو کہ نذر کیا تھا یعنی جو خاص مقصد کے لیے وجود میں لا کر دینے کا وعدہ کیا تھا وَضَعَتۡهَا اور وضع کیا یعنی اسے وجود دیا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰی کہا میرے ربّ اس میں کچھ شک نہیں میں نے جو وضع کیا ہے لڑکی ہے یعنی جب بچہ پیدا ہوا تو وہ مونث یعنی لڑکی تھی جس وجہ سے عمران کی عورت کے دل میں یہ چل رہا تھا کہ میں نے تو سوچا تھا کہ لڑکا ہوگا جسے دین کی خدمت کی غرض سے پروان چڑھاؤں گی لیکن یہ تو لڑکی ہے اور لڑکی کیسے دین کی خدمت کر سکتی ہے یعنی لڑکی کیسے ملّاؤں کے مقابلے پر لوگوں کو حق کی دعوت دے سکتی ہے کیونکہ یہ کام تو مذکر ہی کر سکتا ہے۔ اب ایک طرف عمران کی عورت کے دل میں یہ سب چل رہا تھا یعنی ایسے ہی جیسے کہ آپ اگر کچھ چاہتے ہیں تو وقت آنے پر اس کے برعکس ہو جائے تو آپ جس حالت کا شکار ہو جاتے ہیں بالکل ویسی ہی حالت عمران کی عورت کی تھی جہاں ایک طرف عمران کی عورت کے دل و دماغ میں یہ سب چل رہا تھا تو وہیں اللہ یعنی فطرت یہ جو وجود ہے وہ یہ جواب دے رہا تھا وَاللّٰهُ اور اللہ ہے یعنی تُو نے جو وضع کیا ہے یہ اللہ کا شریک نہیں وضع کیا بلکہ تُو نے مومن ہی وضع کیا ہے اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ کیا وضع کیا ہے اس کیساتھ علم ہے اللہ کو یعنی اللہ کو علم ہے کہ کیا وضع کیا ہے وَ اور اللہ کو یہ بھی علم ہے کہ لَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى ہرگز نہیں مذکر جیسے کہ مونث ہوتی ہے یعنی اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ''لیس الانثی کالذکر'' مونث مذکر جیسی نہیں ہوتی بلکہ اللہ نے یہ کہا کہ مذکر مونث جیسا نہیں ہوتا مطلب یہ کہ مونث ہوئی ہے تو مونث کا ہونا ہی لازم تھا کیونکہ اگر مذکر نے آنا ہوتا تو اللہ عمران کی عورت نہ کہتا بلکہ عمران کا نام لیتا۔

عمران کی عورت کا اس لیے کہا جا رہا ہے کہ عمران کا اس بچے کی پیدائش میں وہ کردار نہیں تھا جو اس کی عورت کا تھا عورت تو اپنی ذمہ داری بھرپور احسن طریقے سے پوری کر رہی تھی لیکن مرد نے اس مقصد کے لیے بچہ نہیں چاہا تھا کیونکہ اگر مرد یعنی عمران بھی یہی چاہتا تو وہ طیب رزق کھاتا جس سے طیب کلمہ یعنی نطفہ وجود میں آتا اور طیب کلمے سے طیب بچہ ہی وجود میں آتا جو کہ رسول ہوتا اب جبکہ عمران کا وہ کردار نہیں تو ظاہر ہے جو نطفہ ہے اس سے رسول کی پیدائش تو نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول کی پیدائش کے لیے نطفے کا بھی طیب ہونا شرط ہے یہ وجہ ہے جس وجہ سے مونث کا پیدا ہونا ہی اللہ نے قدر میں کیا تھا کیونکہ مونث آگے چل کر طیب مرد سے مل کر طیب بچہ وضع کرے گی جو کہ اللہ کا رسول ہوگا۔

ایک طرف عمران کی عورت کے دل و دماغ میں باتیں چل رہی تھیں اور مایوسی کی سی کیفیت تھی اور دوسری طرف اللہ جواب دے رہا تھا لیکن وہ جواب کانوں سے نہیں بالکل دل سے سنا جا سکتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی دل میں چل رہا تھا کہ اللہ کو کیا علم نہیں کہ مونث ہے؟ اللہ کو علم ہے اور کیا اللہ کو علم نہیں کہ مونث مذکر جیسی نہیں ہوتی؟ اللہ کو علم ہے اس کے باوجود اگر مذکر کی بجائے مونث ہوئی ہے تو اسی میں اللہ کی حکمت ہے اس لیے مجھے مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے میں تو وہی کر سکتی تھی جو میرے اختیار میں تھا جس کی میں مکلّف تھی اور جس کی میں مکلّف ہی نہیں جو میرے اختیار میں ہے ہی نہیں تو میں وہ کیسے کر سکتی ہوں۔ جو میرے اختیار میں تھا میں نے کیا اور جو اللہ کے اختیار میں تھا اللہ نے کیا اس لیے اللہ کوئی غلط نہیں کر سکتا بلکہ اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہے وَاِنِّیۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ اور اس میں کچھ

شک نہیں میں نے سمی کیا اسے مریم، مریم کے معنی پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں انہیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ. یعنی جس طرح سے حمل کے بعد تمام ترطیب مراحل سے گزر کر یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس میں سفید ہرن کی صفات ہوں گی یعنی کچھ بھی ہو جائے خوراک پر سمجھوتہ نہیں کرے گی یہ صرف اور صرف طیب ہی کھائے گی اس کا رزق طیب ہوگا اور جب یہ جوان ہوگی تو ایک مرد کی صورت میں اس کا رزق طیب ہوگا یوں میری بیٹی اور اس کے خاوند سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بھی طیب ہوگی تو ہو سکتا ہے یقیناً اس سے پیدا ہونے والی اولاد لڑکا ہو اور وہ لڑکا اس مقصد کو پورا کرے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے میں نے اللہ کے لیے وقف کرنے کا ارادہ کیا تھا وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ. اور اس میں کچھ شک نہیں میں اسے یعنی اپنی بیٹی کو اور اس کی ذریت کو تیرے ساتھ تیرے ذریعے سے بچا رہی ہوں شیطان رجیم سے۔

اُعِيۡذُ. اس میں اصل لفظ ''عذ'' ہے جس کے معنی کو مثال سے آپ پر واضح کرتے ہیں مثلاً آپ کو پیاس لگی ہوئی ہو تو کون سی شئے ہے یا کیا ہے جس کے ذریعے سے آپ پیاس سے بچ سکتے ہیں پیاس کو خود سے دور کر سکتے ہیں؟ وہ پانی ہے پانی کے ذریعے یعنی پانی کا استعمال کر کے آپ نے پیاس کو دور کر دیا اس طرح کسی کا سہارا لیکر، کسی کے ذریعے یا کسی کے استعمال سے جس سے بچنا ہو اسے دور کیا جائے اسے ''عذ'' کہتے ہیں۔

الرَّجِيۡم. اس میں اصل لفظ ''رجم'' ہے جس کے معنی ہیں کسی کو دور کرنا یعنی اپنے قریب نہ آنے دینا اگر وہ قریب آئے تو اس کو کسی کے ذریعے یا کسی کا استعمال کرتے ہوئے دور کر دینا اور مسلسل کسی کو خود سے دور دھکیلتے رہنے کو کہ وہ آپ کے قریب نہ آ پائے رجیم کہتے ہیں۔

شیطان. دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''شئ'' ہے جس کے معنی ہیں کچھ بھی جو اپنا وجود رکھتا ہے جیسے کہ آپ کو جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے سب کی سب اشیاء ہیں اور دوسرا لفظ ''طان'' ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اس کے مقصد، اس کی منزل کی طرف جانے سے روک دینا۔ روکا کئی طرح سے جاتا ہے مثلاً پیار سے بھی روکا جاتا، کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس کے مقصد و منزل سے غافل کر کے بھی روک دیا جاتا ہے، کوئی لالچ وغیرہ دیکر، کسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا پھر زور زبردستی سے بھی روکا جا سکتا ہے۔

شیطان کے معنی ہیں آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا یعنی مال، اولاد، صلاحیتیں، ذہانت، جسم، کوئی عہدہ و رتبہ وغیرہ تو جس ذات نے یہ سب دیا ان سب کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال صرف اور صرف اسی کے لیے کرنا ہے اور ہر وہ شئے جو آپ کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے روک دے خواہ وہ پیار سے روک دے، کسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر روک دے، اپنے پیچھے لگا کر روک دے، آپ کو اپنی طرف متوجہ کر کے روک دے، لالچ وغیرہ یا زبردستی روک دے وہ شیطان ہے۔ یعنی ہر وہ شئے شیطان ہے جو آپ کو آپ کے دنیا میں بھیجے جانے کے اصل مقصد و مشن کو جاننے اور جان کر اسے پورا کرنے سے روک دے جو آپ کو اللہ کی طرف جانے اللہ کی غلامی سے روک دے۔

عمران کی عورت کے ہاں جب لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو اس کے دل میں یہی آیا کہ اسی میں اللہ کی حکمت ہے اور اگر اللہ نے یعنی فطرت نے میری بیٹی کو قبول کر لیا تو یقیناً میری بیٹی سے ہی آگے چل کر ایسا لڑکا ہوگا جو اس مقصد کو پورا کرے گا جس مقصد کے لیے میں نے اللہ کو ایسا لڑکا دینے کا وعدہ کیا تھا اس لیے اب میری بیٹی کی زندگی کا مقصد و مشن صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ آگے چل کر ایسے لڑکے کو جنم دے جو بڑا ہو کر اس مقصد کو پورا کرے۔

رسول کی پیدائش جس مرد اور عورت سے ہوتی ہے ان دونوں کا مومن ہونا شرط ہوتا ہے اور جب ان کے ہاں رسول کی پیدائش ہونا ہوتی ہے تو وہ دونوں طیب ہوتے ہیں ان کا طیب ہونا شرط ہوتا ہے یوں دنیاوی مال و متاع ہو یا خبائث یہ سب کا سب ان کے لیے شیطان ہوتا ہے اور ان کا شیطان سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہوتا ہے اور وہ ہے ان کا ربّ یعنی فطرت۔ فطرت ہی ہے جس کے ذریعے سے وہ شیطان کو رجم کر سکتے ہیں یعنی فطرت کے استعمال سے ہی اس کی ضد خبیث کو خود سے دور رکھ سکتے ہیں اور یہی اس وقت مریم کی ماں نے کہا تھا وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ اور اس میں کچھ شک نہیں اے میرے ربّ یعنی فطرت میں تیرے ساتھ تجھ سے تیرے ذریعے سے اپنی بیٹی کو جسے میں نے وضع کیا اور اسکی اولاد کو شیطان سے بچا رہی ہوں تیرے ذریعے سے شیطان کو یعنی ہر اس شئے کو جو اسے اس کے مقصد سے رکاوٹ کا سبب بنے اسے دور کر رہی ہوں۔

یعنی مریم کی ماں نے مریم کے جنم کے بعد اپنی زندگی کا مقصد و مشن یہ بنا لیا کہ وہ اپنی بیٹی کو ہر لحاظ سے فطرت پر ہی رکھے گی اس کا رزق وہی ہوگا جو کہ اللہ ہے یعنی وہ رزق جو بغیر حساب ہوتا ہے جس کے بارے میں کل کو اللہ کوئی سوال نہ کرے کہ تم نے یہ رزق کیسے حاصل کیا اور وہ رزق تو صرف اور صرف فطرتی ہے جب مریم

ہرلحاظ سے فطرت پر ہی انحصار کر کے پروان چڑھے گی تو اس کی اولاد بھی پھر اللہ کے قانون کے مطابق ہی پیدا ہوگی جو کہ پیدا ہوتے ہیں اللہ کی خالص عبد ہوگی۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا. آل عمران ۳۷

فَتَقَبَّلَهَا پس جس مقصد کے لیے مریم کی ماں نے اسے وجود میں لایا تھا اس مقصد کے لیے اسے قبول کرلیا رَبُّهَا اس کے ربّ نے یعنی فطرت نے اسے اسی مقصد کے لیے قبول کرلیا جب تک مریم کی ماں زندہ رہی تو کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ مریم کے لیے طیب رزق کا کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہو کہیں بھی کبھی بھی ایسے حالات بنے ہوں کہ جن کی وجہ سے اس وقت یا کل کو بعد میں مریم اپنے مقصد سے ہٹ جاتی بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ ایسا بہترین قبول کرنے سے قبول کیا کہ جس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا اور آگے یہ بھی واضح کر دیا کہ قبول حسن کیا ہے وَّاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور کیا کیا؟ اسے یعنی مریم کو اگایا ایسی بہترین نباتات کی صورت میں کہ ان سے بہتر نباتات ہو ہی نہیں سکتیں وہ نباتات جو کہ بغیر کسی قیمت کے حاصل کی جاتیں بلکہ جو کہ احسان تھا یعنی جنہیں مکمل طور پر خالصتاً فطرت وجود میں لاتی۔

نبات حسن یعنی زمین سے اگنے والی نباتات جو کہ حسن ہیں وہ ہیں جو اللہ یعنی فطرت بارش کے ذریعے پانی اتارے اور اس پانی سے طیب زمین میں طیب نباتات اگیں اور اس طیب رزق سے وجود میں آ کر پروان چڑھنے والا بشر ہوتا ہی اللہ کا بھیجا ہوا ہے اللہ یعنی فطرت کا وجود میں لایا ہوا جس میں کسی کی بھی کوئی مداخلت نہیں ہوتی یعنی اس کی خلق میں اللہ کیساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا اور جس میں اللہ کا کوئی شریک نہ ہو اس سے بہتر کوئی شیئے ہو سکتی ہے؟ ممکن ہی نہیں کہ اس سے بہتر کوئی شیئے ہو۔ یوں جب تک مریم کی ماں زندہ رہی تو انہوں نے مریم کی ایسی بہترین پرورش اور تربیت کی کہ اس سے بہتر پرورش اور تربیت ممکن ہی نہیں۔

اور پھر ایک وقت آیا جب مریم کافی بڑی ہو چکی تھی تب مریم کی ماں کی وفات ہوگئی اور مریم کے والد کی وفات تو مریم کی پیدائش سے قبل ہی ہو چکی تھی۔ مریم چونکہ والدین کی اکلوتی اولاد تھی اس لیے مریم اکیلی ہوگئی۔

مریم کے والد کی کچھ زمین تھی جس زمین پر کاشتکاری کر کے اور کچھ گائے اور بکریاں پال کر مریم کی ماں نے مریم کی پرورش کی تھی، مریم بچپن سے ہی اپنی ماں کیساتھ اپنی اس زمین پر کاشتکاری اور جانوروں کو پالنے میں ہاتھ بٹاتی رہی جس وجہ سے مریم کی مکمل تربیت ہو چکی تھی۔ مریم کی ماں کی بھی وفات ہو جانے پر مریم کے رشتے داروں کی طرف سے مریم کو پیغامات موصول ہونا شروع ہو گئے کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری کفالت کرنے کو تیار ہیں جس کا درج ذیل آیت میں بھی ذکر موجود ہیں۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْکَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ.

آل عمران ۴۴

اللہ آج اس وقت اپنے اس رسول سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے جو آج حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ ذٰلِکَ وہ یعنی جو ماضی میں ہوا تھا مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ اس میں سے کیا ہے جو تُو ان پر کھول کر واضح کر رہا ہے جو تُو انہیں پہنچا رہا ہے؟ یہ اس چھپے ہوئے علم میں سے ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جو آج ان پر ظاہر کیا جا رہا ہے نُوْحِيْهِ اِلَيْکَ ہم وحی کر رہے ہیں تیری طرف وَمَا كُنْتَ اور تُو نہیں تھا لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ان کو جب خبر دی گئی کہ مریم کی ماں کی وفات ہوگئی ہے اور مریم اکیلی ہوگئی ہے تب وہ اپنے اقلام مریم کی طرف ڈال رہے تھے کہ کون ہے ان میں سے جو مریم کی کفالت کرے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ اور نہیں تھا تُو جب ان کو مریم کی ماں کی موت کی خبر دی گئی تب وہ جھگڑ رہے تھے۔

مریم کے والدین کے خاندان یعنی جتنے بھی رشتے دار تھے وہ نہ صرف دنیا پرست اور مطلب پرست، لالچی اور کمینے تھے بلکہ مریم کے والد کی وفات کے بعد ان سب نے مریم کی ماں سے اپنا تعلق ختم کر دیا اور ایسے چھوڑ دیا جیسے کہ کوئی وارث ہی نہ ہو اور اس کی وجہ تھی وہ زمین جو مریم کے والد کی وفات کے بعد مریم کی ماں کو ملی۔ کسی کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ وہ زمین اسے حاصل ہو جائے لیکن جب کسی کی یہ مراد پوری نہ ہوئی تو انہوں نے ضد، حسد اور بغض میں مریم کی ماں سے منہ موڑ لیا اور اسے اکیلا چھوڑ دیا۔

مریم کی ماں حاملہ تھی اور رشتے داروں کے انہی رویوں کی وجہ سے مریم کی ماں اپنے لیے ایک ہی سہارا سمجھتی تھی اور وہ تھا اللہ کی ذات اس لیے مریم کی ماں نے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ اب صرف اور صرف وہی کرے گی جو اس کا ربّ چاہتا ہے اور پھر جب مریم کی ماں کی وفات ہوگئی تو ان لوگوں کا لالچ ایک بار پھر جاگ اٹھا اور اسی لالچ میں ان میں سے ہر کسی کی یہی چاہت تھی کہ مریم کی کفالت کا ذمہ انہیں مل جائے اور جس سے زمین ان کے ہاتھ آ جائے گی اور کل کو یا تو مریم کا

رشتہ کسی ایسی جگہ طے کردیں گے جس سے زمین جائیدادانہیں حاصل ہوجائے یا پھر کہیں دور ایسی جگہ شادی کریں گے کہ مریم وہیں کی ہوکررہ جائے جس سے من پسند قیمت کے عوض یا پھر بالکل مفت میں مریم کی جائیداد ان کے قبضے میں آجائے گی۔

یہی لالچ تھا جس وجہ سے ہرکوئی یہی چاہ رہا تھا کہ مریم کی کفالت کا ذمہ انہیں مل جائے جس کے لیے وہ اپنی اپنی کوششیں کرتے رہےلیکن دوسری طرف مریم کسی کی طرف نہ گئی بلکہ مریم اپنے گھر اور اپنی زمین پر ہی رہی اور صرف اور صرف بارشوں پر ہی انحصار کرتے ہوئے سوفیصد قدرتی طریقے سے رزق حاصل کرتی اور اپنا گزارا کرتی۔

اور مریم کو جہاں بھی مدد کی ضرورت پیش آتی تو مریم کے ایک خالو تھے جو کہ انتہائی شریف اور سیدھے سادھے تھے وہ مریم کی مدد کردیا کرتے یعنی مریم کو جس حد تک کفالت کی ضرورت تھی وہ مریم کے خالو نے ذمہ اٹھالیا جس کا ذکر اللہ نے درج ذیل آیت میں کیا۔

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَادَخَلَ عَلَيْهَازَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. آل عمران ۳۷

المحراب. تین الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ''ال'' ہے جو کہ کسی بھی لفظ یا جملے کے شروع میں استعمال ہونے سے اسے مخصوص کردیتا ہے۔ دوسرا لفظ ''م'' ہے جس کے معنی موجودگی کے ہیں اور تیسرا لفظ ''حراب'' ہے جو کہ حرب سے ہے اور حرب کے معنی ہیں جنگ کرنا کسی بھی شیئے میں یا کسی کیساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا کہ وہ خراب ہوجائے۔

المحراب کے معنی ہیں ایسا مقام جہاں ہرطرف حرب کیا جارہا ہو یعنی جہاں ہرطرف فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جارہی ہو فطرت کے ساتھ دشمنی کی جارہی ہو یعنی فطرت کیساتھ جنگ کی جارہی ہو۔

مثلاً آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کیساتھ حرب یعنی جنگ کی جارہی ہے ہرطرف فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جارہی ہے فطرت میں تبدیلیاں کی جارہی ہیں فطرت میں مداخلت کی جارہی ہے یوں آج جہاں جہاں ہرطرف فطرت کیساتھ دشمنی کی جارہی ہے فطرت کیساتھ جنگ کی جارہی ہے وہ المحراب ہے۔ المحراب جہاں ہرطرف حرب ہی حرب ہے یعنی فطرت کیساتھ جنگ ہی جنگ ہے فطرت میں خرابیاں کرنے والے اعمال کیے جارہے ہیں۔

شاء. جو قانون وضع کردیا گیا، جو قانون بنادیا گیا۔ اس لفظ کے معنی ذہن میں ہونا بہت لازم ہیں اس لیے کہ اس کا معنی مرضی اور چاہت کیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے تراجم میں پڑھا ہوگا کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا۔ اس آیت میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ جسے چاہے گمراہ کرے تو پھر حساب کتاب، سزا و جزا کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا کیونکہ اگر اللہ نے چاہا کہ ایک شخص گمراہ ہو تو پھر وہ شخص اللہ کی چاہت کے آگے کیا کرسکتا ہے؟ جب وہ اللہ کی چاہت کے آگے بےبس ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ اللہ نے جان بوجھ کر اسے گمراہ کیا اپنی مرضی سے حالانکہ وہ تو چاہتا تھا کہ اسے ہدایت ملے۔ اس لیے یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ شاء کے معنی چاہنا نہیں ہیں بلکہ شاء کے معنی ہیں جو قانون بنا دیا گیا شاء کے معنی ہیں قانون۔ اللہ نے جو قانون بنا دیا اللہ اپنے قانون سے ہی ہدایت دیتا ہے اور اپنے قانون سے ہی گمراہ کرتا ہے۔ اختیار انسان کے ہاتھ میں ہے اگر تو وہ اللہ کے قانون پر عمل کرے گا تو ہدایت پا جائے گا اور اگر وہ اللہ کے قانون کے خلاف عمل کرے گا اللہ کے قانون پر پورا نہیں اُترے گا تو وہ گمراہ ہی ہوگا۔

رزق. رزق کہتے ہیں ضروریات کو جو بھی آپ کی ضروریات ہیں یعنی جو بھی زندگی گزارنے کے لیے لازم ہے جیسے کہ سانس لینے کے لیے آکسیجن، پینے کے لیے پانی، کھانے کے لیے نباتات وثمرات، گوشت و دودھ وغیرہ، بالغ ہونے پر مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد اس کی ضرورت بن جاتا ہے ایسے ہی سفر کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جو اسباب ہیں۔

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور مریم کی کفالت زکریا نے کی یعنی مریم کو جب بھی مدد کی ضرورت ہوتی تو زکریا اس کی مدد کرتا۔ مثلاً جیسے کہ جب فصل اگانی ہے پھر جب تیار ہوجائے تو اس فصل کو محفوظ کرنا وغیرہ اور اس کے علاوہ اگر کسی ایسی شیئے کی ضرورت پیش آتی جو کہیں دور سے لانا پڑے یا کوئی زور کا کام ہوتا تو زکریا ایسے تمام کاموں میں مدد کردیتے تھے **كُلَّمَادَخَلَ عَلَيْهَازَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ** جب بھی داخل ہوتے اس پر زکریا جو کہ مخصوص مقام تھا جس کے چاروں اطراف

اللہ سے جنگ کی جا رہی تھی ہر کوئی فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا فطرت کو بدل رہا تھا یعنی غیر فطرتی طریقوں سے اگا رہے تھے وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا پاتا اس کے ہاں کم سے کم رزق۔

جب بھی فصل سمیٹنے کا وقت آتا اور زکریا مدد کے لیے آتے تو ہر بار یہی ہوتا کہ آس پاس ہر ایک کی فصل نظر آنے میں بہت اچھی اور بہت زیادہ ہوتی لیکن مریم کی فصل نہ صرف دیکھنے میں اتنی اچھی نہ ہوتی بلکہ کم سے کم ہوتی تو زکریا اپنی طرف سے بہت سے مشورے دیتے کہ ایسے ہی اگایا کرو جیسے باقی سب اگا رہے ہیں تو مریم اپنے خالو زکریا کی بات نہیں مانتی تھی بلکہ مریم وہی کرتی جو مریم نے اپنی ماں سے سیکھا تھا یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد فطرت پر انحصار کرتی تو ایسی صورت میں زکریا مریم کو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا زکریا نے کہا اے مریم بار بار کہے جانے کے باوجود بھی تجھے کوئی فرق نہیں پڑا تجھے یہ نہیں کرنا چاہیے یعنی تجھے ایسے رزق حاصل نہیں کرنا چاہیے جیسے تُو کر رہی ہے تو اسی کے جواب میں مریم نے زکریا کو کہا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مریم نے زکریا کو کہا یہ اور یہ اور یہ یعنی جو بھی رزق میں اگا رہی ہوں حاصل کر رہی ہوں یہ اللہ کے ہاں سے ہے یعنی یہ جو ہر طرف ہر کوئی رزق اگا رہا ہے یہ سب کے سب اللہ کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں ان کا رزق اللہ کے ہاں سے نہیں ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جس کیساتھ یہ سب کے سب حرب یعنی جنگ کر رہے ہیں یہ ہر طرف جو غیر فطرتی طریقوں سے اگایا جا رہا ہے فطرت میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے فطرت میں مداخلت کی جا رہی ہے اللہ تھا جس کیساتھ حرب یعنی جنگ کی جا رہی ہے يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ اللہ کے ہاں سے رزق وہ ہے اللہ کا رزق وہ ہے جو اس کے قانون کے مطابق خلق ہو رہا ہے جو اللہ نے قانون وضع کر دیا اس قانون کے مطابق اگا رہا ہے رزق حاصل کر رہا ہے وہ اللہ کا رزق ہے بِغَيْرِ حِسَابٍ جس کے بارے کسی قسم کی کوئی پوچھ کچھ نہیں ہو گی کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

اور جس طرح ہر طرف رزق حاصل کیا جا رہا ہے نباتات اگائی جا رہی ہیں جو کہ فطرت میں مداخلت کر کے اگائی جا رہی ہیں فطرت میں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں تو یہ اللہ کی ذات تھی جس کو یہ چھیڑ رہے ہیں اللہ کیساتھ حرب یعنی جنگ کر رہے ہیں اور اس طرح حاصل کیے جانے والے رزق کا حساب ہو گا اللہ حساب لے گا کہ بتاؤ کس نے تمہیں اس طرح رزق حاصل کرنے کا حکم دیا یا اجازت دی؟ کیا یہ میرے وضع کردہ قانون کیمطابق رزق حاصل کیا گیا؟

مریم نے واضح کیا کہ جب اللہ کیساتھ حرب کی جائے گی یعنی جنگ کی جائے گی جو کہ فطرت پر انحصار کرنے کی بجائے فطرت میں تبدیلیاں کرنا ہے تو اس طرح حاصل کیا جانے والا رزق نہ صرف اللہ کے ہاں سے نہیں ہو گا بلکہ ایسے رزق میں برکات نہیں ہوں گی یعنی اس کے استعمال سے فائدے کی بجائے نقصانات کا ہی سامنا کرنا پڑے گا، اس سے طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہوں گے، بچے مفلوج پیدا ہوں گے، اللہ کے قانون میں بہرے، گونگے اور اندھے ہو جائیں گے، اللہ کے قانون میں الاموات ہو جائیں گے، حق کو کبھی نہیں سمجھ پائیں گے، اور یہ جو اولاد نہیں ہوتی اسی رزق ہی کی وجہ سے ہے یوں مریم نے اپنے خالو زکریا پر حق کھول کھول کر واضح کیا اور پھر زکریا نے بھی المحراب میں صلی کرنا شروع کر دی یعنی جہاں ہر طرف غیر فطرتی طریقوں سے اگایا جا رہا تھا اللہ کیساتھ حرب یعنی جنگ کی جا رہی تھی تو وہیں زکریا نے بھی ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر رکھنا شروع کر دیا یعنی ہر طرف سے کٹ کر فطرت پر قائم ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف ان میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت واپس پلٹ آئی بلکہ ان کی بیوی جو کہ بانجھ تھی اس کی بھی اصلاح ہو گئی یعنی فطرت پر قائم ہونے سے زکریا کی بیوی کا بانجھ پن دور ہو کر ان کے ہاں ادھیڑ عمر میں بچے نے جنم لیا جسے یحییٰ کہا گیا۔

اور یہی وہ وجہ بنی جس وجہ سے زکریا نے مریم کو پہچانا کہ مریم باقی عورتوں کی طرح نہیں بلکہ مریم تو اللہ کے مقربین میں سے ہے مریم کی صورت میں اللہ تھا جس نے زکریا سے کلام کیا زکریا کی راہنمائی کی اور اسی وجہ سے ہی مریم کو بھی احساس ہونا شروع ہو چکا تھا کہ وہ باقی عورتوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کو اللہ نے علم و حکمت دی ہے تو بغیر مقصد کے نہیں دی۔ اگر اسے انفرادیت حاصل ہوئی ہے تو یہ انفرادیت بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے اس کی پیدائش اور جو اس کی پرورش ہوئی ظاہر ہے جو اللہ نے قدر میں کیا تھا ویسے ہی ہوئی تو اللہ نے یہ قدر میں بغیر مقصد کے تو نہیں کیا تھا ضرور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور اسی کو اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیات کی صورت میں اپنے الفاظ میں بیان کیا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ . آل عمران ۴۲

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بشر یعنی آپ تین طرح کی مخلوقات کا مرکب ہیں ایک یہ مادہ ہے دوسری اس میں گرم انرجی جنہیں جن کہا گیا اور تیسری ٹھنڈی انرجی، نور

جنہیں ملائکہ کہا گیا۔ گرم اور ٹھنڈی انرجی جنہیں جن اور ملائکہ کہا گیا یہ مادے کی خصلتیں وخصوصیات ہیں یعنی مادہ جب پراسس ہوتا ہے یعنی کیمیائی عوامل سے گزرتا ہے تو اس میں دوطرح کی انرجی یعنی قوت وجود میں آتی ہیں جو کہ مادے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں ایک گرم انرجی ہوتی ہے اور دوسرا ٹھنڈی انرجی اور ان دونوں کا اظہار مادی وجود کے اعمال کی صورت میں ہوتا ہے۔

اگر آپ کے دل ودماغ میں کوئی خیال آتا ہے یا کوئی بات آتی ہے یا پھر آپ کوئی بھی عمل کرتے ہیں تو ان کے پیچھے انہی دو میں سے ایک انرجی کارفرما ہوتی ہے۔

اگر آپ کے دل میں مثبت باتیں آرہی ہوتی ہیں تو یہ ملائکہ یعنی ٹھنڈی انرجی کی وجہ سے ہوتا ہے اور ایسے ہی جب مریم کے دل میں ایسی سب باتیں چل رہی تھیں تو اسی کو اللہ نے قرآن میں جو اس کی حقیقت ہے اسے ان الفاظ میں بیان کیا وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮكِ اور تب ملائکہ نے کہا اے مریم اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جس نے تجھے کسی خاص مقصد کے لیے چن لیا وَطَهَّـــــرَكِ اور تجھے ہر طرح سے مکمل پاک کیا گیا خالص بنایا گیا وَاصۡطَفٰٮكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ اور یہ جو تجھے پاک کیا گیا خالص کیا گیا اور تجھے اس وقت دنیا میں موجود تمام کی تمام عورتوں سے چن کر عالمین کی عورتوں پر عملی نمونہ بنا کر رکھا جارہا ہے کہ عورت کو دنیا میں لانے کا یہ مقصد ہے۔

یعنی مریم نے جب اپنے خالو زکریا کی راہنمائی کی جو کہ نہ صرف بوڑھے ہو چکے تھے بلکہ ان کی اولاد بھی نہیں تھی اور جب مریم نے ان پر حق واضح کیا کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ کیا ہے آپ کی جو بیوی ہے یعنی مریم کی خالہ وہ بانجھ ہیں تو اس کی وجہ یہ رزق ہے جو آج تک آپ استعمال کرتے رہے۔ یہ اللہ کا رزق نہیں ہے یہ غیر اللہ کا رزق ہے اور جب غیر فطرتی رزق کھایا جائے پھر بیماریاں تو لاحق ہوں گی اور پھر جب زکریا نے مریم کی طرف سے یہ سب حق کھل کر واضح ہونے پر الحمد اب میں صلی کی یعنی ہر طرف اللہ کیساتھ جنگ کی جارہی تھی فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جارہی تھی تو وہیں ان کے درمیان زکریا نے ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر قائم کرنا شروع کر دیا خود کو اسی مقام پر قائم کیا جو مقام اللہ نے طے کیا یعنی فطرت پر قائم ہو گئے تو جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف زکریا میں انتہائی بڑھاپے کے باوجود اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پلٹ آئی بلکہ ان کی بوڑھی اور بانجھ بیوی کی اصلاح ہو گئی اور ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو یہ غیر معمولی واقعہ تھا جس سے زکریا نے مریم سے کہا کہ مریم یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے تُو باقی عورتوں کی طرح کوئی عام عورت نہیں بلکہ تُو اللہ کی چنندہ ہے جس وجہ سے مریم کے دل میں بہت سی باتیں آنا شروع ہو گئیں کہ ہاں ظاہر ہے میری پیدائش سے لیکر میری پرورش وتربیت جو ہوئی ہے یہ خالص اللہ کی طرف سے ہوئی ہے اور مجھے جو علم وحکمت دی گئی یہ اللہ نے ہی سب دیا ہے تو ظاہر ہے اللہ نے یہ سب بغیر مقصد کے نہیں دیا مجھے بغیر مقصد کے وجود میں نہیں لایا بلکہ مجھے دنیا کی عورتوں کے لیے عملی نمونہ بنایا جارہا ہے یہ جو عالمین کی عورتوں پر مجھے ترجیح دی گئی تو یہ بے مقصد نہیں ہے۔

يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ. آل عمران ۴۳

يٰـمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ اللہ ہی تھا جو مریم کے دل میں ملائکہ کی صورت میں بول رہا تھا جو مریم کے دل میں یہ سب آرہا تھا مریم کے اندر کی آواز اسے کہہ رہی تھی کہ اے مریم قناعت کر یعنی یہ جو تُو صلی کر رہی ہے یعنی ہر شئے کو اس کے اصل مقام پر رکھ رہی ہے فطرت پر قائم ہے جس کی وجہ سے تجھے تیری ضروریات پوری حاصل نہیں ہو رہی ہیں اور تجھے سختیوں اور مشکلات کا سامنا ہے تو تُو کوئی شکوہ وشکایت نہ کر بلکہ اسی پر صبر کر تیرے ربّ کے لیے یعنی جب تُو نے اللہ کو اپنا ربّ بنایا ہوا ہے تو پھر کیا اسے نہیں علم کہ تجھے سخت حالات کا سامنا ہے مشکلات کا سامنا ہے، رزق کی قلت کا سامنا ہے اللہ کو سب علم ہے اس کے باوجود ایسا ہے تو پھر اس میں تیرے ربّ ہی کی حکمت ہے وہ تجھ سے کوئی بڑا کام لینے کے لیے تجھے تیار کر رہا ہے وَاسۡـجُـدِىۡ اور خود کو مکمل طور پر فطرت کے آگے جھکائے رکھ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کیساتھ۔ رکوع کیا ہے اور رکوع کرنے والوں کیساتھ رکوع کرنا کیا ہے اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ آپ دیکھیں آم کا درخت اس کی شاخ جب وجود میں آتی ہے تو وہ ننھی سی ہوتی ہے پھر وہ بڑھتے بڑھتے ایک وقت آتا ہے جب جوبن پر آجاتی ہے اس کا رخ آسمان کی طرف ہوتا ہے یا وہ بالکل سیدھے اکڑی ہوئی ہوتی ہے اس میں کوئی جھکاؤ نہیں ہوتا وہ قائم ہوتی ہے یعنی اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لاکر پروان چڑھایا گیا وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل ہو جاتی ہے اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو جاتی ہے تب اس پر وہ ذمہ داری لادی جاتی ہے جس کے لیے اسے وجود میں لاکر اس مقام تک لایا گیا یعنی اس پر ذمہ داری عائد کی جاتی ہے کہ اس نے آم وجود میں لاکر اسے اس طرح پروان چڑھانا

ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کر سکے جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا۔

جب شاخ پر آم کا بُور لگتا ہے تو شاخ ہلکی سے جھک جاتی ہے پھر جیسے جیسے آم بن کر بڑا ہوتا چلا جاتا ہے تو ویسے ویسے شاخ جھکتی چلی جاتی ہے یعنی جیسے جیسے شاخ کو اس پر لادی جانے والی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو شاخ اکڑے رہنے کی بجائے ویسے ویسے ہی جھکتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب شاخ کا رخ مکمل طور پر زمین کی طرف ہوتا ہے یعنی خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہوتی ہے۔ اب ذرا غور کریں اگر شاخ جھکنے کی بجائے اکڑی ہی رہے گی تو کیا وہ اس ذمہ داری کو پورا کر پائے گی جو اس پر لادی گئی؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ اگر شاخ اکڑی رہے گی تو آم جو کہ اس پر اس کی ذمہ داری ہے وہ ٹوٹ کر نیچے گر جائے گا اور شاخ اس مقصد کو پورا کرنے سے ناکام ہو جائے گی جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے شاخ کو وجود میں لایا گیا۔

آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کی سب مخلوقات ایسے ہی رکوع و سجود کر رہی ہیں تو مریم کو بھی یہی کہا گیا جو کہ مریم کے اندر سے ہی آواز تھی اور حالات یہ سب کہہ رہے تھے کہ اے مریم اپنے اندر اگر کوئی خامی ہے تو اسے بھی نکال دے خود کو مکمل طور پر جھکائے رکھ اگر تُو عالمین کی عورتوں پر ترجیح دی گئی ہے تو اس کا مقصد ہے تجھے جس مقصد کے لیے وجود میں لا کر اس طرح پروان چڑھایا گیا اور آج تُو اس کے قابل ہو چکی ہے تو جیسے جیسے تجھے تیری ذمہ داری کا احساس ہوتے جائے تو خود کو جھکاتی جا یعنی رکوع کر جیسے تمام عالمین رکوع کر رہے ہیں ان کیساتھ۔

جیسے ہر عورت جب بالغ ہوتی ہے تو اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کی کسی اچھے سے اچھے لڑکے سے شادی ہو اور پھر اس کی اولاد ہو تو وہ اپنی اولاد کی فلاں طرح سے تربیت کرے گی اسے یہ بنائے گی وہ بنائے گی بالکل ایسے ہی مریم بھی چونکہ کب کی بالغ ہو چکی تھی تو مریم کے دل میں بھی یہ سب باتیں آتی تھیں۔ مریم کے دل میں یہی آتا تھا کہ جب اس کی اولاد ہوگی تو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور مریم اس کی ایسی پرورش و تربیت کرے کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر حق کھول کھول کر واضح کرے یعنی جو علم و حکمہ مریم کو اللہ نے عطا کی تھی وہ اپنے بیٹے کو دے گی اس کی ایسی تربیت کرے گی لیکن پھر جب مریم اپنے آپ کو دیکھتی تو اس کا یہ سارا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے کہ جیسے اس کا کوئی اپنا نہیں ہے تو کیسے اس کی شادی ہوگی کون اس کی شادی کروائے گا یعنی جب اس کی شادی ہوئی ہی نہیں تو اس کے ہاں اولاد کہاں سے ہوگی جو اپنی اولاد کی ایسی تربیت کرے گی۔

یوں ایک طرف مریم کے دل میں اولاد کی شدید چاہت پیدا ہوتی تا کہ وہ اس کی مثالی تربیت کرے اور دوسری طرف اکیلی اور غریب ہونے کی وجہ سے شادی نہ ہو پانے کی ناامیدی بھی تھی لیکن اس کے باوجود مریم پر امید تھی کہ اگر اللہ نے مجھے وجود میں لا کر اس مقام تک لایا ہے تو وہ ضرور کوئی نہ کوئی بندوبست کرے گا یعنی ایسا ہی ہوگا نہ صرف میری شادی ہوگی بلکہ میری اولاد بھی ہوگی جس کو میں اسی مقصد کے لیے پروان چڑھاؤں گی اس کی تربیت کروں گی کہ وہ اللہ کا عبد بنے وہ کل کو اس مقصد کو پورا کرے جس مقصد کے لیے اسے دنیا میں لایا گیا۔

اسی حوالے سے مریم کو بار بار ایک ہی خواب بھی آتا رہا کہ وہ ساری دنیا سے بلند بادلوں کے اوپر جاتی ہے اور اس کو ایک لڑکا دیا جاتا ہے اور پھر جب مریم کی آنکھ کھلتی تو وہی بات کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا میری تو شادی نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اللہ کی باغی ہوں جو کسی کے ساتھ جنسی تعلق قائم کیا ہو یا کروں جس سے میرے ہاں اولاد پیدا ہو جائے۔ اسی کو اللہ نے درج ذیل آیات کی صورت میں بیان کیا۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ ۖ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ. وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ . آل عمران ۴۵، ۴۶

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ تب کہا الملائکہ نے اور الملائکہ کا کہنا کیا ہے یہ پیچھے واضح کیا جا چکا مریم کے دل میں آنے والی باتیں تھیں یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اے مریم اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا یعنی مریم کو جب اپنی پیدائش سے لیکر اس مقام تک پہنچنے کے دوران جن جن مراحل سے گزرنا پڑا جن جن حالات و واقعات سے گزرنا پڑا جو کہ غیر معمولی حالات و واقعات تھے باقی تمام کی تمام عورتوں سے مختلف تھے تو ان سب سے گزارنے والا اس طرح وجود میں لا کر پروان چڑھانے والا جو بھی صلاحیتیں ہیں یہ سب دینے والا اللہ تھا یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ اللہ تھا جو دل میں ایسی باتیں آ رہی تھیں مستقبل کے حوالے سے جو آگاہیاں دل میں آ رہی تھیں کلمات کیساتھ اس سے یعنی جو حالات و واقعات پیش آتے رہے ان کے سبب جو دل میں باتیں آتی رہیں تب درج ذیل سب بھی دل میں آ چکا تھا لیکن مریم کو اس کا اس وقت شعور نہیں تھا اسۡمُہُ جس وقت موجود ہے اس میں جو صلاحیتیں و صفات ہیں الۡمَسِیۡحُ مخصوص مس کر رہا ہے یعنی اپنے علم و حکمہ سے

اپنے اعمال سے لوگوں پر انتہائی مثبت اثر انداز ہو رہا ہے عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عیسیٰ وجود میں آیا مریم سے وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ وجیھ ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی اور مقربین سے ہے یعنی دنیا میں بھی عیسیٰ ابن مریم کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا ہر لمحے رخ اللہ کی طرف ہے اپنے ربّ کی طرف ہے اور اس کی کوئی بات رد نہیں کی جاسکتی یعنی وہ جو بھی چاہے جو بھی کہے وہ پورا کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسیٰ مقربین سے ہے یعنی جو اللہ کے سب سے قریب ترین ہیں ان میں سے جو ہے جو کہ اس کے اپنے ہی اعمال کے سبب ہے جو وہ خالص اللہ کی غلامی کر رہا ہے وَيُكَلِّمُ النَّاسَ اور لوگوں سے کلام کر رہا ہے یعنی ان سے انتہائی علم وحکمہ پر مبنی باتیں کر رہا ہے فِي الْمَهْدِ المھد میں یعنی جبکہ وہ والدین کا محتاج ہے اپنے والدین پر ہی انحصار کر رہا ہے مطلب یہ کہ بچوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود سے اتنی عقل نہیں رکھتے اتنا علم وحکمہ نہیں رکھتے کہ وہ کوئی احسن فیصلہ کر سکیں یا علم وحکمہ پر مبنی باتیں کر سکیں وہ اس معاملے میں اپنے والدین کے ہی یا پھر دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں جن پر وہ انحصار کر رہے ہوتے ہیں لیکن عیسیٰ کا معاملہ یہ نہیں ہے جس عمر میں بچے اپنے نفع ونقصان کا شعور نہیں رکھتے وہ اپنے والدین کے محتاج ہوتے ہیں ان پر انحصار کرتے ہیں اس عمر میں عیسیٰ دوسرے بچوں کے مقابلے پر ایسی ایسی باتیں کرتا کہ بڑے بڑے علم وحکمہ والے بھی حیران رہ جاتے کہ یہ بچہ کتنا عقل مند ہے چھوٹی سی عمر میں ایسی باتیں کر رہا ہے جیسے یہ کوئی بچہ نہیں بلکہ کوئی تجربہ کار شخص ہے یعنی عیسیٰ ابن مریم کا معاملہ یہ تھا کہ وہ باقی بچوں سے بالکل مختلف اور منفرد تھا چھوٹی سی عمر میں انتہائی تجربہ کارانہ باتیں کرتا کہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے وَكَهْلًا اور بڑھاپے کی آخری حد جب موت بالکل سر پر آچکی ہوتی ہے تب بھی عیسیٰ کا معاملہ ایسا تھا کہ وہ انتہائی علم وحکمہ پر مبنی باتیں ہی کرتا حالانکہ آپ جانتے ہیں جب کوئی بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ بچوں جیسا ہو جاتا ہے بھلکڑ پن، بات میں وہ اثر نہیں رہتا، علم وحکمہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے بالکل ایسے جیسے کہ بچپن دوبارہ لوٹ آیا ہو لیکن عیسیٰ کا معاملہ یہ نہیں تھا عیسیٰ جب اپنی عمر کے آخری حصے کو پہنچ چکا تب بھی اسی طرح ہی لوگوں سے کلام کر رہا ہے ان کی راہنمائی کر رہا ہے ان پر حق کھول کھول کر واضح کر رہا ہے انتہائی علیم وحکیم ہے وَمِنَ الصَّالِحِينَ اور صالحین سے ہے یعنی اصلاح کرنے والوں سے۔ عیسیٰ نے جب سے ہوش سنبھالا تب سے لیکر اپنی موت تک اصلاح ہی کی کہیں کوئی ایسا عمل نہ کیا جس سے آسمانوں وزمین یا ان میں کسی بھی خلق میں یا کہیں بھی کوئی خرابی ہو بلکہ خرابیوں کو دور کر کے انہیں ٹھیک ہی کرتا رہا خواہ لوگ مفسد کہتے رہیں۔

اب یہاں یہ بات ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے کہ ایسا نہیں یہ سب مریم سے اللہ نے ایسے ہی کہا جیسے کہ دو بشر آپس میں بات کرتے ہیں یا پھر جب مریم کو یہ سب کہا تھا تو مریم کو ایسے ہی علم تھا جیسے کہ ابھی آپ کو بتایا جا رہا ہے تو آپ کو علم ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ مریم کو وہ سب کچھ پہلے ہی کھول کھول کر بتا دیا تھا بلکہ اللہ کا قانون کیا ہے اسے آپ کو سمجھنا ہوگا۔

مثال کے طور پر آپ نے اکثر یہ مشاہدہ کیا ہوگا کہ آپ کیساتھ کوئی حادثہ ہوتا ہے کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو آپ اس واقعے کے ہو جانے کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے پہلے ہی ایسا لگ رہا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے ایسا ہی کچھ ہوگا۔ اب ذرا غور کریں آپ نے ایسا کیوں کہا؟ کیا آپ نے جھوٹ بولا یا پھر واقعتاً حقیقت یہ ہے کہ اگر کچھ اچھا ہونے والا ہو تو پہلے سے ہی عجیب سا اطمینان سا محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ کچھ اچھا ہونے والا ہے اور اگر کچھ برا ہونے والا ہو تو تب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے ہی آپ کو محسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ کچھ برا ہونے والا ہے لیکن جب تک وہ واقعہ وقوع پذیر نہیں ہو جاتا تب تک آپ یقین سے نہیں کہہ سکتے لیکن جیسے ہی واقعہ ہو جاتا ہے حادثہ ہو جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں دیکھا مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا یا ایسا ہی ہوگا۔ ایسا اس لیے کہ واقعتاً آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا جا چکا ہوتا ہے لیکن آپ کے دماغ کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوتے کہ وہ ان معلومات کا صحیح سے نقشہ کھینچ سکے اور جیسے ہی وہ حادثہ ہوتا ہے تو مشاہدہ ہونے پر دماغ فوراً گواہی دیتا ہے کہ یہی تھی وہ بات یا یہ تھا وہ واقعہ۔

بالکل ایسے ہی مریم پر بھی یہ سب پہلے ہی اتار دیا گیا تھا لیکن مریم کا معاملہ ایسا تھا گویا کہ اسے کچھ علم ہی نہیں لیکن ان میں سے جب جب جیسے جیسے کوئی واقعہ وقوع پذیر ہوتا گیا تو مریم کے دل سے آواز آتی کہ یہ تھا یعنی مشاہدہ کر لینے پر یاد آجاتا کہ اسی کا تو فلاں وقت سے احساس ہوتا رہا۔ مریم عیسیٰ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں اور جب بھی کوئی سخت حالات وواقعات کا سامنا کرنا پڑا یا عیسیٰ کیخلاف محاذ کھولا گیا عیسیٰ کیساتھ دشمنی کی گئی اسے قتل تک کرنے کی پوری کوشش کی گئی تو مریم کے دل کو اطمینان تھا کہ نہیں اس کے بیٹے کو قتل نہیں کیا جا سکتا اور یہ اسی وجہ سے تھا کیونکہ عیسیٰ کی پیدائش سے لیکر عیسیٰ کی موت تک مکمل علم اللہ نے مریم پر اتار دیا ہوا تھا فرق صرف یہ تھا کہ مریم کا معاملہ یہ تھا جیسے کہ وہ یہ سب مکمل طور پر بھول چکی ہے اور جیسے جیسے کوئی واقعہ وقوع پذیر

ہوتا تو مریم کو یاد آ جاتا۔ ان میں سے جب درج ذیل واقعہ وقوع پذیر ہوا اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ تو اس کے بعد یہ ہوا قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.

آل عمران ۴۷

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ کہا میرے ربّ یعنی یہ مریم اپنے ربّ فطرت سے کہہ رہی تھی اور فطرت سے کلام زبان سے نہیں کیا جاتا بلکہ آپ اپنے اعمال کے ذریعے ہر لمحے فطرت سے کلام کر رہے ہیں حالانکہ آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہے مریم نے اپنے اعمال کی صورت میں اپنے ربّ یعنی فطرت سے کہا کہاں ہے کہ میرے لیے ہو رہا ہے جنم دینا اور نہیں مجھ پر اثر انداز ہوا اس مقصد کے لیے بشر قَالَ کہا یعنی آگے سے ربّ نے جواب دیا فطرت نے جواب دیا كَذٰلِكِ بالکل اسی طرح ہوگا یعنی بشر مس کرے گا اور لڑکا پیدا ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کون کرے گا تو آگے اسی کا جواب موجود ہے اللّٰهُ اللہ ہے يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ خلق کر رہا ہے جو اس کا قانون ہے یعنی تجھے اگر کوئی بشر مس نہیں کر رہا تو اس لیے کہ اللہ خلق کر رہا ہے جیسے اس کا قانون ہے اللہ کا قانون یہ ہے کہ طیب مردوں کے لیے طیب عورتیں اور طیب عورتوں کے لیے طیب مرد تو جیسے اللہ تجھے خلق کر رہا ہے اس مقصد کے لیے ایسے ہی اللہ ایک مرد کو بھی اس مقصد کے لیے خلق کر رہا ہے اور بالکل ویسے ہی ہوگا جیسے کہ بچے کو جنم دیا جاتا ہے یعنی بشر کے مس کرنے سے اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا تب جب کام کرنا ناگزیر ہو جائے گا یعنی جب اس کام کے کرنے کا وقت آ جائے گا تب فَاِنَّمَا يَقُوْلُ پس اس میں کچھ شک نہیں جو کہہ رہا ہے لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس کو ہو جا پس گویا کہ خود ہی ہو رہا ہے۔

مریم جب بالغ ہو چکی تھی اور بالغ ہوئے بھی کئی سال گزر چکے تھے تو مریم چونکہ اکیلی تھی یہ بھی وجہ تھی کہ مریم کی شادی نہیں ہو رہی تھی اور اس کے علاوہ وہ غریب بھی تھی اس وجہ سے بھی اس کی شادی نہیں ہو رہی تھی اب مریم کی تو چاہت تھی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ اس کو اللہ کا عبد بنائے اس کی پرورش و تربیت ایسی کرے لیکن اس کے لیے شادی کا ہونا لازم تھا جو کہ بظاہر حالات و واقعات کی وجہ سے نہیں ہو رہی تھی لیکن اللہ نے وقت آنے پر اس کا جواب دیا یعنی پھر بالآخر وقت آیا جب مریم کو اس سوال کا جواب مل گیا کہ اس کی شادی کیوں نہیں ہو رہی تھی کیونکہ اللہ خلق کرتا ہے جیسے اس کا قانون ہے۔ اب ایک طرف اللہ نے مریم کو خلق کیا مریم خالص اللہ کی خلق تھی طیب تھی تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ اللہ فرط کر دے یعنی اللہ کچھ خلق کر کے اس کی ضروریات کیا ہیں انہیں خلق کرنا بھول جائے یا انہی میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی یا کجی کر دے؟ یا پھر جسے اللہ نے خلق کیا اللہ اس کا رزق خلق کرنے کی بجائے رزق کے لیے جو اس کے شریک ہیں ان کا محتاج بنا دے؟ نہیں ایسا ممکن ہی نہیں تو جب مریم اللہ کی خلق تھی اور مریم بالغ ہو چکی تھی اب اس کا رزق ایک مرد تھا تو پھر اللہ مریم کا رزق خلق کرنا بھول نہیں گیا تھا بلکہ اللہ تو اپنا کام کر رہا تھا جیسے اس کا قانون ہے۔

ایک طرف اللہ مریم کو خلق کر رہا تھا اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لایا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس مقام پر لا رہا تھا تو وہیں اللہ دوسری طرف اس کے بالغ ہونے پر اس کا رزق ایک طیب مرد بھی خلق کر رہا تھا۔

اللہ ایک طرف ایک طیب مرد کو جس مقصد کے لیے خلق کر کے پروان چڑھا رہا تھا تو عین اسی وقت دوسری طرف اللہ آگے چل کر اس کے بالغ ہونے پر اس کا رزق طیب عورت بھی خلق کر رہا تھا جو کہ مریم تھی۔

مریم کی عمر کی تمام لڑکیوں کی شادیاں ہو چکیں تھیں ان کی اولاد بھی تھی لیکن دوسری طرف مریم تھی جس کی ابھی تک شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور مریم جب انہیں دیکھتی تو مریم کے دل میں بھی شادی اور اولاد کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو دل ہی دل میں اپنے ربّ سے شکوہ کرتی آگے سے ربّ کا جواب یہی تھا کہ بالکل ویسے ہی ہوگا یعنی شادی ہوگی اور اولاد بھی ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا. مریم ۱۶

وَاذْكُرْ اور کیا کرنا ہے؟ ذکر کر یعنی یاد دلا، آج اس وقت اللہ اپنے رسول سے کہہ رہا ہے کہ جو آج سے چودہ صدیاں قبل حق ان پر کھول کھول کر واضح کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اسے بھلا دیا اسے یاد دلا، اسے آج پھر ان پر کھول کھول کر واضح کر دے فِي الْكِتٰبِ اس الکتاب میں یعنی اس مخصوص کتاب میں جس کے

بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل کہا گیا تھا کہ آگے چل کر تمہارے سامنے آئے گی یعنی یہ الکتاب آج جو آپ کے سامنے ہے مَـرْيَـمَ مریم تھی یعنی کیا تھی مریم؟ مریم کے بارے میں حق کیا ہے اصل حقیقت کیا ہے؟

اِذِانْتَبَـذَتْ مِـنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا جب مریم جو اس کے اہل تھے یعنی رشتے دار وغیرہ انہیں چھوڑ کر پیچھا کر کے پکڑے جانے کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے اس جگہ چلی گئی جس سے انہوں نے اس سے لاتعلقی اختیار کر لی کہ مریم آج سے ہمارے لیے مرگئی۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآاِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. مریم ۱۷

فَـاتَّـخَـذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا پس جو وہاں سے انہیں چھوڑ کر گئی جو وہ اسے تلاش کرتے رہے اس کا پیچھا کرتے رہے تو ایسی جگہ پہنچ گئی کہ ان سے ہٹ گئی درمیان میں پردہ حائل ہو گیا یعنی ایسی جگہ کہ جہاں وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے فَـاَرْسَلْنَا پس کیا ہوا تھا؟ بھیجا تھا ہم نے اِلَيْهَـا رُوْحَـنَا جسے بھیجا تھا اس کی طرف ہماری روح تھی فَتَـمَثَّلَ لَهَا پس جو ہماری روح تھی جسے ہم نے مریم کی طرف بھیجا تھا مثل تھی اس کی یعنی مریم کی جیسے مریم کو ہم نے خلق کیا تھا وہ طیب تھی بالکل ایسے ہی اسے بھی ہم نے خلق کیا وہ طیب تھا بَشَــــرًا ایک بشر تھا سَــــوِيًّـــــا جسے اسی مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھایا تھا۔

ان آیات میں اللہ کا کہنا ہے کہ مریم اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر چلی گئی تھی ایسی حالت میں کہ مریم کا پیچھا کیا گیا اس کی تلاش کی گئی اگر وہ مل جاتی تو اسے نقصان پہنچایا جاتا اور مریم ایک ایسے بشر کیساتھ گئی تھی جو بالکل مریم کی مثل تھا یعنی جیسے مریم کی پیدائش ہوئی تھی ایسے ہی اس بشر لڑکے کی بھی پیدائش ہوئی تھی جیسے مریم کا رزق طیب تھا وہ اللہ کا رزق استعمال کرتی تھی اور وہ طیب تھی بالکل ایسے ہی وہ لڑکا بھی طیب تھا۔

یہ سارا واقعہ حقیقتاً تھا کیا اسے بالکل کھول کھول کر واضح کرنے کا اللہ نے کہا ہے تو ایسا کرتے ہیں اسے بالکل کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

زکریا جو کہ مریم کی مدد کرتے تھے یعنی جب بھی فصل کو سمیٹنے کا وقت آتا یا ایسی ہی کوئی مدد کی ضرورت پیش آتی جو مریم کے لیے کرنا مشکل ہوتا تو اس کے لیے زکریا مریم کی مدد کیا کرتے تھے، ایک نوجوان تھا جو محنت مزدوری کی غرض سے اپنے علاقے کو چھوڑ کر یہاں رہتا تھا اس کی زکریا سے ملاقات ہوتی رہتی تھی اور وہ بھی بالکل ویسی ہی باتیں کرتا تھا جیسی مریم کرتی تھی اور جب زکریا کے ہاں یحییٰ کی پیدائش ہوئی تب زکریا نے مریم سے ذکر کیا کہ اس اس طرح ایک لڑکا ہے جو ہو بہو تمہاری طرح کی باتیں کرتا ہے اس کے نظریات بھی بالکل ایسے ہی ہیں جیسے تمہارے نظریات ہیں تو مریم کے دل میں اس لڑکے سے ملنے کی چاہت پیدا ہوئی اور یہ بات زکریا اس لڑکے سے بھی کرتے تھے کہ اس طرح میری بیوی کی بہن کی بیٹی ہے جو بالکل تمہاری ہی طرح کی باتیں کرتی ہے یوں زکریا جب مریم کی مدد کے لیے آیا کرتے تو اسے بھی ساتھ لے آتے تھے۔ جیسے مریم طیب تھی ایسے ہی وہ لڑکا بھی طیب تھا۔ کام کے دوران کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہی رہتی ہے بات کا کوئی نہ کوئی بہانہ بن جاتا ہے۔ اب چونکہ مریم بھی طیب تھی اور وہ لڑکا بھی طیب تو ظاہر ہے طیب تو ایک ہی وجود ہے طیب طیب کو اپنی طرف کھینچتا ہے یعنی حب کرتا ہے تو مریم اور وہ لڑکا ایک دوسرے کو چاہنے لگے ایک دوسرے کی طرف کھنچنے لگے۔

دوسری طرف مریم کے رشتہ داروں نے مریم کا رشتہ ایک ملاں سے طے کر دیا جو کہ ایک فرقہ پرست اور اعلیٰ درجے کا جاہل شخص تھا لیکن چونکہ اس وقت ایسا ہی ماحول اور معاشرہ تھا جیسا آج ہے ملاؤں کو سروں پر بٹھایا جاتا ہے تو بظاہر وہ دین دار تھا۔ اب مریم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اور مریم کی چاہت تھی کہ اس کی شادی اس لڑکے سے ہو جو کہ اس کی مثل ہے یعنی بالکل اسی کے جیسا ہے طیب۔

مسئلہ یہ تھا کہ جیسے آج دین و مذہب کے نام پر رسم و رواج اور فرقہ واریت و فرقہ پرستی عام ہے بالکل یہی اس وقت بھی تھا۔ جیسے آج خود کو امت محمد یا مسلمان کہلوانے والے فرقوں میں تقسیم ہیں اور ہر فرقے کا گمان ہے کہ صرف اور صرف وہی حق پر ہے باقی سب کے سب کافر و مشرک ہیں بالکل یہی حالت اس وقت امت بنی اسرائیل کی تھی۔ جیسے آج کسی دوسرے فرقے میں نکاح جائز نہیں اور اگر کوئی کرتا ہے تو وہ نکاح نہیں بلکہ زنا کہلائے گا بالکل یہی اس وقت بھی تھا نکاح کے لیے ذات پات، اور فرقہ سب سے اہم تھا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے فرقے سے باہر نکاح کا کوئی تصور نہیں تھا اور اگر کوئی ایسا کرنے کی جسارت کرتا تو اس پر فتوے جاری کر دیئے جاتے اس کی جان تنگ کر دی جاتی اسے معاشرے میں طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

جیسے آج دین و مذہب کے نام پر طرح طرح کے رسم و رواج عام ہیں بالکل ایسے ہی اس وقت بھی دین و مذہب کے نام پر آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے رسم و رواج، عقائد و نظریات عام تھے جن کے خلاف سوچنا بھی بہت بڑا جرم تھا اور اگر کوئی ان رسم و رواج، عقائد و نظریات کے خلاف کرتا تو اس کو

کسی بھی صورت برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔

جیسے آج کسی کو نہیں علم کہ اصل میں نکاح ہے کیا اور مذہبی رسم ورواج کے نام پر خرافات کو نکاح کا نام دیا جاتا ہے جو ان مذہبی رسم ورواج کو پورا نہیں کرتا تو اس کا نکاح نہیں کہلاتا بلکہ زنا کہلاتا ہے بالکل ایسے ہی اس وقت بنی اسرائیل میں یہ سب عام تھا۔ اگر کوئی مذہبی رسم ورواج کو پورا کرتا ہے تو وہ نکاح کہلائے گا اور اگر کوئی ان رسم ورواج سے بغاوت کرتا ہے تو اسے نکاح نہیں مانا جاتا تھا بلکہ ایسا کرنے والے کو زانی کہا جاتا تھا۔

اب مسئلہ یہ تھا ایک تو مریم کا رشتہ طے کیا جا چکا ہوا تھا اور وہ بھی مذہبی گھرانے میں اور رشتہ کرنے سے پہلے مریم کو پوچھا بھی گیا تھا اور مریم نے دین دار ہونے کی شرط رکھی تھی اور انہوں نے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ملّاں سے رشتہ طے کر دیا تھا اور دوسری بات کہ مریم کا خاندان جس ذات پات اور فرقے سے تعلق رکھتا تھا وہ لڑکا اس ذات پات اور فرقے کا نہیں تھا تو ایسی صورت میں مریم چاہ کر بھی اس لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ اگر کسی کو اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی تو نہ صرف مریم کو قتل کر دیا جاتا بلکہ اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا جاتا۔

مریم کی اس ملّاں سے شادی کی تیاری زور وشور سے جاری تھی اور جب شادی کا دن سر پر آ گیا تو مریم نے اور اس لڑکے نے جو کہ اللہ کا بھیجا ہوا تھا دونوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ شادی کر لیں گے اور یہاں رہتے ہوئے تو ان کی شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بلکہ انہیں قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا جاتا اور بالآخر دونوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اور پھر جب پتہ چلا کہ مریم غائب ہے تو پورے علاقے میں دور دور تک شور مچ گیا کہ مریم ایک لڑکے کیساتھ بھاگ گئی ہے مریم کی تلاش کے لیے رات دن ایک کر دیا گیا خاندان تو خاندان پورے علاقے کی جاہل عوام نے یہ طے کر لیا کہ انہیں پکڑ کر رجم کیا جائے گا انہوں نے یہ بہت بڑا جرم کیا ہے یہ حرام کام کیا ہے۔

وہ لوگ مریم کو تلاش کرتے رہے اور مریم اس لڑکے کیساتھ اسی علاقے میں تھی لیکن ایسی جگہ پر کہ ان کے درمیان پردہ حائل تھا یعنی جہاں مریم اور وہ لڑکا چھپ گئے تھے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا یوں جب وہ تلاش کر کے تھک ہار گئے مریم نہ ملی تو انہوں نے یہ طے کر لیا کہ آج سے وہ لڑکی ہمارے لیے مر گئی ہمارا اس کیساتھ کوئی تعلق نہیں، اس نے ہماری ناک کٹوا دی ہمیں معاشرے میں ذلیل ورسوا کر دیا۔

مریم کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہو گا بلکہ مریم نے تو یہی سوچا تھا کہ فی الحال نہ صرف شادی سے بچ جاؤں گی بلکہ بعد میں حالات معمول پر آ جائیں گے تو کسی نہ کسی طریقے سے مسئلہ حل ہو ہی جائے گا ہو سکتا ہے رشتے دار یہی سوچیں کہ جو یہ کرنا چاہتی ہے کرے لیکن آپ جانتے ہیں جیسے کہ آج مذہبی معاشرے ہیں اگر کوئی لڑکی لڑکا ایک دوسرے سے حب کرتے ہیں اور وہ شادی کرنا چاہتے ہیں تو اسے پسند نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی لڑکی لڑکا ایسا قدم اٹھاتے ہیں تو ان کے خاندان والے بالخصوص لڑکی کے خاندان والے سمجھتے ہیں کہ ان کی ناک کٹ گئی انہیں ان کی لڑکی نے اپنے اس اقدام سے معاشرے میں ذلیل ورسوا کر دیا کہیں کا نہیں چھوڑا اور لوگ ساری زندگی انہیں طعنے دیتے ہیں بالکل یہی حالت اس وقت تھی اور اسی وجہ سے مریم کی توقعات کے برعکس ہوا۔

اللہ نے کہا کہ وہ ہماری روح تھی جو کہ بالکل مریم کی مثل بشر تھا جو اللہ نے اسی مقصد کے لیے وجود میں لا کر پروان چڑھایا تھا اور اللہ نے بھیجا تھا اسے مریم کی طرف۔ اب جب آپ پر اللہ کیا ہے ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا ہے تو آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی کہ اللہ نے اسے کیسے بھیجا، اللہ تو فطرت ہے تو غور کریں فطرت کیسے آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے؟ حالات ہی ایسے بن جاتے ہیں کہ آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے آپ کو نہیں علم ہوتا کہ کل آپ کو کہاں جانا ہے یا آپ کو نہیں علم ہوتا کہ آپ نے اپنی زندگی میں کہاں کہاں کا سفر کرنا ہے کیا کیا کرنا ہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے تو حالات آپ سے کرواتے چلے جاتے ہیں یہ ہے اللہ کا کروانا اللہ کا کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔

جیسے یعقوب کو پورے خاندان سمیت اللہ ہی اسرائیل سے مصر لے گیا تو غور کریں کہ کیسے لے گیا؟ حالات ہی ایسے بن گئے کہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اللہ یعقوب اور اس کی ساری اولاد کو مصر میں یوسف کے پاس لے گیا یہ ہے اللہ کا لے کر جانا۔ ایسے ہی حالات اس لڑکے کو مریم کی طرف لے آئے تھے نہ کہ ایسا ہوا کہ کسی نے آ کر اس لڑکے کو کہا کہ جاؤ مریم کی طرف۔

مریم کے اس لڑکے کیساتھ چلے جانے کے بعد اس کا مورد الزام زکریا کو ٹھہرایا گیا کہ یہ سب زکریا کی وجہ سے ہوا ہے اس کا ذمہ دار زکریا ہے یہ زکریا ہی ہے جو اس لڑکے کو مریم کے پاس لے جایا کرتا تھا یہ سب زکریا کی ناک کے نیچے ہوا یعنی زکریا کو مفسدین میں سے قرار دیا گیا لیکن اللہ نے قرآن میں گواہی دی ہے

جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ. الانعام ۸۵

زکریا مفسدین میں سے نہیں تھا بلکہ زکریا صالحین یعنی اصلاح کرنے والوں میں سے تھا وہ بگاڑ کرنے والوں میں سے نہیں بلکہ بگاڑ کو دور کر کے اصلاح کرنے والوں میں سے تھا فساد یعنی بگاڑ تو تم لوگ کر رہے تھے طیب لڑکی کا نکاح خبیث مشرک کیساتھ کر رہے تھے اگر یہ سب زکریا کی وجہ سے ہوا تو یہ فساد یعنی بگاڑ نہیں بلکہ تمہارے کیے ہوئے فساد یعنی بگاڑ کو زکریا نے دور کیا مریم طیب تھی تو اس کا رزق بھی طیب ہونا چاہیے جو کہ زکریا کی وجہ سے اسے اس کا طیب رزق ملا۔ اور اسی کا ذکر اللہ نے ایک اور پہلو سے سورۃ مریم میں بھی کیا۔ زکریا کو مریم کے لیے اس کے ربّ کی رحمہ یعنی حفاظت قرار دیا یعنی زکریا نے مریم کو تباہی و نقصان سے اس کا متبادل فراہم کر کے محفوظ کر دیا جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا. مریم ۲

جو بھول چکے اسے یاد کر رہے ہو تیرے ربّ کی رحمت اپنے ربّ کا غلام زکریا یعنی زکریا نے اپنے ربّ اللہ جو کہ فطرت ہے اس کی غلامی کی تو زکریا تیرے ربّ کی طرف سے مریم کے لیے رحمت بنا یعنی مریم کو لاحق ہونے والی تباہی و نقصان سے اس کا متبادل فراہم کر کے محفوظ کر دیا۔

مریم کے رشتے دار اس کا عقد ایک مشرک ملاّں کیساتھ کرنے والے تھے لیکن زکریا نے مریم کو اس کا متبادل طیب لڑکا فراہم کر کے اسے اس تباہی سے محفوظ کر دیا۔ وہاں سے بھاگنے کے بعد مریم اور وہ لڑکا دونوں اکیلے تھے نہ تو کوئی کام کاج تھا اور نہ ہی وقت گزارنے کا کوئی اور ذریعہ یوں دونوں ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تو جو ہوا اللہ نے درج ذیل آیت کی صورت میں اس کی تاریخ اتاری۔

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا. مریم ۱۸

جیسا کہ پیچھے واضح کر دیا گیا کہ جیسے آج نکاح کے نام پر طرح طرح کے مذہبی رسم و رواج عام ہیں اور اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرتا ہے یا انہیں پورا نہیں کرتا مثلاً ایک مولوی کا ہونا اس کے علاوہ گواہوں کا ہونا، ولی کے نام پر کسی کا ہونا وغیرہ اگر ان کا انکار کیا جاتا ہے ان رسم و رواج کو پورا نہیں کیا جاتا تو وہ نکاح نہیں بلکہ زنا سمجھا اور کہلایا جاتا ہے بالکل ایسے ہی اس وقت بھی مذہبی رسم و رواج عام تھے جن پر پورا اترنا ہی نکاح ورنہ زنا سمجھا جاتا تھا۔ جب وہ لڑکا مریم کے قریب آنے لگا تو مریم کے دل و دماغ میں یہی سب آیا کہ ہمارا تو ابھی نکاح نہیں ہوا یعنی جو رسم و رواج عام تھے ہم نے وہ پورے نہیں کیے اس لیے ابھی میرے قریب مت آؤ۔

یہ ہے اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ مریم سمجھ رہی تھی کہ نکاح کے لیے کم از کم جو دین کے نام پر کیا جاتا ہے یعنی گواہوں کا ہونا اور مولوی وغیرہ کا ہونا یہ الرحمٰن ہے الرحمٰن کا عائد کردہ ہے اس لیے اس کا ہونا لازم ہے اگر اس کے بغیر ہم ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو یہ حرام ہوگا اس لیے مریم نے اسے اپنے قریب آنے سے منع کر دیا اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا تُو جو کر رہا ہے نہیں الرحمٰن سے بچ رہا یعنی ہم پر لازم ہے کہ ہم پہلے نکاح کے نام پر جو رسم و رواج پورے کیے جاتے ہیں جو کہ لازم تصور کیے جاتے ہیں انہیں پورا کریں پھر ایک دوسرے کے قریب آئیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا. مریم ۱۹

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ جواب دیا اس میں کچھ شک نہیں جو میں کر رہا ہوں میں بھیجا ہوا ہوں تیرے ربّ یعنی فطرت کا اور کس مقصد کے لیے بھیجا ہوا ہوں آگے یہ بھی واضح کر دیا لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا اس لیے بھیجا ہوا ہوں تیرے ربّ کی طرف سے تجھے ہر طرح سے آزما کر جب کہ تُو اس کی اہل ثابت ہو چکی تو تجھے ایک لڑکا دینے کے لیے جو کہ پاکیزہ یعنی ہر طرح کی خباثت سے پاک ہو فطرتی لڑکا یعنی جو خالص اللہ کی خلق ہوگا۔ جب مریم نے کہا قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا تو مریم کی مثل اس طیب بشر نے جواب دیا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ کہا اس میں کچھ شک نہیں میں تیرے ربّ الرحمٰن کا ہی بھیجا ہوا ہوں یعنی میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا بلکہ وہی ہوگا جو الرحمٰن نے کہا جس کی الرحمٰن نے اجازت دی۔ مریم کے ذہن میں اس وقت تک یہی تھا کہ الرحمٰن کو ربّ بنانا یہ ہے کہ جو مذہبی رسم و رواج ہیں ان کو پورا کریں گے تو نکاح ہوگا لیکن حق اس کے بالکل برعکس تھا جو کہ مریم پر ابھی واضح کیا ہی جانے والا تھا۔ مریم کے ذہن میں نکاح کے لیے یہی مذہبی رسم و رواج کا خاکہ تھا جس کو ذہن میں رکھتے ہوئے مریم نے کہا

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا. مریم ۲۰

مریم نے کہا کہاں سے ہو رہا ہے میرے لیے لڑکا اور نہیں اس مقصد کے لیے اثر انداز ہوا مجھ پر بشر اور نہ ہی تُو کوئی ایسا کام کرنے والا ہے جس میں ربّ الرحمٰن سے ذرا بھی بغاوت ہو۔

یعنی مریم نے کہا کہ نہ تو میں ایسی ہوں کہ مجھے کوئی بشر بغیر شادی کے چھوئے اس مقصد کے لیے اور میں لڑکے کو جنم دوں اور اب تو ویسے بھی ممکن نہیں رہا کیوں کہ ولی کے بغیر نکاح ہوتا نہیں اور میں تمہارے ساتھ آ چکی ہوں اور میرے سب رشتے دار میرے دشمن بن چکے ہیں اب تو اگر ان کے ہاتھ لگ گئی تو ایک ہی انجام ہے وہ غیرت کے نام پر قتل کریں گے اور دوسرے تم بھی ایسے نہیں کہ الرحمٰن سے رائی برابر بھی بغاوت کرو یعنی بغیر شادی کے مجھے مس کرو تو کیسے اب ہو سکتا ہے کہ میں لڑکے کو جنم دوں؟

واپس اب جا نہیں سکتی اگر رشتے داروں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ قتل کر دیں گے اور تمہارے ساتھ وہ میری شادی کریں گے نہیں اب بغیر ولی کے جب نکاح ہی نہیں تو پھر لڑکا کیسے ہونے والا ہے؟ اس لیے یہ تو اب ممکن نہیں رہا۔

اب مریم ایک طرف تو اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دے رہی تھی کہ وہ ایسی عورت نہیں ہے کہ وہ رائی برابر بھی اللہ سے بغاوت کرے اور دوسری طرف مریم یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے لیے اب نکاح کے تو دروازے ہی بند ہو گئے ہیں ولی کے بغیر نکاح نہیں اور جو میرے ولی ہیں وہ کسی بھی صورت اس سے نکاح تو کریں گے نہیں اور اس سے نکاح کرنا تو دور کی بات اگر ان کے ہاتھ لگ جاتی ہوں تو وہ قتل کر دیں گے۔ تو مریم کی انہی باتوں کا جواب اس بشر نے دیا

قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا. مریم ۲۱

قَالَ کَذٰلِکِ کہا بالکل اسی طرح ہو گا یعنی جیسے الرحمٰن نے کہا جیسے الرحمٰن نے بچے کو جنم دینے کے لیے قانون بنایا ویسے ہی ہو گا قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ کہا تیرے ربّ پر یہ اور وہ اور یہ اور وہ سب کا سب بالکل آسان ہے انتہائی سمپل سادہ۔ یعنی تُو جو سمجھ رہی ہے کہ نکاح کے جو قوانین معاشرے میں پائے جاتے ہیں دین و مذہب کے نام پر یہ تیرے ربّ کے قوانین ہیں ایسا نہیں ہے یہ اتنی مشکلیں تیرے ربّ کی کھڑی کردہ نہیں ہیں بلکہ تیرے ربّ پر تو یہ سب کا سب بالکل آسان ہے انتہائی سادہ ہے سمپل۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ اور ہم نے یہ اس لیے کیا لوگوں کے لیے آیت کر دی یعنی جب لوگ اس معاملے میں مریم کے نکاح و بچے کے جنم والے واقعے میں غور کریں تو ان کی ان معاملات میں راہنمائی ہو کہ انہیں کس سے اور کیسے نکاح کرنا ہے اور کیسے اولاد کو جنم دینا ہے وَ رَحْمَةً مِّنَّا اور ہم سے رحمہ یعنی جو نکاح اور اولاد کے جنم کے لیے طرح طرح کے سختیوں، تکالیف و مصائب بنا دیئے گئے رسم و رواج اور دین و مذہب کے نام پر قوانین کے ذریعے ان سے محفوظ ہونا کہ یہ ہے طریقہ جس طریقے سے تم ان تمام تر پریشانیوں، مصیبتوں اور سختیوں سے محفوظ رہ سکتے ہو وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا اور قدر میں یعنی اللہ کے قانون میں یہ کام ہو چکا تھا اس لیے اس کا ہونا ناگزیر تھا یعنی ہو کر رہنا تھا۔

یہاں پھر یہ بات ذہن میں ہونا لازم ہے ایسا نہیں ہے کہ اس لڑکے نے ان الفاظ کا استعمال کیا تھا بلکہ اس وقت جو ہوا تھا اس کو اللہ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اس وقت جو ہوا وہ یہ تھا کہ جب مریم نے کہا کہ ہمیں پہلے نکاح کرنا چاہیے یعنی نکاح کے نام پر جو مذہبی رسم و رسواج ہیں انہیں پورا کرنا چاہیے اس کے بعد ہم ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں ورنہ یہ جرم ہو گا ہم اللہ کے باغی کہلائیں گے تو جواب میں اس لڑکے نے واضح کیا کہ جسے نکاح کہا یا سمجھا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں یہ تو بالکل بے بنیاد و باطل ہے۔

اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی فطرت کی منصوبہ بندی سے مریم کو ملنے والے بشر نے مریم پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کیا کہ نکاح کیا ہے۔

آج بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ نکاح مذہب کے نام پر کی جانے والی رسومات کا نام ہے لیکن کسی کو نہیں علم کہ نکاح ہے کیا۔ نکاح کو سمجھنے کے لیے آپ کو پہلے یہ جاننا ہو گا کہ دین کیا ہے جو کہ آپ پر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ دین فطرت ہے فطرت پر ہی قائم ہونا اصل مقصد ہے۔ جب دین فطرت پر قائم ہونا ہے تو پھر آپ خود غور کریں کہ کیا فطرت نے ایک بالغ مرد اور ایک بالغ عورت کے ملاپ کے لیے ایسی کوئی شرائط عائد کی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ مذہبی رسومات کے نام پر جو کچھ بھی آج ہو رہا ہے جو صدیوں سے چلتا آ رہا ہے کیا یہ حق ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔

جیسے ایک گھر میں میاں بیوی اور ان کے بچے ہوتے ہیں بچے ہر اس شئے کی طرف بھاگتے ہیں جو انہیں اچھی لگتی ہے خواہ وہ آگ ہی کیوں نہ ہو اور والدین بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کے نفع ونقصان کا خیال رکھتے ہیں وہ بچوں کو ہر اس کام سے روکتے ہیں جس میں بھی ان کے لیے نقصان چھپا ہوتا ہے لیکن بچوں کو وہ نظر نہیں آرہا ہوتا، والدین بچوں کو پیار سے بھی روکتے ہیں اور اگر پیار سے نہ رکیں تو پھر سختی کیساتھ بھی روکتے ہیں خواہ بچوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ اگر والدین اپنی ذمہ داری ترک کردیں تو بچے نہ صرف گھر میں ہر شئے درہم برہم کردیں گے تباہی مچادیں گے بلکہ وہ خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچا بیٹھیں گے اور جو بھی اس گھر میں ہوگا لامحالہ اسے بھی اس تباہی ونقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بالکل یہی مثال اس دنیا میں جتنے بھی بشر ہیں ان کی ہے۔ دوطرح کے بشر ہیں ایک وہ جو کہ انسان ہیں یعنی وہ خود اپنے ہی آپ کو بھولے ہوئے ہیں انہیں کچھ نہیں علم کہ وہ کون ہیں کیا ہیں ان کا اول وآخر کیا ہے وہ اس دنیا میں کیوں اور کس مقصد کے لیے آئے یوں انہیں جو بھی اچھا لگتا ہے انہیں جس میں بھی اپنے لیے فائدہ نظر آتا ہے وہ بچوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اس کے حصول کے لیے جو بھی کرنا پڑے کرتے ہیں انہیں جو صلاحیتیں دی گئیں ان کا اسی کے پیچھے استعمال کرتے ہیں اور اگر انہیں کوئی روکنے والا نہیں ہوگا تو وہ آسمانوں وزمین میں سب کچھ درہم برہم کردیں، آسمانوں وزمین میں کچھ بھی سلامت نہ رہے اور دوسری طرح کے بشر وہ ہیں جن پر حق کھل کر واضح ہوجاتا ہے جو اپنی حقیقت کو پالیتے ہیں اور یوں ان پر بالکل کھل کر واضح ہوجاتا ہے کہ اس دنیا میں ان کی موجودگی کا مقصد کیا ہے۔ ان کی ذمہ داری ومقصد بالکل وہی ہے جو مقصد وذمہ داری گھر میں والدین کی ہوتی ہے جب ان کے بچے چھوٹے ہوتے ہیں ان کے محتاج ہوتے ہیں۔

یعنی دنیا میں جتنے بھی بشر ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو انسان یعنی بھولے کے بھولے ہی ہیں اور دوسری وہ جو انسان نہیں یعنی خود اپنے ہی آپ کو بھولے ہوئے نہیں رہے بلکہ انہوں نے غوروفکر کرکے وہ یاد کرلیا جو وہ خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے۔

جو انسان ہیں یعنی خود اپنے ہی آپ کو بھولے ہوئے ہیں انہیں نہیں علم کہ ان کی حقیقت کیا ہے وہ کون ہیں کیا ہیں اس دنیا میں آنے کا ان کا مقصد کیا ہے ان کا معاملہ بچوں کی طرح ہے انہیں جو بھی اچھا لگتا ہے اس کے حصول کے لیے اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کچھ علم نہیں ہوتا کہ جس میں وہ اپنے لیے فائدے دیکھ اور سمجھ رہے ہیں حقیقت میں اگر وہ کام کیا گیا اس شئے کو حاصل کرنے کے لیے انہیں دی گئی صلاحیتوں کا استعمال کیا گیا تو آسمانوں وزمین میں ہر شئے میں خرابیاں ہوجائیں گی اور وہ بلاخوف وخطر اسی میں اپنا فائدہ سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے لگ کر آسمانوں وزمین میں فساد کرتے ہیں یعنی مخلوقات کو ان کے مقامات سے بدلتے ہیں فطرت میں تبدیلیاں کرتے ہیں۔

آپ پر یہ بھی کھول کھول کر واضح کردیا گیا کہ آسمانوں وزمین کی مثال بالکل آپ کے جسم کی سی ہے یا پھر یوں کہیں کہ ایک مشین کی سی اگر کوئی ایک بھی شئے اپنے مقام سے ہٹے گی تو پورے وجود میں خرابیاں ہوجائیں گی یعنی مخلوقات میں جو ربط قائم ہے جس کی وجہ سے تسلسل اور نظم قائم ہے وہ ربط ٹوٹ کر تسلسل میں تعطل آجائے گا جس سے نظم برقرار نہیں رہے گا یوں آسمانوں وزمین میں ہر شئے میں خرابیاں ہوکر تباہیاں آئیں گی۔

دوسری طرح کے بشر جو کہ انسان نہیں ہیں یعنی وہ خود کو بھولے ہوئے نہیں رہے بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو یاد کرلیا تو جب انہوں نے غوروفکر کرکے اپنی ہی ذات کو یاد کرلیا تو ان کی اپنی ذات اللہ نکلی یعنی جو کچھ بھی نظر آرہا ہے یہ ان کا اپنا ہی وجود ہے لیکن اس وقت وہ بطور امتحان اس بشر کی صورت میں اس دنیا میں موجود ہیں اگر تو وہ اپنے آپ کو اللہ ثابت کردیتے ہیں تو آخرت میں ان کی حقیقت اللہ ہی ہے اور اگر نہیں تو جو درجہ اس دنیا میں کمائیں گے آخرت میں وہی درجہ ملے گا۔

اب جب کہ اپنی حقیقت اللہ ہے تو پھر اب بھلا کوئی اپنے ہی وجود کو نقصان کیوں پہنچائے گا؟ اور اگر کوئی اپنے ہی وجود کو نقصان پہنچا رہا ہو تو کیا اسے اپنے ہی وجود کو نقصان پہنچانے دیا جائے گا یا پھر اسے روکا جائے گا؟ تو حقیقت بالکل واضح ہے کہ اسے روکا جائے گا تو یہی ذمہ داری اس دنیا میں دوسری قسم کے جو بشر ہیں ان کی ہے۔

ایسے تمام کے تمام بشر گویا کہ ایک ہی وجود ہے تو وہ ایک وجود بن کر دنیا میں آنے کے اس مقصد کو پورا کرتے ہیں یعنی آسمانوں وزمین کی دیکھ بھال کرتے ہیں انہیں نقصان نہیں پہنچانے دیتے ہر مخلوق کو اس کے اپنے مقام پر رہنے دیتے ہیں اور جو انہیں ہٹانے والے ہیں یعنی انسان انہیں بھی ان کے مقام پر قائم کرتے

ہیں جسے قرآن میں الصلاۃ کہا گیا۔

الصلاۃ صل سے ہے جس کے معنی ہیں شئے کا اپنے اصل مقام پر ہونا اپنی لائن پر ہونا اور الصلاۃ کا معنی ہے اس زمین میں ہر مخلوق کو اس کے اصل مقام اس کی اصل لائن پر رہنے دینا اور اگر کوئی اپنے مقام سے اپنی لائن سے ضل ہے یعنی ہٹی ہوئی ہے تو اسے اس کے مقام اس کی اصل لائن پر لانا اس کے اصل مقام پر قائم کرنا جس سے یہ ہوگا کہ اگر زمین میں کہیں کوئی خرابیاں ہیں تو وہ دور ہو کر زمین کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر یہ ذمہ داری پوری نہ کی گئی تو ظاہر ہے اگر والدین گھر میں بچوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیں گے اپنی ذمہ داری کو بھول جائیں گے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ بچے گھر کی حالت کیا کریں گے؟ نتیجہ سامنے دیوار پر لکھا ہے۔

یوں دوسری قسم کے جو بشر ہیں جو کہ انسان نہیں بلکہ ان کی صورت میں اللہ ہی کا وجود ہے اللہ ہے تو وہ ایک وجود کی صورت اختیار کرتے ہیں جیسے وجود میں یعنی جسم میں ایک دماغ ہوتا ہے جو کہ پورے وجود کو چلاتا ہے تمام کے تمام اعضاء اس کے ٹولز ہوتے ہیں وہ ان کے ذریعے انہی پر مشتمل اپنے وجود کی دیکھ بھال کرتا ہے پورے وجود کا خیال رکھتا ہے ایسے ہی ان میں ایک بشر کو اپنا دماغ یعنی امام بنالیا جاتا ہے اور پھر جیسے نفس یعنی دماغ آنکھوں سے دیکھتا ہے، کانوں سے سنتا ہے، زبان سے بولتا ہے، ہاتھوں سے کرتا ہے، پاؤں سے چلتا ہے وغیرہ ایسے ہی باقی بشر اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے کوئی اس کی آنکھیں بن جاتا ہے، کوئی اس کے کان، کوئی اس کی زبان، کوئی اس کی ٹانگیں اور کوئی اس کے ہاتھ اور انسان وجود میں ایسی ہی اہمیت وحیثیت رکھتے ہیں جیسے کہ باقی مخلوقات کی اہمیت وحیثیت ہے۔

جو بشر آنکھوں، کانوں، زبان، پاؤں اور ہاتھوں کی حیثیت رکھتے ہیں وہ اس کے وزراء کہلاتے ہیں یوں ایک حکومتی ڈھانچہ وضع ہو جاتا ہے بالکل وہی حکومتی ڈھانچہ جو آپ کو فطرت کی ایک ایک خلق میں ملے گا، جو چھوٹی سے چھوٹی خلق سے لیکر کل کے کل وجود میں ملے گا جو آپ کے اپنے ہی اس وجود میں آپ کو ملے گا۔

ان کا کام ہے انسانوں کو ان کے اصل مقام پر رکھنا جیسے والدین گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں بالکل ایسے ہی ان کا کام ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس گھر یعنی زمین اور اس میں بچوں کی مانند جو انسان ہیں ان کا خیال رکھنا انہیں ہر اس کام سے روکنا جس سے اس گھر زمین میں کہیں بھی کوئی خرابی ہو، انسانوں کا کام ہی یہی ہے کہ وہ ہر اس شئے کے پیچھے بھاگتے ہیں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں بھی انہیں اپنے لیے فائدہ نظر آتا ہے خواہ وہ حقیقت میں آگ ہی کیوں نہ ہو۔ انسان صرف اور صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جب تک کہ وہ سامنے نہیں آجاتا اور تب دیکھنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

دوسری قسم کے بشر یعنی جو انسان نہیں ہیں وہ المیز ان یعنی آسمانوں وزمین میں جو بہترین اور پیچیدہ ترین توازن وضع کیا گیا ہے اس کو قسط کے ساتھ قائم رکھتے ہیں یعنی زمین میں اگر اشیاء کو صرف استعمال ہی کرتے جائیں گے واپس ان کا متبادل نہیں رکھیں گے تو میزان میں خسارہ ہو کر زمین میں تباہیاں آئیں گی جنہیں روکنے کے لیے میزان کا قائم رہنا لازم ہے تو وہ انسانوں کو قسط کے ساتھ قائم کرتے ہیں یعنی مثال کے طور پر اگر لکڑی کی ضرورت ہے تو اس کے لیے درخت کاٹا جائے گا اب اگر درخت کاٹ کر لکڑی حاصل کر لی اور واپس وہاں اتنا ہی وزن قسط کیساتھ نہ رکھا یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے واپس وہاں درخت نہ رکھا تو جو توازن وضع کیا گیا ہوا ہے اس میں خسارہ ہو جائے گا اور بالآخر تباہیاں آئیں گی اور سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا تباہ و برباد ہو جائے گا اس لیے وہ لوگوں پر ان کی ذمہ داری نہ صرف کھول کھول کر واضح کرتے ہیں پہلی بات کہ کون کون سی اشیاء کو وہ زمین میں استعمال کر سکتے ہیں اور پھر جب ان میں سے کچھ بھی استعمال کرنا ہے تو اسے قسط کیساتھ واپس بھی رکھنا ہے اور اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو پھر اس کے لیے وہ سختی کرتے ہیں ڈنڈے کا استعمال کر کے قسط کیساتھ المیز ان کو قائم کرتے ہیں۔

یہ ہے ذمہ داری دوسری قسم کے جو بشر ہیں ان کی۔

اب جب ایک بشر بوڑھا ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا نائب وہاں چھوڑ کر جائے یعنی اگر وہ اپنے مقام سے ہٹے گا تو میزان میں خسارہ ہو جائے گا اس لیے اس پر یہ لازم تھا کہ وہ قسط کیساتھ وہاں اپنا متبادل رکھ کر دنیا سے جائے جس کے لیے اسے اپنے جیسے نوجوان بشر کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنا متبادل بشر کہاں سے لائے؟ تو اسی کے لیے کہا کہ قسط کیساتھ یعنی وہ تھوڑا تھوڑا کر کے اپنا متبادل بشر لیکر آئے، جس کے لیے

اللہ نے یعنی اسی وجود فطرت نے یہ نظام بنادیا کہ مرد اور عورت کے اختلاط سے ننھا سا بشر وجود میں آتا ہے جسے آہستہ آہستہ یعنی قسط قسط کیساتھ پروان چڑھا کر اس مقام پر لایا جاتا ہے کہ جس مقام پر آ کر وہ آپ کا متبادل بن سکے۔

مرد اور عورت کے اختلاط کا مقصد ہے بشر دنیا میں لانا نہ کہ مرد اور عورت کے اختلاط کا مقصد جنسی لذت ہے۔ اللہ نے یہ عظیم احسان کیا کہ اللہ نے اس میں لذت رکھ دی اگر لذت نہ رکھی ہوتی تو یہی عمل ہر بشر کے لیے بوجھ ہوتا جسے کوئی بھی نہ کرتا۔

آپ جو طرح طرح کے ثمرات کھاتے ہیں جو کہ آپ کا رزق ہے اس کا مقصد ذائقے کا حصول نہیں ہوتا یعنی آپ لذت کے لیے نہیں کھاتے بلکہ ان کے کھانے کا اصل مقصد ہے جسم کو اس کی ضروریات فراہم کرنا جو کہ انتہائی قلیل مقدار میں وہ عناصر ہوتے ہیں جن عناصر سے جسم کو خلق کیا گیا۔ جیسا کہ لوہا، تانبہ، گندھک سمیت ایسے ہی طرح طرح کے عناصر ہیں۔ یہ عناصر انتہائی قلیل مقدار میں آپ کے جسم کی ضرورت ہوتے ہیں اتنی قلیل مقدار کہ اسے پکڑنا تو دور کی بات براہ راست آنکھ سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔

اللہ نے یعنی فطرت نے انتہائی عظیم احسان کر دیا کہ ان عناصر کو طرح طرح کے رنگوں اور ذائقوں سے مزین کر دیا ان میں لذت رکھ دی تا کہ آپ اپنی مرضی اور خوشی سے نہ صرف اپنے جسم کو اس کی ضرویات فراہم کریں بلکہ اس میں آپ کے لیے لذت بھی رکھ دی۔ اب اصل مقصد لذت کا حصول نہیں بلکہ اصل مقصد تو جسم کو وہ عناصر فراہم کرنا ہے جو جسم کی ضروریات ہیں تا کہ جسم کو اس کی ضروریات فراہم کرنے سے جسم بالکل صحیح رہے اور اس جسم سے اس مقصد کو پورا کیا جا سکے جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا۔

اور اگر کوئی اس مقصد سے غافل ہے یا اسے اس مقصد کا علم ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے اس کے لیے اصل مقصد تو لذت ہو گی اور وہ لذت ہی کو اپنا اصل مقصد و مشن سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے لگا رہے گا یوں لذت فتنہ یعنی امتحان ثابت ہو جاتی ہے یعنی آپ لذت کے دھوکے کا شکار ہو کر اسے ہی اصل مقصد و مشن بنا بیٹھے اور جو اصل مقصد و مشن ہے اس کا آپ کو علم ہی نہیں آپ اس سے غافل ہو کر مجرم بن جاتے ہیں۔

بالکل ایسے ہی ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط کا اصل مقصد لذت کا حصول نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تو قسط کے ساتھ المیزان قائم رکھنے کے لیے اپنا متبادل بشر لانا ہے۔ اور اگر کوئی لذت کے پیچھے پڑتا ہے اسے ہی اصل مقصد سمجھ لیتا ہے تو وہ اس فتنے کا شکار ہو کر دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو جائے گا ہلاکت کا شکار ہو جائے گا۔

اللہ جو کہ اسی کا ہی وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یعنی فطرت، فطرت اپنے شریک یعنی اپنے علاوہ کسی بھی دوسرے وجود کو قبول نہیں کرتی اس لیے اگر کوئی بچہ دنیا میں آتا ہے اور وہ فطرتی نہیں ہے یعنی خالص اللہ کا خلق کردہ نہیں ہے تو فطرت اسے قبول نہیں کرتی، فطرت صرف اور صرف اپنے وجود یعنی فطرت کو ہی قبول کرتی ہے۔

اس لیے اللہ نے جو آپ کا رزق ہے اس کے لیے طیبات کو حلال کیا ہے۔ حلال کہتے ہیں جس کی اجازت دی گئی اور اس کی ضد حرام ہے جس کا معنی ہے جس کے کرنے یا جس کے استعمال کی اجازت نہیں دی بلکہ منع کر دیا۔

جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اس کا رزق ایک بالغ لڑکا بن جاتا ہے یعنی اس کی ضرورت ایک بالغ لڑکا ہوتا ہے اور ایسے ہی جب ایک لڑکا بالغ ہوتا ہے تو اس کا رزق یعنی اس کی ضرورت ایک بالغ لڑکی بن جاتی ہے اور اللہ نے حلال کیا ہے طیبات کو۔

طیب کہتے ہیں اس شئے کو جو فطرت کے قوانین کے تحت نہ صرف وجود میں آئی یا لائی گئی بلکہ اس کے استعمال کیے جانے تک اس میں کسی بھی قسم کی کسی دوسرے نے مداخلت نہیں کی یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد فطرتی شئے اور وہ فطرتی شئے جس کے استعمال سے استعمال کرنے والے کے نفس یعنی دماغ پر کسی قسم کا کوئی منفی اثر مرتب نہ کرے، نہ ہی اسکے جسم پر، نہ ہی خاندان، گلی، محلے، معاشرے یہاں تک کہ آسمانوں و زمین میں اس کے استعمال سے کہیں بھی منفی اثرات مرتب نہ ہوں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہو۔

اب جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اس کا رزق ایک طیب مرد ہونا چاہیے اگر دونوں طیب ہیں تو ان سے وجود میں آنے والی ان کی اولاد حلال اولاد ہو گی یعنی جس کی اجازت دی گئی بالکل اسی طرح اسے وجود میں لایا گیا اسے جنم دیا گیا اور اگر والدین طیب نہیں ہیں تو ان کے اختلاط سے وجود میں آنے والی اولاد حلال

نہیں بلکہ حرام ہوگی انہوں نے جو کیا وہ حلال نہیں بلکہ حرام کیا جسے عربی میں زنا کہا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی طیب نہیں تو وہ دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے خواہ کتنے ہی رسم ورواج کو پورا کرے، وہ دین ومذہب کے نام پر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرلے وہ اللہ کے قانون میں نکاح نہیں بلکہ زنا ہوگا اور اگر کوئی مرد وعورت دونوں طیب ہیں اور وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ جس مقصد کے لیے دنیا میں لائے گئے اس مقصد کو پورا کرتے ہوئے قسط کے ساتھ المیز ان قائم کرنے کے لیے اپنے متبادل کے طور پر مرد وعورت وجود میں لا کر انہیں اس مقام پر لائیں گے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل بن جائیں اور وہ اس کے لیے دنیا میں کسی ایک کو بھی اپنا گواہ مقرر نہیں کرتے وہ دنیا کے کسی بھی قانون کو فالو نہیں کرتے وہ کسی ایک بھی رسم کو پورا نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ کسی کو بھی اس بارے میں آگاہ نہیں کرتے تو وہ اللہ کے قانون میں حرام یعنی زنا نہیں بلکہ حلال ہوگا نکاح ہوگا۔

ایک طیب مرد اور ایک طیب عورت اگر وہ پہلے سے کسی کے نکاح میں نہیں تو وہ اس کے لیے دنیا میں کسی بھی انسان قانون یا رسم ورواج کے پابند نہیں ہیں خواہ وہ دین ومذہب کے نام پر ہو یا پھر کسی بھی نام پر۔

فطرت نے صرف اور صرف طیب ہونے کی شرط عائد کی ہے اس کے علاوہ اللہ نے کوئی شرط عائد نہیں کی۔ یہی حق اس مریم کی مثل طیب بشر نے مریم پر واضح کیا تو مریم نے فوراً اس حق کو قبول کر لیا اور مریم جو پہلے ڈر رہی تھی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ اگر اس نے بغیر مذہبی رسومات کو پورا کیے تعلق قائم کیا تو وہ اللہ کی باغی بن جائے گی اس کی حقیقت مریم پر بالکل کھل کر واضح ہوگئی اور مریم کو اطمینان ہو گیا۔

یہی وہ وجہ تھی کہ جب مریم واپس آئی اور اس کیساتھ اس کا بیٹا عیسیٰ تھا تو مریم پر زنا کا بہتان عظیم باندھا گیا کے اے مریم تُو بغیر شادی کیے ایک لڑکے کیساتھ بھاگ گئی تھی تُو نے کہیں کوئی نکاح نہیں کیا جو اس لڑکے کے ساتھ تُو نے تعلق قائم کیا تو یہ تُو نے زنا کیا تُو زانیہ ہے اور اس کا نتیجہ تیرا یہ بیٹا زنا کی پیداوار ہے۔

یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے مریم پر زنا کا بہتان عظیم لگایا گیا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک جو مذہبی رسم ورواج کو پورا نہیں کرتا اور بغیر ان رسوم کو پورا کیے جنسی تعلق قائم کرلے یا ساتھ میں رہے تو وہ زنا کہلاتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے آج ہو رہا ہے۔ کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ یہ دین ومذہب کے نام پر فضول قسم کے رسم ورواج اور قوانین اللہ کے عائد کردہ نہیں بلکہ یہ تو انسان کے تراشیدہ ہیں اور اللہ کا تو ایک ہی قانون ہے اور وہ ہے طیب ہونا اگر کوئی طیب نہیں تو وہ دنیا کے کسی بھی قانون پر پورا اترے، دین ومذہب کے نام پر اللہ سے منسوب کر کے کتنے ہی قوانین اور رسم ورواج کی پابندی کرلے وہ اللہ کے قانون میں زنا ہے۔ اور انسان اللہ کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ وہ انسانوں کی پرواہ کرتا ہے وہ انسانوں کی ملامتوں سے بچنے کے لیے، انسانوں کی باتوں سے بچنے کے لیے، انسانوں کے الزامات و بہتانات سے بچنے کے لیے ان کو اپنا الہ بنالیتا ہے اور اللہ کے الہ ہونے کا کفر کر دیتا ہے۔

مریم پر جب یہی حق واضح ہوا تو مریم نے لوگوں کی پرواہ نہ کی، مریم نے یہ نہیں سوچا کہ لوگ کیا کہیں گے، کیا تہمتیں وملامتیں کریں گے مریم نے انسانوں سے بچنے کے بارے میں نہیں سوچا، مریم نے زمانے کی سختیوں سے بچنے کے بارے میں نہیں سوچا بلکہ مریم نے اللہ کی پرواہ کی اللہ سے بچنے کو پسند کیا خواہ پوری دنیا ہی دشمن کیوں نہ بن جائے۔ مریم پر واضح ہو چکا تھا کہ ایک طرف اللہ کا قانون ہے اللہ کی چاہت ہے اور دوسری طرف اللہ کا کفر کرتے ہوئے انسانوں کی چاہت انسانوں کے قوانین، اگر انسانوں کی پرواہ کرتی ہے تو اسے ایک خبیث مرد کیساتھ شادی کرنا پڑے گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کے قانون میں حرام اولاد پیدا ہوگی اور دوسری طرف انسانوں کے قوانین وملامتوں کا کفر کرتے ہوئے اللہ کے قانون پر پورا اتروں گی تو جس مقصد کے لیے مرد وعورت کے اختلاط کا نظام وضع کیا وہ مقصد پورا ہوگا ایک طیب بچہ وجود میں آئے گا جو کہ بڑا ہو کر اس مقصد کو پورا کرے گا جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا۔

یہی وہ حق تھا جو مریم کی مثل طیب بشر نے مریم پر واضح کیا تو مریم مان گئی، اس نے کہا تھا کہ اگر ہماری اولاد ہوتی ہے تو وہ طیب اولاد ہوگی وہ پیدائشی اللہ کی بھیجی ہوئی ہوگی اور ہمیں جس مقصد کے لیے دنیا میں لایا گیا ہم وہ مقصد پورا کر کے دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہو جائیں گے ورنہ اگر ہم نے دنیا والوں کی پرواہ کی تو ہم دنیا وآخرت میں ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ تھا حق کہ جب مریم نے کہا تھا قَالَتْ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا مریم نے ایسا اس لیے کہا تھا کیوں کہ مریم بھی تب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ معاشرے میں جو نکاح کے نام پر مذہبی رسم ورواج پائے جاتے ہیں جو شرائط پائی جاتی ہیں وہ الرحمٰن کی طرف سے ہیں اور مریم نے اسی وجہ سے کہا تھا کہ وہ الرحمٰن کے وضع کردہ قانون کے خلاف تعلق قائم نہیں کرے گی اور پھر اللہ کے بھیجے ہوئے اس مریم کی مثل طیب بشر نے جواب دیا قَالَ کَذٰلِکِ کہا بالکل اسی

طرح ہوگا یعنی جیسے الرحمٰن نے کہا جیسے الرحمٰن کا قانون ہے بالکل اسی طرح ہی ہوگا الرحمٰن کے خلاف نہیں ہوگا اور پھر واضح کیا کہ الرحمٰن کا قانون کیا ہے یعنی الرحمٰن کے ہاں نکاح کیا ہے قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کہا تیرے ربّ پر یہ اور یہ اور وہ وغیرہ وغیرہ سب کا سب بالکل سادہ اور آسان ہے یعنی یہ جو نکاح کے نام پر مذہبی و معاشرتی رسم و رواج ہیں، جو بندشیں ہیں، جو مشکلات ہیں یہ سب کا سب الرحمٰن کی طرف سے نہیں ہے بلکہ الرحمٰن کے ہاں تو نکاح بالکل سادہ اور انتہائی آسان ہے جو کہ مریم پر کھول کھول کر واضح کر دیا اور جب مریم پر حق واضح ہوا تو مریم نے صرف اور صرف الرحمٰن کی ہی پرواہ کی نہ کہ الرحمٰن کے نام پر شیاطین کی۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا. مریم ۲۲

پس مریم اپنے ربّ فطرت کے بھیجے ہوئے اسی کی مثل طیب بشر سے حاملہ ہوئی پس اس کیساتھ یعنی اسی بشر کیساتھ دور سے دور جگہ چلی گئی۔

مریم اور مریم کی مثل طیب بشر جو کہ فطرت کی ہی منصوبہ بندی سے مریم سے ملا تھا پہلے تو دونوں مریم کے آبائی علاقے کے قریب ہے ایک مقام پر چھپے رہے لیکن جب یہ واضح ہو گیا کہ کسی بھی صورت حالات معمول پر نہیں آنے والے اور اگر ان کے ہاتھ چڑھ گئے تو قتل کر دیئے جائیں اور پھر مریم حاملہ بھی ہو چکی تھی تو دونوں نے فیصلہ کیا کہ مستقل طور پر یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں دور جا کر آباد ہو جاتے ہیں اور یوں مریم جو کہ حاملہ تھی اور اس کا زوج یعنی فطرت کا منتخب کردہ اس کا جوڑا جو کہ اسی کی مثل طیب تھا دونوں وہاں سے ہجرت کر کے جتنے دور سے دور جا کر آباد ہو سکتے تھے جا کر آباد ہوئے۔ دونوں نے جب ہجرت کی تو بالکل خالی ہاتھ تھے یعنی جیسے کوئی لٹ لٹا کر کہیں جا کر آباد ہوتا ہے بالکل نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرتا ہے بالکل ایسے ہی دونوں نے دور سے دور جا کر نئے سرے سے زندگی شروع کی جس کے لیے انہیں ابتداء میں بستیوں سے دور جنگل سے مماثلت رکھتے علاقے میں رہنا پڑا اور رہنے کے لیے انہوں نے کھجور کی شاخوں سے جھگی نما گھر بنایا جس کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا. مریم ۲۳

پس کیا ہوا؟ آگے اسی کا جواب ہے کہ المخاض کے آنے تک یعنی بچے کو جنم دیئے جانے کا وقت آنے تک مریم کھجور کے پتوں سے بنے جھونپڑے میں رہی، اس دوران مریم نے کافی سخت سے سخت حالات کا سامنا کیا اور پھر اوپر سے بچے کو جنم دینے کا وقت بھی آ چکا تھا۔ وہ عورتیں جن کی اولاد ہے وہ جانتی ہیں کہ جب پہلے بچے کا جنم ہوتا ہے تو نہ صرف باقی بچوں کو جنم دینے کی نسبت درد بہت زیادہ ہوتا ہے بلکہ وقت بھی زیادہ لگتا ہے اور زیادہ تر عورتیں بالخصوص ایسی عورت جن کے پاس کوئی تجربہ رکھنے والی عورت یا کوئی ایسا نہ ہو جو اسے تسلی دینے والا ہو عورت گھبرا جاتی ہے اور یہی سمجھتی ہے کہ بس ابھی اسے موت آئی اب وہ نہیں بچنے والی۔ اور پھر یہ ایسا وقت ہوتا ہے اگر کوئی عورت اللہ سے بچنے والی ہو تو ایسی صورت میں اس کے دل و دماغ میں اس کے ماضی کے غلطیاں یا جنہیں وہ گناہ سمجھتی ہے جو اس سے ماضی میں سرزد ہوئے ہوتے ہیں وہ یاد آتے ہیں اور وہ سمجھتی ہے کہ اس وقت جس حالت سے وہ دوچار ہے یہ ضرور اس کے کسی گناہ ہی کی سزا ہے جو اسے مل رہی ہے۔

پہلی بار جب کوئی عورت بچے کو جنم دیتی ہے تو چوبیس گھنٹے تک کا وقت بھی لگ جاتا ہے درد کو برداشت کرنے میں اور ایسی درد کہ اس وقت عورت چاہتی ہے کہ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اسے موت آ چکی ہوتی اور یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مریم بھی اسی سے دوچار تھی جس کا ذکر اللہ نے یوں کیا قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا مریم اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی اور غم کرنے لگی کہ اس نے جو کیا وہ نہیں کرنا چاہیے تھا یعنی درد کی شدت کی وجہ سے مریم یہی سمجھ رہی تھی کہ اس سے گناہ سرزد ہوا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیے تھا اب اسے اسی کی سزا مل رہی ہے اور ایسی سوچ آتی بھی کیوں نہ کیونکہ نہ تو مریم کو اس بارے میں پہلے کوئی علم تھا کہ بچے کو جنم دینے میں کس قدر تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی مریم کے زوج مریم کی مثل بشر کو علم تھا اس لیے مریم تو اس وقت یہی سمجھ رہی تھی کہ اس سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ اسی کی سزا اسے مل رہی ہے اور یہی کہہ رہی تھی کہ اس سے بہتر تھا کہ اس سے پہلے ہی مجھے موت آ جاتی یعنی درد اس قدر شدید تھا کہ اسے برداشت کرنا انتہائی مشکل تھا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا. مریم ۲۴

پس مریم کی مثل بشر نے مریم کو پکارا جن مراحل سے وہ گزر رہی تھی کہ نہ غم کر تحقیق کر دیا تیرے ربّ نے تیرے نیچے سے پانی۔ یعنی درد کی شدت کی وجہ سے مریم رو اور کراہ رہی تھی دونوں اکیلے تھے کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو انہیں تسلی ہی دینے والا ہوتا۔ مریم کے زور لگانے اور درد کی وجہ سے بار بار ایسا لگتا کہ مریم گویا کہ مرنے ہی والی ہے اور ایسی صورت میں مریم کا زوج اسے بلند آوازوں میں پکارتا اور تسلیاں دینے کی کوشش کرتا اور بہرحال بچے کو جنم دینے کا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

دوران جنم کے مراحل درد کی شدت کی وجہ سے مریم غم کر رہی تھی لیکن جب بچے کا جنم ہو گیا تو درد فوری غائب ہو گیا جس سے مریم کو اطمینان ہو گیا کہ اس سے کوئی جرم نہیں ہوا تھا جو اس کو اس کی سزا مل رہی تھی بلکہ بچے کا جنم ہوتا ہی ایسے ہے اس کے بعد مریم اپنے بچے عیسیٰ کیساتھ مصروف ہو گئی اس کی پرورش و تربیت میں لگ گئی یہاں تک کہ انیس سال کی مدت تک وہیں رہی جس کا درج ذیل آیات میں ذکر ہے۔

وَهُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا۔ فَکُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا۔ مریم ۲۵، ۲۶

ان آیات میں مریم کے ربّ کی طرف سے مریم کو کہا گیا لیکن اس کا مطلب ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ربّ نے بالکل ایسے ہی مریم سے کہا جیسے کہ کوئی دو بشر آپس میں بات کرتے ہیں بلکہ مریم تو بہت مشکل سے وہاں اپنا وقت گزار رہی تھی کیوں کہ ایک تو اکیلا پن سوائے اپنے بچے اور زوج کے کوئی اور نہیں اور دوسرا کھجور کے درخت اور پانی کا چشمہ ہی بنیادی رزق تھا اور مریم تو یہی سمجھ رہی تھی کہ اسے زندگی بھر یہیں اسی حالت میں رہنا پڑے گا لیکن حالات و واقعات یہ واضح کر رہے تھے کہ زندگی بھر نہیں بلکہ ایک مخصوص مدت تک یہیں رہنا پڑے گا اس لیے جیسے کیسے وہ مدت گزاری جائے یوں مریم اسی امید پر وقت گزارتی کہ ایک دن وہ ان حالات سے نکل جائے گی اور زندگی میں آسانی آجائے گی۔

یہ تھا مریم کے ربّ کی طرف سے مریم کو ان آیات میں کہا گیا اور مزید یہ کہا گیا کہ کوئی بشر اگر نظر آئے تو اسے یہی کہے کہ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا اس میں کچھ شک نہیں میں نے نذر کیا ہوا ہے الرحمٰن کے لیے رکنا پس اس مدت کوئی بات نہیں کرنی گویا کہ سب کچھ بھول چکی ہو یعنی جتنی مدت وہاں ٹھہرنا ہے اس مدت کے دوران اگر کوئی بھی بشر وہاں آتا ہے کسی کیساتھ سامنا ہوتا ہے تو اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتانا بالکل ایسے رہنا ہے گویا کہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی مکمل طور پر بھولی ہوئی ہے بس اپنے کام سے کام رکھنا ہے اور تیرا کام تیرا مقصد یہ ہے کہ تُو الرحمٰن کو خاص مقصد کے لیے دی گئی ہوئی ہے یعنی جو مریم کی ماں نے مریم کے جنم سے پہلے اپنے ربّ سے وعدہ کیا تھا کہ جو میرے پیٹ میں ہے میں اسے تیرے لیے نذر کرتی ہوں اس لیے اے مریم تُو الرحمٰن کے لیے نذر کی گئی ہوئی ہے اور جس مقصد کے لیے تیری ماں نے تجھے الرحمٰن کے لیے نظر کیا ابھی تُو جن مراحل سے گزر رہی ہے یہ وہی مقصد ہے جو تُو پورا کر رہی ہے جس مقصد کے لیے تُو تیرے ربّ کے لیے نذر کی گئی۔

یوں مریم اپنے بیٹے عیسیٰ کو جنم دینے کے بعد انیس سال کی مدت جسے الیوم کہا گیا مخصوص مدت وہیں رہی اور پھر اس کے بعد جب مریم کے زوج اور عیسیٰ کے والد کی وفات ہو گئی تو مریم اکیلی پڑ گئی اب مریم کے پاس صرف اور صرف ایک ہی رستہ بچا تھا کہ وہ واپس اپنے آباؤاجداد کے علاقے میں اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جائے، کافی سال گزر جانے کے بعد اب حالات بدل چکے ہوں گے اس لیے اب واپسی میں ان حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جن کی ماضی میں توقع تھی اور پھر بالآخر مریم اپنے بیٹے کیساتھ واپس اسی علاقے میں آ گئی اور پھر جو ہوا اس کا درج ذیل آیات میں ذکر کر دیا گیا۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ مریم ۲۷

پس آ گئی اس کیساتھ یعنی اپنے بیٹے عیسیٰ کیساتھ جو اس کی قوم تھی اسے یعنی اپنے بیٹے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے، اس کی قوم نے کہا اے مریم تحقیق کے یعنی یہ بات طے شدہ ہے یہ بات تو قانون میں ہے تُو لائی ہے ایک فریا شیئے۔ فریا کہتے ہیں عجیب، حیران کن، غیر متوقع، قابل ذکر یعنی جس کے بارے میں چہ مگویاں کی جائیں، غیر معمولی، حیرت انگیز، پریشان کن اور مضحکہ خیز وغیرہ۔

یعنی مریم جب اپنے بیٹے عیسیٰ کیساتھ واپس اپنے آباؤاجداد کے علاقے میں آ کر آباد ہوئی تو جب بھی موقع ملتا تو لوگ مریم سے اسی بارے میں بات کرتے، کچھ لوگ مذاق اڑاتے، حقارت کی نگاہ سے دیکھتے، آپس میں چہ مگویاں کرتے جیسا کہ اگر معاشرے میں کوئی ایسا قدم اٹھائے جو بالکل غیر متوقع ہو تو لوگ کرتے

ہیں بالکل ایسا ہی کیا جانے لگا اور کچھ لوگ مریم سے بحث کرتے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا تمہارا بچہ زنا کی پیداوار ہے، دین اس کی اجازت نہیں دیتا جو تم نے کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یعنی تصور کریں کہ جیسے آج اگر کوئی لڑکی معاشرے میں رائج رسم ورواج اور مذہب کے نام پر قوانین و پابندیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتی ہے تو معاشرے میں اسے کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں کیا چہ مگویاں کی جاتی ہیں؟ بالکل ایسا ہی معاشرہ اس وقت موجود تھا اور بالکل ایسے ہی حالات و واقعات کا مریم کو سامنا کرنا پڑا۔

یٰٓاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَاكَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا. مریم ۲۸

ان میں سے کچھ لوگوں نے مریم کو کہا کہ اے مریم نہ تو تیرے ابو نے ایسا کوئی برا کام کیا اور نہ ہی تیری ماں باغی یعنی بدکردار اور بدچلن تھی اور جب قرآن میں اللہ نے اس واقعہ کی تاریخ اتاری تو اللہ نے ''یا اخت ھارون'' کے الفاظ استعمال کیے۔ ھارون نام کا کوئی بشر مریم کا سگا بھائی نہیں تھا بلکہ یہ ھارون وہی ہیں جو موسیٰ کیساتھ تھے جو کہ موسیٰ کے بھائی نہیں تھے اس کے باوجود انہوں نے موسیٰ کا مکمل ساتھ دیا تو جو کردار موسیٰ کے وقت ہارون نے ادا کیا تھا ویسا ہی کردار مریم نے عیسیٰ کی بعثت میں ادا کیا جس وجہ سے مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا۔

یعنی مریم سے جب بھی لوگ بحث کرتے مریم نے جو اقدام اٹھایا تھا اس بارے میں بات کرتے تو ان میں سے وہ لوگ جو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ان کی طرف سے مریم کو یہی کہا جاتا کہ اے مریم تُو نے یہ بہت برا کام کیا یعنی تُو نے زنا کیا ہے تیرے ماں باپ تو ہرگز ایسے نہیں تھے بلکہ وہ تو بہت مذہبی اور تقویٰ والے تھے لیکن ان کے برعکس تُو یہ کیسی نکلی۔ اپنی طرف سے وہ یہی کہنا چاہتے کہ اے مریم تیرے ماں باپ تو بہت مذہبی تھے دینی تھے وہ تو بہت متقی تھے اور ان کی اولاد ایسی کیسے ہوسکتی ہے جیسی تُو ہے جو تُو نے کیا ہے تو ان کے جواب میں مریم ان پر حق واضح کرتی کہ جسے آپ لوگ نکاح سمجھتے ہیں وہ حق نہیں ہے نکاح کا مقصد ایسی اولاد دنیا میں لانا ہے جو آگے چل کر اس مقصد کو پورا کرے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا اور اس کے لیے اللہ نے ایسی کوئی شرائط عائد نہیں کیں ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جن شرائط وقوانین کو آپ لوگ اللہ سے منسوب کر کے ان میں قید ہیں اور اگر کوئی ان کے خلاف کرے تو اس پر فتوے لگاتے ہیں۔ اللہ نے تو ایک ہی شرط عائد کی اور وہ ہے طیب، اگر لڑکا اور لڑکی طیب ہیں تو ان سے وجود میں آنے والی اولاد حلال اولاد ہوگی اور اگر لڑکا اور لڑکی طیب نہیں بلکہ خبیث ہیں تو خواہ لاکھ خود ساختہ قوانین ورسم ورواج کو پورا کرلیں ان سے وجود میں آنے والی اولاد حلال نہیں بلکہ حرام ہو گی۔

حلال کہتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت دی اور حرام کہتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی بلکہ اس سے روک دیا تو دیکھیں اور غور کریں کیا آپ کی اولاد حلال ہے یا پھر میری؟ نکاح کا مقصد جنسی لذت کا حصول نہیں ہے بلکہ نکاح کا مقصد ہے کہ جس مقصد کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے نائب کے طور پر اپنا متبادل دنیا میں لانا تا کہ جب آپ دنیا سے جائیں یا آپ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل نہ رہیں تو آپ کی اولاد اس ذمہ داری کو سنبھال لے اور اس مقصد کے لیے اللہ نے طیب ہونا شرط عائد کی ہے۔ اللہ طیب ہے اس لیے اللہ نے طیب رزق کا حکم دیا جب ایک لڑکی بالغ ہوتی ہے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے جو شرط عائد کی ہے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کا نکاح طیب مرد سے ہو، دونوں طیب ہوں اس کے علاوہ اللہ نے کوئی بھی شرط عائد نہیں کی اب اگر طیب مرد اور طیب عورت سے اولاد وجود میں آتی ہے تو وہ اولاد اللہ کی بھیجی ہوئی ہوگی جو کہ احسن ہوگی اور وہ پروان چڑھ کے اس مقصد کو بخوبی پورا کرنے والی ہوگی جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے دنیا میں لایا گیا۔

نکاح اسے نہیں کہتے جسے آپ لوگ نکاح سمجھتے، کہتے اور کرتے ہو، آپ لوگ اللہ کی پرواہ کرنے کی بجائے اللہ سے بچنے کی بجائے انسانوں کو اللہ کا شریک مقرر کرتے ہوئے ان سے بچتے ہوا انسانوں کی پرواہ کرتے ہوئے اللہ سے منسوب کردہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور رسم ورواج کو پورا کر کے سمجھتے ہو کہ تم لوگوں نے بہت بڑا معرکہ مارلیا، جان لو یہ انسانوں کی نظروں میں تو حلال ہوسکتا ہے لیکن اللہ کے ہاں یہ حلال نہیں بلکہ حرام ہے نہ ہی اللہ نے اس کی اجازت دی اور نہ ہی اللہ نے اس طرح سے اولاد وجود میں لانے کی اجازت دی تو جس کی اللہ نے اجازت ہی نہیں دی یعنی حرام قرار دیا تو اس کے باوجود اگر یہ کیا جائے گا تو ایسا کرنا اور ایسی اولاد دونوں حرام ہوں گے وہ کبھی بھی اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہی انہیں دنیا میں لایا گیا بلکہ وہ

الٹا تمہاری ہی مثل اللہ کیساتھ شرک کریں گے۔

اور اسی فرق کو واضح کرنے کے لیے مریم اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرتی کہ وہ ان لوگوں سے دین پر بات کرے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

فَاَشَارَتۡ اِلَیۡهِ ۖ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا. مریم ۲۹

اس آیت میں دو الفاظ کو جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ آج تک ان میں سے ایک لفظ کا خود ساختہ ترجمہ کر کے نہ صرف آج تک دھوکہ دیا جاتا رہا بلکہ دوسرے لفظ کو توسرے سے غائب ہی کر دیا گیا۔ ان میں پہلا لفظ ہے ''الۡمَهۡدِ'' اور دوسرا لفظ ہے ''صَبِيًّا''

المھد جس کا ترجمہ ماں کی گود کیا جاتا ہے یہ بالکل بے بنیاد و باطل ترجمہ و معنی ہے، مھد کہتے ہیں مکمل طور پر کسی پر انحصار کرنا کسی کا ڈپینڈنٹ ہونا جیسے کہ بچے جب تک والدین کے محتاج ہوتے ہیں ان پر انحصار کرتے ہیں تو انہیں المھد میں کہا جاتا ہے اور دوسرا لفظ ''صبیاً'' کے معنی ہیں نوجوان، جسے انگلش میں یوتھ کہتے ہیں یعنی جو عموماً تقریباً بیس سے پچیس سال کے نیچے کی عمر ہوتی ہے جب تک کوئی لڑکا اپنے والدین کا محتاج ہوتا ہے اس کے فیصلے اس کے والدین کرتے ہیں وہ اپنے والدین پر انحصار کرتا ہے۔

اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ عیسیٰ دودھ پیتا بچہ تھا جب اس کی ماں نے اسے ان لوگوں سے کلام کرنے کا کہا بلکہ اللہ نے تو بالکل واضح الفاظ میں اسے نوجوان قرار دیا لیکن آج تک اللہ کے دشمنوں نے اکثریت کو اپنے دجل و دھوکے کا شکار کیے رکھا۔

آج تک ان لوگوں نے المھد کا ترجمہ و معنی ماں کی گود یا پالنا کیا اور اگلے لفظ ''صبیاً'' کو مکمل طور پر چھپا دیا اس کا نہ تو کوئی ترجمہ کیا گیا نہ ہی کوئی معنی کیا گیا گویا کہ یہ لفظ اللہ کی غلطی کی وجہ سے قرآن میں استعمال ہو گیا اور بعد میں جب اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ان مجرمین شیاطین اپنے شریکوں کو وحی کی کہ دیکھو اس لفظ کو چھپا دینا کیونکہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔

اب اگر ان لوگوں کی اس بات کو مان لیا جائے کہ عیسیٰ اس وقت ماں کی گود میں یا پالنے میں تھا ابھی اس کی پیدائش کو ایک آدھ دن ہی گزرا تھا تو اس کا مطلب کہ زکریا کے بیٹے یحییٰ کو جب اللہ نے الکتاب والحکمہ دی اور اسے الکتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تو تب یحییٰ بھی ماں کی گود میں تھا کیونکہ یہی لفظ ''صبیاً'' قرآن میں ایک دوسرے مقام پر بھی استعمال کیا گیا جو کہ درج ذیل آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ‌ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا. مریم ۱۲

اللہ نے اس وقت یحییٰ سے کلام کرتے ہوئے یحییٰ کو کہا جب یحییٰ نہ صرف ایک نوجوان تھا بھرپور جوان تھا بلکہ لوگوں پر حق واضح کرنے کی پاداش میں اسے لوگوں، ملاؤں اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے مخالفت و دشمنی کا سامنا تھا اور اس عمر کے لیے اللہ نے اس آیت میں وہی لفظ استعمال کیا جو عیسیٰ ابن مریم کے لیے استعمال کیا۔

اب اگر تو عیسیٰ ابن مریم اس وقت ماں کی گود میں تھا پالنے میں تھا تو اس کا مطلب کہ جب اللہ نے یحییٰ کو الکتاب اور الحکمہ دی اور الکتاب کو پوری قوت کے ساتھ پکڑنے کا کہا تو یحییٰ بھی اس وقت ماں کی گود میں پالنے میں تھا اور اگر ایسا نہیں بلکہ تب یحییٰ نوجوان تھا تو پھر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ تب عیسیٰ ابن مریم بھی ماں کی گود یا پالنے وغیرہ میں نہیں تھا بلکہ ایک نوجوان تھا اور آج تک مجرمین شیاطین نے جو دین کے ٹھیکیدار بنے رہے اپنے مشرک آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے حق کو چھپاتے رہے۔

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ پس مریم اپنے بیٹے عیسیٰ کی طرف اشارہ کرتی کہ ان لوگوں سے بات کرو تو ان لوگوں کا آگے سے جواب ہوتا قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا آگے سے جواب دے رہے ہیں کہ ہم کس طرح اس نوجوان لڑکے سے بات کریں جو کہ ابھی المھد میں ہے یعنی اپنی ماں کا محتاج ہے جو اپنے بھلے برے کا شعور نہیں رکھتا، جو اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتا وہ ہمیں دین سکھائے گا؟

یعنی مریم یہی کہتی کہ اپنی اولادوں کو بھی دیکھو اور میری اولاد کو بھی دیکھو ذرا میرے بیٹے کیساتھ کوئی بات کر کے دیکھو تب تمہیں اس بات کا اندازہ ہو گا جو میں کہہ رہی ہوں تو ان لوگوں کا آگے سے یہی جواب ہوتا کہ ہم اس لڑکے سے کیسے بات کریں جو کہ اپنے بھلے برے کا بھی شعور نہیں رکھتا جو کہ اپنی ماں کا محتاج ہے اپنی ماں پر ہی انحصار کر رہا ہے بات تو اس سے کی جاتی ہے جو نہ صرف بڑی عمر والا ہو بلکہ اس کے پاس علم و تجربہ بھی ہو تو یہ کل کا لونڈا جو اپنے بھلے برے کا بھی شعور

نہیں رکھتا یہ ہمیں دین سکھائے گا؟ اور اپنے منہ سے جھاگ نکالنا شروع کر دیتے، عیسیٰ جو کہ اس وقت انیس سال کا نوجوان تھا اس کیساتھ دین پر بات کرنا اپنی توہین سمجھتے کہ یہ کل کا لونڈا ہم سے دین پر بات کرے گا ایسا نہیں ہوسکتا۔

جیسا کہ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ لوگ جو خود کو بڑے عالم و عاقل سمجھتے ہیں اگر کوئی نوجوان ان کے سامنے آئے ان کے سامنے کوئی سوال اٹھائے یا بحث کرنے کی کوشش کرے تو آگے سے اس پر چڑھ دوڑتے ہیں اسے طرح طرح کی باتیں سناتے ہیں کہ تُو کل کا لونڈا آیا ہمیں دین سکھانے یا ہم سے بات کرنے اور پھر اپنی توہین سمجھتے ہیں بالکل یہی حال اس وقت کے ایسے لوگوں کا تھا جو خود کو دین کے ٹھیکیدار اور عالم و عاقل سمجھتے تھے۔

لیکن جب مریم کا بیٹا عیسیٰ کسی بھی موضوع پر بات کرتا تو ان لوگوں کی زبانیں گویا کہ کٹ ہی گئی ہیں وہ عیسیٰ کے کسی بھی سوال کا نہ تو جواب دے پاتے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسا سوال ہوتا کہ جس سے وہ عیسیٰ کو لاجواب کرسکیں۔

یوں عیسیٰ کا کردار یہ بات بالکل کھول کھول کر واضح کر دیتا کہ عیسیٰ الرسول ہے یعنی اس کی زبان پر اللہ بول رہا ہے کیونکہ ایسا کیسے ممکن ہے ایک نوجوان جس نے کسی سکول، کالج، مدرسے و استاد وغیرہ سے کچھ نہیں سیکھا اور وہ علم و حکمہ میں اس قدر ماہر ہے کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ عیسیٰ اپنے اعمال و کردار سے کہہ رہا تھا کہ

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا. مریم ۳۰

کہا اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کا عبد یعنی غلام ہوں، کیا ہے جو دیا گیا مجھے؟ الکتاب تھی جو مجھے دی گئی اور کر دیا مجھے ایک نبی۔

وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا. مریم ۳۱

اور کر دیا مجھے برکات والا جہاں بھی میں ہوں وہاں برکاۃ ہوں گی اور وصیت کی گئی مجھے الصلاۃ سے اور الزکاۃ سے جب تک میں لوگوں میں زندہ موجود ہوں۔

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا. مریم ۳۲

اور جو مجھے جنم دینے والی ہے اس کیساتھ ایسا ہی سلوک کرنے والا جیسا سلوک کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور نہیں کیا مجھے رائی برابر بھی جبر کرنے والا رائی برابر بھی شقیا یعنی ایسا رویہ اختیار کرنے والا کہ جس سے کسی کو تکلیف ہو، کسی کے ساتھ زیادتی ہو، برا سلوک کرنے والا، بدمعاش وغیرہ

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا. مریم ۳۳

اور سلام ہو مجھ پر تولید کیا گیا میں جس یوم اور میری موت کے یوم پر اور زندہ اُٹھائے جانے کے یوم پر۔

درج ذیل آیات جو کہ ابھی پیچھے گزری ہیں۔

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا. مریم ۳۰

وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا. مریم ۳۱

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا. مریم ۳۲

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا. مریم ۳۳

یہ آیات ایسا نہیں کہ اس وقت عیسیٰ نے دیکھتے ہی دیکھتے عربوں کی زبان میں چند ہی لمحوں میں یہ سب اپنی زبان سے کہہ دیا بلکہ عیسیٰ نے جب دعوت دینا شروع کی لوگوں کیساتھ بات کرنا شروع کی تب سے لیکر عیسیٰ کی موت تک کی تاریخ ہے جو اللہ نے ان چند آیات میں بیان کی۔

عیسیٰ کا یہ سب کہنا زبان سے نہیں بلکہ اس کی موت ہونے تک کے جو اعمال ہیں جو اس کا کردار تھا اس کو اللہ نے آج سے چودہ صدیاں قبل ان چند آیات کی صورت میں اتارا تھا جنہیں آج اللہ آپ پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

جب عیسیٰ لوگوں کو دعوت دیتا تو عیسیٰ کو سب سے بڑے اسی بہتان کا سامنا کرنا پڑتا کہ اس کی والدہ کو زانیہ کہا جاتا اور عیسیٰ کو ابھارا جاتا کہ بڑا دین دار بنتا ہے پہلے اپنی ماں کو تو رجم کر اس نے زنا کیا تھا اور تُو اسی زنا ہی کی پیداوار ہے یعنی اس وقت کے ملّاں جو کہ دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے جب ان کے پاس عیسیٰ کے کسی سوال کا جواب نہ ہوتا جب وہ عیسیٰ کے سامنے ذلیل و رسوا ہوتے تو وہ ذاتیات پر اتر آتے اور عیسیٰ اور اس کی والدہ پر الزامات و بہتانات باندھتے جیسا کہ

بالکل اسی طرح آج یہ ملّاں کرتے ہیں۔

بہر حال ان آیات میں عیسیٰ کی اپنی قوم کو دعوت کی ابتداء سے لیکر عیسیٰ کی موت تک کی تاریخ ہے جسے قرآن سے، ہی ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ. آل عمران ۴۸

اور اس نے یعنی عیسیٰ ابن مریم نے سیکھی الکتاب اور الحکم یعنی علم کا استعمال اور التورائت اور الانجیل۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. آل عمران ۴۹

یہ وہ آیت ہے جس آیت کے تراجم وتفاسیر کو بنیاد بناتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مٹی سے پرندے کی مورت بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا، مادرزاد اندھے کو اور کوڑھ یعنی جذام کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتے، مردوں کو زندہ کر دیتے یعنی جو قبروں کے نام پر گڑھوں میں مدفون ہیں انہیں دوبارہ پہلے جیسا جیتا جاگتا کر دیتے اور پھر بتا دیتے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو یعنی دال کھائی ہے، گوشت یا کیا کھایا ہے بتا دیتے اور کیا گھروں میں ذخیرہ کیا ہوا ہے وہ بھی بتا دیتے یوں کہا جاتا ہے کہ دیکھو عیسیٰ ابن مریم کے پاس معجزات تھے۔

اور یہیں سے پھر دلیل اخذ کی جاتی ہے کہ اللہ اپنے رسولوں کو معجزات کیساتھ بھیجتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے یا پھر حقیقت اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے؟ حقیقت کیا ہے اسے ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آیت ہے اور آیت کے معنی ہیں اصل حقیقت جو کہ مکمل وجود ہے مکمل بات کو چھپا دیا گیا اور اس کا تھوڑا سا پہلو چھوٹا سا حصہ سامنے رکھا گیا جسے آیت کہتے ہیں جب تک آیت میں غور نہیں کیا جائے گا یعنی اس کے پیچھے پڑ کر اس کی آخری حد تک گہرائی میں نہیں جایا جائے گا تب تک حقیقت کیا ہے وہ کھل کر سامنے نہیں آئے گی۔

اب جب کہ ہر کسی کو علم ہے کہ یہ آیت ہے تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ جو سامنے نظر آ رہا ہے وہی کھلم کھلا حقیقت ہو؟ ایسا ممکن ہی نہیں بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جو کہ اس وقت تک سامنے نہیں آئے گی جب تک کہ اس کی آخری حد تک گہرائی میں نہیں جایا جاتا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی جو تراجم وتفاسیر کی بنیاد پر دعوے کیے جاتے ہیں جیسا کہ انتہائی مختصر معنی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور ایک رسول تھا بنی اسرائیل کی طرف جسے تب بعث کیا گیا جب کہ وہ اس سے پہلے ضلالٍ مبینٍ میں تھے یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس نے کہا اس میں کچھ شک نہیں میں تم میں تمہی سے آیا ہوں آیات کیساتھ تمہارے ربّ سے اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ اس میں کچھ شک نہیں کیا کر رہا ہوں؟ خلق کر رہا ہوں تم کو طین سے جیسے کہ مخصوص فضا میں اڑنے والا پس اس میں نفخ کیا جا رہا ہے پس ہو رہا ہے فضا میں اڑنے والا اللہ کے اذن کیساتھ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ اور بری کر رہا ہوں یعنی دور کر رہا ہوں پیدائشی اندھا پن اور کوڑھ کے امراض وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ اور مخصوص موت کو حیی کرتا ہوں اللہ کے اذن سے وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ اور تمہیں وہ علم دے رہا ہوں جو علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اس سے جو تم بطور رزق استعمال کر رہے ہو وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ اور اس کے بارے میں بھی وہ علم دے رہا ہوں جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جو تم بطور رزق یعنی ضروریات کے نام پر گھروں میں رکھے ہوئے ہو اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اس میں کچھ شک نہیں اس میں اللہ کی آیت ہے لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تمہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دماغ دیا، اور جو کانوں سے سنا نہیں جا سکتا جو آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور دماغ سے سمجھا نہیں جا سکتا اسے سننے

دیکھنے اور سمجھنے کے لیے تمہارے قلوب میں یہ صلاحیتیں رکھ دیں اگر تم ہو اللہ کی اس دعوت کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے والے۔ عیسیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ میں مٹی سے مورت بناتا ہوں کیونکہ مٹی کو تو عربی میں تراب کہا جاتا ہے لیکن آیت میں ''طین'' کا ذکر کیا گیا۔ پھر جو تراجم و تفاسیر میں کہا جاتا ہے کہ پیدائشی آنکھوں سے اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو بینائی آجاتی، کوڑھ کے مریضوں کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تو چھومنتر کر کے بیماری غائب ہو جاتی تو ایسا بھی آیت میں کہیں نہیں کہا گیا۔ پھر تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا گیا کہ مردوں کو یعنی جو قبروں کے نام پر گڑھوں میں مدفون ہیں انہیں گڑھوں سے نکال کر زندہ کر دیتے تھے اللہ کے اذن سے تو ایسا بھی آیت میں کہیں نہیں کہا گیا بلکہ آیت میں تو اُحْیِ الْمَوْتٰی کے الفاظ ہیں اور پھر انہیں تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ لوگ جو کھا کر آتے تھے وہ بتا دیتے تھے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور گھروں میں کیا رکھا ہوا ہے ایسا بھی آیت میں کہیں نہیں کہا گیا بلکہ آیت میں تو وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ کے الفاظ آئے ہیں اُنَبِّئُکُمْ نبا سے ہے جس کے معنی ہیں شئے کے بارے میں وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جب اللہ وہ علم انسان کو دیتا ہے تو نبا کہلاتا ہے۔ اور ویسے بھی اس میں اللہ کی کیا حکمت ہے کہ کوئی کچھ کھا کر آئے تو اسے بتا دینا کہ بھائی تم فلاں شئے کھا کر آئے ہو اور تم نے گھر میں فلاں شئے رکھی ہوئی ہے کیا اسے نہیں علم کہ وہ دال یا گوشت ہی کھا کر آیا ہے؟ کیا اسے نہیں علم کے اس نے گھر میں کتنی گندم اور کتنی دالیں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں؟ جب اسے علم ہے تو پھر اس میں نبا والی کون سی بات ہے؟

پھر اس کے علاوہ آج اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا کہ اللہ نے جو اتارا تھا وہ متشابہاً ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ کے سامنے ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ ۔ الزمر ۲۳

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ اللہ نے جو اتارا تھا وہ اپنے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک کی ایسی بہترین تاریخ ہے کہ اس سے بہتر کوئی تاریخ ہو ہی نہیں سکتی کِتٰبًا ایک ہی کتاب ہے، مُّتَشَابِھًا ایسی ہے کہ وہ ہے تو سب کے سامنے ہر کوئی اسے دیکھ پڑھ اور سن رہا ہے لیکن اس کا علم سو فیصد چھپا دیا گیا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت کیا ہے حقیقت کا علم صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے مَّثَانِیَ مثانی ہے یعنی ایسی ہے جیسے ایک کے بعد دو، دو کے بعد تین، تین کے بعد چار وغیرہ، اس میں ہر لفظ کا اگلے لفظ کے ساتھ ایسے ہی ربط ہے جیسے مشین کے پرزوں میں ربط ہوتا ہے یا جسم میں ہر عضو دوسرے سے مربوط و مشروط ہوتا ہے ایسے ہی اس میں آیات کا آپس میں گہرا ربط اور تسلسل قائم ہے۔

اللہ نے جو اتارا تھا کون نہیں جانتا کہ وہ یہ قرآن ہے اور پھر آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ قرآن متشابہاً ہے یعنی یہ سامنے تو سب کے ہے ہر کوئی اسے دیکھ، پڑھ اور سن رہا ہے لیکن اس کا علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اللہ نے اس کا علم سو فیصد چھپا دیا اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے اسی قرآن میں کہا

لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ۔ القیامۃ ۱۶

نہ حرکت دے اپنی زبان کو اس کیساتھ یعنی یہ جو تُو قرآن کو سمجھنے کے نام پر اپنی زبان کو حرکت دیتا ہے اس قرآن کیساتھ یہ جو تُو قرآن پڑھتا ہے اسے پڑھنا سیکھتا ہے تو تجھے اپنی زبان تک کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ہے تُو بالکل ایسا مت کر لِتَعْجَلَ بِہٖ عجلت یعنی جلد بازی کرنے کے لیے اس کیساتھ مطلب یہ کہ قرآن کیساتھ اپنی زبان کو حرکت وہی لوگ دیتے ہیں جو عجلت پسند ہیں

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ۔ القیامۃ ۱۷

اس میں کچھ شک نہیں ہم پر ہے اس کا جمع کرنا یعنی ترتیب میں لانا کہ کب کون سی آیت آتی ہے اور کون سی نہیں اور اس کا قرا کرنا بھی ہم پر ہے کہ کیسے قرا کرنا ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۔ القیامۃ ۱۸

پس جب ہم اسے قرا کریں یعنی تم میں تمہی سے ایک بشر کے ذریعے تم پر کھول کھول کر واضح کریں کہ کیسے اسے قرا کیا جاتا ہے تو پس کیا کرنا ہے؟ اس کی اتباع میں قرا کرنا ہے اسے یعنی ویسے ہی تم نے بھی قرا کرنا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ۔ القیامۃ ۱۹

پھر اس میں کچھ شک نہیں ہم پر ہے اس کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرنا۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ. القیامة ۲۰

ہرگز نہیں بالکل نہیں کسی بھی لحاظ سے کسی بھی پہلو سے کھول کھول کر واضح کریں گے بلکہ ان پر بالکل نہیں کھول کر واضح کریں گے جو حب کر رہے ہیں العاجلہ سے یعنی جو قریب ہے جو جلد حاصل ہونے والا ہے جو کہ دنیا ہے دنیاوی زندگی ہے دنیاوی مال ومتاع ہے اس کی طرف کھینچے چلے جارہے ہیں۔

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ. القیامة ۲۱

اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

اب آپ سے ہی سوال ہے ذرا غور کریں کہ اللہ نے کیا کہا؟ اگر تراجم وتفاسیر حق ہیں تو پھر اللہ نے کسے بیّن کرنے یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرنے کا ذمہ لیا؟ اور کھول کر واضح بھی ان پر ہی کیا جائے گا جو دنیا کی بجائے آخرت کی طرف کھینچے چلے جانے والے ہیں۔

اللہ کہہ رہا ہے کہ قرآن متشابہاً ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے متشابہ کہتے ہیں اس شئے کو جو ہو تو بالکل سامنے آپ کو اپنی آنکھوں سے نظر آرہی ہو لیکن اس کے بارے میں علم چھپا دیا گیا ہو اور اللہ خود اسی قرآن میں کہہ رہا ہے کہ اس نے جو اتارا تھا وہ متشابہاً ہے یعنی وہ سامنے تو سب کے ہے لیکن اس کے بارے میں علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اللہ نے اس کے بارے میں علم مکمل طور پر چھپا دیا اور پھر اللہ نے سختی کیساتھ اس قرآن کو سمجھنے یا کسی بھی غرض سے پڑھنے سے منع کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس قرآن کو وہی پڑھتے ہیں جو دنیا پرست ہیں اور اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جو دنیا پرست ہیں جو دنیاوی مال ومتاع دنیاوی زندگی کے طلب گار ہیں ان پر تو کسی بھی صورت قرآن کھول کر واضح نہیں کیا جائے گا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اب جب اللہ نے یہ کہا تو پھر دیکھیں کیا تراجم متشابہاً ثابت ہوتے ہیں؟ کوئی ایک بھی ترجمہ وتفسیر ایسی نہیں جو متشابہاً ثابت ہو اور جو متشابہاً ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ کا اتارا ہوا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ نے جو اتارا وہ متشابہاً ہے۔

پھر اس کے علاوہ من پسند تراجم وتفاسیر کر کے آج تک یہ بات پھیلا دی گئی کے رسول معجزات کیساتھ آتے ہیں لیکن حقیقت کیا ہے جب حقیقت آپ کے سامنے آئے گی تو آپ چونک جائیں گے کیونکہ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان لوگوں نے جیسے کہ ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ ہر وہ بات کرنی ہے جو قرآن کی ضد ہو جو اللہ کے خلاف ہو۔ اللہ نے پورے قرآن میں کسی ایک بھی مقام پر ایسا نہیں کہا کہ اللہ رسولوں کو معجزات کے ساتھ بھیجتا ہے بلکہ اللہ نے اس کے بالکل برعکس کہا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ. المائدہ ۳۲

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کرلو اپنے گھوڑے دوڑالو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا آئے ان میں انہی میں سے رسول البیّنات کیساتھ یعنی جو بھی رسول آیا تو وہ معجزات کیساتھ نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ آیا اس نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. التوبة ۷۰

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ. یونس ۱۳

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ. یونس ۷۴

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. الروم ۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. الروم ۴۷

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ. فاطر ۲۵

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ. غافر ۲۲

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ. غافر ۸۳

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ. ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا فَکَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ. التغابن ۵، ۶

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ. الحدید ۲۵

یہ چند آیات ہیں جن میں بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ رسول البیّنات کیساتھ آتے ہیں اور ہر رسول البیّنات کیساتھ بھیجا گیا نہ کہ معجزات کیساتھ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں لیکن آپ نے جان لیا کتنی ہی آیات ہیں جن میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ اللہ رسولوں کو البیّنات کیساتھ بھیجتا ہے۔ بیّنات بیّن کی جمع ہے اور بیّن کا معنی ہے کسی شئے، بات یا ذات کا اس قدر ہر لحاظ سے ہر پہلو سے بالکل کھلم کھلا واضح ہونا کہ کم سے کم عقل کی بھی سمجھ میں آ جائے اور اس کے برعکس اس کی ضد معجزہ ہے، معجزہ کہتے ہیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیا جائے اس کی سمجھ نہ آئے بندہ عاجز آ جائے لیکن وہ سمجھ نہ آئے اور اس کی جمع معجزات ہے اور یہ ضد ہے بیّنات کی۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ رسولوں کو معجزات کیساتھ بھیجتا ہے لیکن اللہ نے ان کے بالکل برعکس کہا کہ اللہ رسولوں کو البیّنات کیساتھ بھیجتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ معجزات موسیٰ اور عیسیٰ کیساتھ منسوب کیے جاتے ہیں کہ موسیٰ اور عیسیٰ کو اللہ نے معجزات کیساتھ بعث کیا اور آپ دیکھیں گے کہ حیران کن طور پر اللہ نے دونوں رسولوں کا ایک سے زائد مقامات پر نام لے کر ان لوگوں کی بات کا رد کرتے ہوئے کہا کہ موسیٰ وعیسیٰ کو معجزات نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ بھیجا گیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَاٰتَیۡنَا عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ الۡبَیِّنٰتِ. البقرۃ ۸۷

اور کیا دیا تھا ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو؟ دیں تھیں ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو البیّنات یعنی عیسیٰ ابن مریم نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا۔

پھر ایسے ہی ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ موسیٰ کو معجزات دیئے گئے اور پھر دیکھیں کہ اس بارے بھی اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے آج کس طرح حق کھول کھول کر واضح کر دیا کہ آج سے چودہ صدیاں قبل درج ذیل آیات کی صورت میں تاریخ اتار دی گئی۔

وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ. البقرۃ ۹۲

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا جس کی خلاف ہونا ناممکن ہے اور وہی ہوا جو قدر میں کر دیا گیا آیا تم میں تمہی سے موسیٰ البیّنات کیساتھ یعنی موسیٰ نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا۔

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ. العنکبوت ۳۹

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا جس کیخلاف ہو ہی نہیں سکتا اور وہی ہوا جو کہ قدر میں کر دیا گیا آیا ان میں انہی سے موسیٰ ساتھ البیّنات کے یعنی موسیٰ نے آ کر آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔

آپ نے دیکھا کہ موسیٰ وعیسیٰ کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا رہا کہ اللہ نے انہیں معجزات کیساتھ بھیجا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ آج تک اللہ اور اس کے رسولوں پر بہتان عظیم باندھتے آئے اللہ نے جو قدر میں کیا ہی نہیں وہ ہو کیسے سکتا ہے؟ اور اللہ نے جو قدر میں کر دیا اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ جب اللہ

نے رسول بالبیّنات قدر میں کیا تو اس کیخلاف رسول آ ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس معجزات ہیں تو وہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ کذاب ہوگا جو کہ لوگوں کی خواہشات کے ساتھ آئے لوگوں کی خواہشات کے مطابق آئے۔

اب آتے ہیں واپس آیت کی طرف اور آیت کو بیّن کرتے ہیں یعنی آیت کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. آل عمران ۴۹

آیت ہوتی ہی متشابہاً ہے یعنی جو سامنے نظر آ رہا ہے وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس چھپی ہوئی ہوتی ہے جو اس وقت تک سامنے نہیں آتی جب تک کہ آیت کی گہرائی میں نہیں جایا جاتا اور دوسری بات کہ قرآن کا بیّن کرنا یعنی کھول کر واضح کرنا صرف اور صرف اللہ پر ہے اللہ کے علاوہ نہ تو کسی کو یہ اختیار حاصل ہے اور نہ ہی کوئی قرآن کو بیّن کر سکتا ہے یعنی کھول کر واضح کر سکتا ہے اس لیے جن جن لوگوں نے بھی قرآن کے تراجم وتفاسیر کیے اور وہ خود اپنی زبان سے بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی اللہ کے رسول تو پھر ایسے لوگ اللہ کے دشمن ہیں اللہ کے شریک، مجرمین شیاطین۔

حق کیا ہے اسے اب ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے اللہ آپ پر کھول کھول کر واضح کرتا ہے۔

رسول بالکل ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آپ کے وجود میں آپ کی زبان ہے تو جب زبان سے کچھ الفاظ نکل رہے ہوتے ہیں تو وہ زبان نہیں بلکہ وجود بول رہا ہوتا ہے مثلاً زبان کہہ رہی ہوتی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ زبان کہہ رہی ہے مجھے بھوک لگی ہے بلکہ زبان تو وجود کا ایک حصہ ہے ایک عضو ہے جو کہ وجود کی ترجمان ہے اصل میں وجود بول رہا ہوتا ہے زبان کی صورت میں۔ بالکل ایسے ہی رسول اللہ کی زبان ہوتا ہے جب رسول بول رہا ہوتا ہے تو وہ انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا ہے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ آپ ہی کی طرح کا بشر ہے جو بول رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ انسان ہیں اور وہ بشر جو اللہ کا رسول ہے وہ انسان نہیں بلکہ اللہ ہے جو اس بشر کی صورت میں انسانوں سے کلام یعنی بات کر رہا ہوتا ہے اس لیے رسول اگر کوئی بات کرتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ پانچ سے سات فٹ کا شخص کوئی دعویٰ کر رہا ہوتا ہے کچھ کہہ رہا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اس کے باوجود بھی یہی سمجھے کہ وہ آپ ہی کی طرح ایک انسان بشر ہے جو بول رہا ہے کوئی دعویٰ کر رہا ہے تو ایسا سمجھنے والے کی ذہنی سطح کا اندازہ آپ اس بات سے لگالیں کہ وہ کہہ رہا ہے زبان کہہ رہی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے۔

رسول ظاہر اور باطن اللہ کا وجود ہوتا ہے رسول اور اللہ میں فرق نہیں کیا جاسکتا یعنی جب تک رسول زندہ ہوتا ہے وہ اللہ سے الگ نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی وجود ہوتا ہے جو کہ اللہ ہے اس لیے اللہ اور رسول دو وجود نہیں بلکہ ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے ان میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے رسول اگر کوئی بھی بات کہتا یا کرتا ہے تو وہ اللہ ہے جو انسانوں سے بات کر رہا ہوتا ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عیسیٰ ابن مریم کو الکتاب یعنی آسمانوں وزمین کا علم وحکمہ دیکر بھیجا گیا بنی اسرائیل کی طرف۔ یہ ذہن میں رہے کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا یعنی جب عیسیٰ بات کرتا تھا تو وہ کوئی انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا تھا یوں اللہ نے عیسیٰ کی صورت میں کہا اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اس میں کچھ شک نہیں میں تم میں تمہی سے آیا ہوں آیات کیساتھ تمہارے ربّ سے اور ربّ کیا ہے یہ بھی کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ ربّ فطرت ہے ۔ رسول آیات کو بیّن کرنے کے لیے آتا ہے اس لیے عیسیٰ جن آیات کیساتھ آیا تھا وہ ان آیات کو بیّن کرنے یعنی ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کرنے آیا تھا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ اس میں کچھ شک نہیں میں نے کیا کیا؟ میں نے تم کو خلق کیا طین سے اب یہ ذہن میں رہے کہ یہ عیسیٰ نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہیں خلق کیا طین سے اور طین کہتے ہیں زیر زمین کالے رنگ کے کیچڑ کو جسے آج خام تیل کا نام دیا جاتا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کو جب بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو وہ پرندوں کا گوشت کھانے کے بہت شوقین تھے وہ ایسا کرتے تھے کہ ان پرندوں کی فارمنگ کرتے تھے بالکل ایسے ہی جیسے کہ آج پوری دنیا میں مرغی بہت شوق سے کھائی جاتی ہے جو کہ طیر ہے اور اس کی آج فارمنگ کی جا رہی ہے اور یہی بنی اسرائیل کو کہا گیا كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ جیسے کہ یہ تم طیر یعنی پرندے اپنے رزق کے طور پر خلق کر رہے ہو یہ اللہ کا رزق نہیں ہے اللہ کا رزق وہ ہے جو نہ صرف باذن اللہ خلق ہو بلکہ اس میں باذن اللہ نفخ ہو یعنی جس طرح اللہ نے خلق کرنے کی اجازت دی ویسے خلق کیا جائے لیکن یہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپ کو بتایا جیسے آج مرغی کی فارمنگ کی جا رہی ہے ایسے ہی بنی اسرائیل اس وقت کر رہے تھے اور پھر ایسا گوشت کھانے سے وہ نہ صرف طرح طرح کی جسمانی بیماریوں کا شکار تھے بلکہ روحانی طور پر بھی امراض کا شکار تھے وہ اللہ کے قانون میں بہرے، گونگے، اندھے اور الاموات ہو چکے تھے۔ تو عیسیٰ نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کیا عیسیٰ نے واضح کیا کہ جو تم کھاتے ہو وہی بنتے ہو، تمہارے اعمال تمہارے اختیار میں نہیں ہیں یہ جو تم اعمال کرتے ہو یہ تم نہیں کرتے بلکہ تم سے کروائے جاتے ہیں۔ اگر طیب رزق استعمال کرو گے تو طیب اعمال کر پاؤ گے اور اگر خبائث کو اپنا رزق بناؤ گے تو خبیث اعمال ہی کرو گے۔

اسے سمجھنے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً اگر آپ زہر کھائیں تو کیا آپ کا جسم آپ کے اختیار میں رہے گا؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں بالکل نہیں بلکہ جسم آپ کے اختیار میں نہیں رہے گا۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ زہر کھانے کے بعد آپ کا جسم جو کر رہا ہے آخر کسی نہ کسی کی بات مان کر ہی وہ اعمال کر رہا ہے آخر وہ کس کی بات مان رہا ہے وہ کیوں ایسا کر رہا ہے؟ تو حقیقت بالکل واضح ہے کہ زہر میں کچھ تھا اور جسم نے وہی کرنا شروع کر دیا جو زہر نے جسم کو کرنے کے احکامات دینا شروع کر دیئے۔

زہر کیا ہے؟ زہر بھی مادہ ہے جسے آپ مادہ کہتے ہیں جو کہ زمین کے عناصر ہیں ہر عنصر کی اپنی خصوصیات وصفات اور خصلتیں ہیں یہ مادہ کوئی صورت اختیار کرتا ہے یعنی کسی وجود میں ڈھلتا ہے اور اس میں جان آ جائے تو مادہ اس وجود کے اعمال کی صورت میں اپنی صفات وصلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے جنہیں آپ اعمال کا نام دیتے ہیں۔

جس طرح کے مادے سے آپ اپنا وجود بنائیں گے وہی آپ بنیں گے اگر آپ طیب رزق سے اپنا وجود بنائیں گے تو آپ کا وجود طیب اعمال یعنی اصلاح کرنے والے اعمال ہی کرے گا جو کہ مادہ آپ کے اعمال کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر رہا ہوگا اور اگر آپ خبائث کو اپنا رزق بناتے ہیں تو آپ چاہ کر بھی صالح اعمال نہیں کر سکتے بلکہ آپ کی سوچیں، آپ کی فکریں آپ کے اعمال سب کا سب ہی خبیث ہوگا مفسد ہوگا۔

نہ صرف آپ کے جسم میں قائم توازن بگڑ جائے گا جنہیں آپ بیماریوں کا نام دیتے ہیں بلکہ کوئی چاہ کر بھی آپ کو وہ بات نہیں سنا اور دیکھا سکتا یا سمجھا سکتا جو آپ کا وجود ہے ہی نہیں۔ یہی عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل پر کھول کھول کر واضح کیا کہ تم وہ ہو جو تم کھاتے ہو عیسیٰ ابن مریم نے جب ان پر حق کھول کھول کر واضح کیا کہ تمہیں یہ جو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہیں یہ تمہارے اسی خبیث رزق کی وجہ سے ہیں، آج جو تم دنیا میں ذلیل ورسوا ہو رہے ہو یہ تمہارے اسی خبیث رزق کی وجہ سے ہے۔ اسی خبیث رزق کی وجہ سے تم اللہ کے قانون میں پیدائشی اندھے خلق ہو رہے ہو اور یہ اندھا ہونا آنکھوں سے اندھا ہونا نہیں بلکہ دل ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں، اسی خبیث رزق کی وجہ سے تم اللہ کے قانون میں الاموات ہو تمہارا اس دنیا میں ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔

جو کچھ تم کھا رہے ہو جو کچھ بھی تم ضروریات کے نام پر استعمال کر رہے ہو تم سمجھ رہے ہو کہ تم بہت اچھا رزق کھا رہے ہو بہت صاف ستھرا کھا رہے ہو یہ سب کا سب اللہ کا خلق کردہ نہیں ہے یہ سب تو خبیث ہے اسی طرح جو تم لوگوں نے اپنے گھروں میں ضرورت کے نام پر جو کچھ بھی رکھا ہوا ہے جنہیں تم اپنے لیے فائدے کی اشیاء سمجھتے ہو یہ سب فائدے کی اشیاء نہیں ہیں بلکہ انہی کے استعمال کرنے سے تم طرح طرح کی جسمانی وروحانی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہو اس لیے یہ سب ترک کر دو۔

عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے البیّنات کیساتھ بھیجا تھا یعنی عیسیٰ ابن مریم نے آ کر سب کچھ کھول کھول کر رکھ دیا یوں جب بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی دعوت کو تسلیم کیا اور اپنا رزق ٹھیک کیا طیب رزق اختیار کیا تو نہ صرف ان کی بیماریاں دور ہو گئیں بلکہ ان کا اندھا پن جو کہ ان کے دل اندھے ہو چکے ہوئے تھے ان کی بینائی آ گئی انہیں حق وباطل واضح نظر آنے لگ پڑا، وہ اللہ کے قانون میں الاموات تھے ان کی دنیا میں موجودگی نہ ہونے کے برابر تھی یعنی اللہ کے قانون میں الاموات تھے اور الاحیاء ہو گئے اللہ کے قانون میں زندہ ہو گئے اس طرح عیسیٰ ابن مریم نے البیّنات کیساتھ نہ صرف ان کی بیماریاں ان سے دور

کردیں بلکہ وہ اندھے تھے ان کو بینا کر دیا، وہ الاموات تھے انہیں الاحیاء کر دیا یعنی زندہ کر دیا ان پر دنیا میں آنے کا مقصد واضح ہو گیا اور وہ اس مقصد پر قائم ہو گئے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ.

آل عمران ۵۰

وَمُصَدِّقًا عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ میں جو بھی دعوت دے رہا ہوں جو کچھ بھی کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری ایک ایک بات کی تصدیق موجود ہے لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میری دعوت کی تصدیق کے لیے اسے کھولو جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے التورائت سے وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میں بھیجا گیا ہوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے التورائت سے۔

یعنی عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ ایسا نہیں کہ میں تمہاری طرح لوگوں کو دیومالائی کہانیاں سنا رہا ہوں بلکہ میں جو بھی دعوت دے رہا ہوں جو کچھ بھی کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری ایک ایک بات کی تصدیق اس میں موجود ہے جو تمہارے دونوں ہاتھوں میں ہے اور میں بھیجا گیا ہوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے التورائت سے یعنی میں کوئی نئی بات نہیں کر رہا بلکہ میں تو وہی بات کر رہا ہوں جو موسیٰ نے کی تھی جو آج سے کئی صدیاں قبل موسیٰ نے کہا تھا وہ سب کا سب تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں اب جب کہ میری تصدیق اس میں موجود ہے جو تمہارے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے جس کے تم دعویدار ہو تو پھر بھی میری دعوت جو کہ حق ہے تمہیں تکلیف کیوں دے رہی ہے تمہیں ناگوار کیوں گزر رہی ہے؟

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اور میں بھیجا گیا ہوں حلال کرنے کے لیے تمہارے لیے وہ کچھ جو تم پر حرام کر دیا گیا یعنی کہ اللہ نے جو تم پر حلال کیا تھا تو آج اسے حرام کر دیا گیا تم پر۔ مثال کے طور پر اللہ نے جو حلال کیا تھا تمہارے لیے صرف اور صرف اسی شرط پر کہ وہ طیب ہو اگر طیب ہے تو حلال ہے یعنی اس کے استعمال کی اجازت دی گئی ورنہ اگر طیب نہیں تو اللہ نے خبائث کو حرام قرار دیا یعنی خبائث کو استعمال کرنے سے روک دیا اور آج تم لوگوں نے کیا کیا؟ تم لوگوں نے جو اللہ نے تمہارے لیے طیب کی شرط پر حلال کیا تھا اسے تم لوگوں نے خبیث بنا کر حرام کر دیا اس لیے میں تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں کہ اللہ کا رزق کیا ہے طیب کیا ہے وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور میں تم میں تمہی سے آیا ہوں تمہارے ربّ سے آیات کیساتھ، جیسا کہ پیچھے بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ رسول آیات کو بیّن کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اس لیے رسول آ کر آیات کو بیّن کرتا ہے اور عیسیٰ ابن مریم نے ان کے ربّ سے آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ پس کس سے بچ رہے ہو؟ یعنی یہ جو تم لوگوں کی ملامتوں اور چھوٹی موٹی دنیاوی تکالیف سے بچنے کے لیے ان کا استعمال کر رہے ہو جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا جیسا کہ تمہیں صحت دی گئی، سننے، دیکھنے، سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں دی گئی، چلنے کی صلاحیتیں، مال و اولاد یا کچھ بھی دیا گیا تو ان سب کا تم کس سے بچنے کے لیے استعمال کر رہے ہو؟ اللہ تھا جس نے تمہیں یہ سب کی سب صلاحیتیں دیں اس لیے صرف اور صرف اللہ ہی سے بچنے کے لیے ان سب کا استعمال کرو اور اللہ سے کیسے بچو گے اس کے لیے جو میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں جو حق تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری اطاعت کرو یعنی میری بات مانو جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو ورنہ تم دنیا و آخرت میں ہلاک ہو جاؤ گے ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

یوں عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا اور عوام عیسیٰ کی بات کو سمجھ بھی رہی تھی لیکن بنی اسرائیل کے ملاں عیسیٰ ابن مریم کے سامنے ذلیل و رسوا ہو رہے تھے جس وجہ سے وہ عیسیٰ ابن مریم کے دشمن بن گئے۔

اسے مزید تفصیل کیساتھ آپ پر واضح کرتے ہیں کہ اس وقت کیا ہوا۔

عیسیٰ ابن مریم نے اپنی ماں کیساتھ اپنے ننھیال کے علاقے میں آ کر دعوت کا آغاز کر دیا جہاں کہیں بھی موقع ملتا تو اسے ہاتھ سے نہ جانے دیتے یوں کہیں کہ جہاں بھی دو چار لوگوں کا گروہ دین و مذہب کو لیکر بحث و مباحثہ کر رہا ہوتا اور وہاں عیسیٰ ابن مریم بھی موجود ہوتے تو اپنی بات کیے بغیر نہ رہتے۔ جب عیسیٰ ابن مریم اپنی بات پیش کرتے تو سامنے والے لاجواب ہو جاتے یوں دیکھتے ہی دیکھتے عیسیٰ ابن مریم چھوٹی سطح پر نمایاں ہونے لگے۔

جب بھی کسی سے بحث ہوتی تو جب عیسیٰ اسے لاجواب کر دیتا تو وہ شخص اپنے ملاؤں سے جا کر بات کرتا عیسیٰ کو شکست دینے کے لیے ان سے مدد طلب کرتا اس

کے ملّاں اس کی راہنمائی کرتے کہ اس سے فلاں فلاں سوال کرو فلاں موضوع پر ایسے بات کرو وہ جواب نہیں دے سکے گا لیکن جب عیسیٰ کا سامنا کیا جاتا تو عیسیٰ لاجواب کر دیتا یوں شروع شروع میں چھوٹے موٹے مولوی عیسیٰ کے مقابلے پر آنے لگے لیکن جب عیسیٰ کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو یہ سلسلہ آگے بڑھنے لگا یہاں تک کہ کچھ نوجوان عیسیٰ کے ساتھی بن چکے تھے اب عیسیٰ اور اس کے ساتھی یعنی اس کے حواری چند نوجوانوں نے اپنے اپنے گلی محلوں میں طوفان بپا کیا ہوا تھا چھوٹے موٹے گلی محلے کے مولویوں کی ناک میں دم کر رکھا تھا اور جب چھوٹے موٹے مولویوں کے بس سے باہر نکل جاتا تو وہ اپنے بڑے ملّاؤں کو سامنے لانے لگے جن کے مقابلے پر عیسیٰ کے حواری عیسیٰ کو سامنے لانے لگے اور عیسیٰ سے جب ان کا مقابلہ ہوتا تو بڑے بڑے ملّاں بھی عیسیٰ کے سامنے گونگے ثابت ہونے لگے اور یہاں تک تقریباً ایک دہائی کا وقت گزر چکا تھا۔

بہت سے لوگ عیسیٰ کی طرف متوجہ ہوتے لیکن کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ایسی بات ایسا عقیدہ جسے وہ کسی بھی صورت ترک نہیں کرنا چاہتے جب عیسیٰ سے اس کے برعکس سنتے تو کچھ عیسیٰ سے دور ہو جاتے اور کچھ دشمنی پر اتر آتے عیسیٰ کے قریب آنے والے چونکہ عیسیٰ کو اللہ کا رسول سمجھتے اور تسلیم کرتے تھے اور خود عیسیٰ بھی اپنے حواریوں کے درمیان اسی کا اظہار کرتا تھا لیکن عام سطح پر نہیں بلکہ خواص کے اندر اس لیے جو دور ہو جاتے یا دشمنی پر اتر آتے تو دشمنی کے لیے وہ عیسیٰ کا کسی بھی صورت مقابلے تو کر نہیں سکتے تھے تو انہوں نے نبوت کے انکار اور رسالت کے دعوے والا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا معاشرے میں پھیلانا شروع کر دیا کہ یہ عیسیٰ نامی شخص رسول ہونے کا دعویدار ہے۔ دوسری طرف زکریا کے بیٹے یحییٰ بھی اسی علاقے میں موجود تھے جب یہ بات ان تک پہنچی تو ان کی عیسیٰ کیساتھ کئی موضوعات پر بات ہوئی اور ہر موضوع پر یحییٰ کو ادراک ہو گیا کہ عیسیٰ کیساتھ بات کرنے سے پہلے یا تو وہ یعنی یحییٰ غلط تھا یا پھر اس کے پاس نامکمل علم تھا یوں یحییٰ نے بھی یہ گواہی دے دی کہ یہ شخص عیسیٰ اللہ کا رسول ہے وہی المسیح رسول جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا جس کا سب انتظار کر رہے ہیں۔

یحییٰ چونکہ ایک بڑے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اس لیے یحییٰ کی طرف سے یہ کہنا کہ عیسیٰ اللہ کا رسول ہے سے کافی شور مچ گیا دوسری طرف بڑے بڑے ملّاؤں کے کان کھڑے ہونے لگے لوگوں نے عیسیٰ کی طرف توجہ دینا شروع کر دی جو ملّاؤں کے لیے شدید خطرہ ثابت ہونے لگا لوگ عیسیٰ کی طرف سے واضح کیے جانے والے حق کو لیکر اپنے ملّاؤں سے سوالات کرتے جن کے جوابات ان کے پاس نہ ہوتے تو وہ عیسیٰ کے خلاف ہونے لگے جب ملّاؤں کو ادراک ہو گیا کہ وہ نہ تو عیسیٰ کی کسی بات کا رد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کیساتھ بحث کر سکتے ہیں اس کا سامنا کر سکتے ہیں اگر اس کا سامنا کیا جائے گا تو لوگوں کی نظروں میں جوان کا مقام ہے وہ ان کی حقیقت چاک ہونے سے ختم ہو جائے گا، عوام کی نظروں میں ذلیل و رسوا ہو جائیں گے تو انہوں نے انا کی جنگ بنا لی اس لیے ملّاؤں نے ٹھان لیا کہ اس خطرے سے نمٹنا ہو گا۔

عیسیٰ ہر فرقے کے لیے مشترکہ خطرہ بن چکے تھے سب کے سب فرقے ہی ان کے دشمن بن چکے تھے یوں ہر فرقے کے ملّاؤں نے عیسیٰ پر الزامات اور بہتانات باندھنا شروع کر دیئے تاکہ اسے لوگوں کی نظروں میں بدنام کیا جائے اور لوگ اس کی بات نہ سنیں لوگ اس سے نفرت کرنا شروع کر دیں جس سے ہماری گدیاں بچ جائیں گی۔ ان الزامات و بہتانات میں سے ایک وہی پہلا بہتان بھی تھا جو مریم پر باندھا گیا تھا کہ اس شخص عیسیٰ کی ماں زانیہ ہے اور یہ شخص عیسیٰ زنا کی پیداوار ہے اس کے ساتھ ہی توہین رسالت کے فتوے جاری ہونے لگے۔

جب ملّاؤں کی طرف سے عیسیٰ پر توہین رسالت کے فتوے لگائے جانے لگے تو لوگوں نے عیسیٰ سے پوچھنا شروع کر دیا کہ کیا آپ واقعتاً اللہ کے رسول ہو آپ کا خود یہ کہنا ہے یا پھر محض ملّاؤں کی طرف سے آپ پر الزام لگایا جا رہا ہے تو اب وقت آ چکا تھا کہ اس بات کو عام سطح پر بھی واضح کیا جانا ناگزیر ہو چکا تھا اس لیے عیسیٰ ابن مریم نے بھی واضح کر دیا کہ وہ ان کی طرف یعنی بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہے۔

اب ملّاؤں کے سر پر بن چکی تھی کیونکہ اگر کوئی شخص رسول ہونے کا دعویٰ کرتا اور وہی رسول المسیح جس کا وعدہ کیا گیا تھا جس کا ہر کوئی انتظار کر رہا تھا تو اب ذمہ داری ملّاؤں کی ہے کہ وہ اس شخص سے بات کریں اور لوگوں پر واضح کریں کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے واقعتاً اللہ کا رسول ہے یا پھر کذاب ہے جھوٹا ہے۔

اب ملّاؤں کو علم تھا کہ اگر عیسیٰ کو رسول تسلیم کر لیا جاتا ہے تو عیسیٰ کی دعوت اس کے سو فیصد برعکس ہے جو آج تک یہ ملّاں کہتے آئے جسے یہ دین کہتے آئے وہ سو فیصد ہی غلط ہے اس کا دین حق کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے لوگ کیا کہیں گے کہ آج تک تم لوگ جو کہ دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے کیا کرتے رہے؟ پھر جو گدیاں ان کے پاس ہیں وہ چھن جائیں گی ان کا آج جو مقام و مرتبہ ہے وہ سب ختم ہو جائے گا وہی کرنا پڑے گا جو عیسیٰ کہے گا اور وہ تو

ایک پیسہ بھی چندہ نہیں لینے دے گا ہمیں محنت کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا ہوگا آج عوام کے پیسوں سے چار چار چھ چھ آٹھ آٹھ بیویاں اور درجنوں بچے پال رہے ہیں اگر یہ گدیاں چھن گئیں تو پھر کہاں سے ان کا پیٹ پالیں گے؟ آج جو عوام سلیوٹ کرتی ہے ہم اونچی جگہوں پر اور عوام ہمارے پیروں میں بیٹھتی ہے یہ سب ختم ہو جائے گا آج اس مقام کی وجہ سے جرائم بھی کریں تو کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھا سکتا لیکن کل کو کوئی چھوٹا سا جرم بھی کیا تو اس کی سزا بھگتنا ہوگی۔

یہ ملّاں طبقہ انتہائی بڑے بڑے جرائم کرتا ہے لیکن ان کے جرائم لوگوں کو نظر نہیں آتے جس کی وجہ ان کا معاشرے میں انسانوں کی نظروں میں مقام ہے ملائیت کے پردے میں سب کچھ کرتے ہیں ہر طرح کی فحاشی بھی کرتے ہیں اور یہ سب ان کی عادت بن چکی ہوتی ہے اب جس پردے میں یہ سب کرتے ہیں اگر ان سے وہ پردہ ہی چھن جائے تو ظاہر ہے یا تو انہیں اپنی عادات ترک کرنا ہوں گی یا پھر انجام کا سامنا کرنا ہوگا، جیسے کہتے ہیں کہ چور چوری سے جائے مگر ہیرا پھیری سے نہ جائے بالکل ایسے ہی سنگین جرائم کرنا ان لوگوں کی عادت بن چکی ہے جسے یہ لوگ ترک نہیں کر سکتے اور اگر ترک کرنے کی کوشش بھی کریں گے تو جہاں کہیں انہیں موقع ملے گا یہ خود کو روک نہیں پائیں گے اور پھر نتیجہ وہی نکلے گا جو یہ نہیں چاہتے۔

اب یہ لوگ کیسے چاہیں گے کہ ان سے ان کا یہ مقام چھن جائے؟ لوگ ان کو چور ڈاکو کہیں، ان کو زانی شرابی کے طور پر جانیں جو کہ ان کی اصل حقیقت ہے یہ لوگ ہرگز ایسا نہیں چاہیں گے اس لیے ان لوگوں نے عیسیٰ کیخلاف فتوے دینا شروع کر دیئے کہ یہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ یہ کذاب ہے یہ جھوٹا ہے۔ یوں شور مچ گیا ملاؤں نے عیسیٰ کے خلاف جلسے جلوس نکالنا شروع کر دیئے اور اس سب کی وجہ یہی تھی کہ کوئی ایک بھی ملاں ایسا نہیں تھا کوئی ایک بھی شخص ایسا نہیں تھا جو عیسیٰ کا مقابلہ کر سکے عیسیٰ کے مقابلے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اگر اسے رستے سے ہٹایا نہیں جاتا تو ملاؤں کی گدیوں کو شدید خطرہ لاحق ہو چکا تھا اس لیے عیسیٰ کو ختم کرنے کے لیے منصوبہ بندیاں کی جانے لگیں اور بڑے بڑے ملاؤں نے یہ منصوبہ بندی کی کہ اب تو اس شخص کے ماننے والوں کی بھی کافی تعداد ہو چکی ہے اگر اسے ایسے ہی قتل کروا دیا جاتا ہے تو سیدھے سیدھے قتل کا مقدمہ ان ملاؤں پر ہوگا اور انہیں اس کی سزا قتل کیے جانے کی صورت میں بھگتنا پڑے گی کیونکہ جیسے آج حکومتیں قائم ہیں بالکل ایسے ہی اس وقت یروشلم میں حکومت قائم تھی عدالتیں اپنا کام کر رہی تھیں اب اگر ملاں ایسے ہی عیسیٰ کو قتل کرواتے ہیں تو ان کے خلاف قتل کا مقدمہ درج ہوتا اور بدلے میں انہیں بھی قتل کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے یہ طے پایا کہ منظّم طریقے سے اس شخص کے خلاف عوام کو بھڑکایا جائے عوام کو مشتعل کیا جائے کہ یہ شخص اللہ کا رسول نہیں بلکہ ایک کذاب شخص ہے جب عوام مشتعل ہوگی تو عوام کو سڑکوں پر لایا جائے جس سے حکومت دباؤ میں آ کر عوام کے راہنماؤں یعنی ان بڑے بڑے ملاؤں سے رابطے کرے گی کہ وہ عوام کو ٹھنڈا کریں حالات کو معمول پر لانے کے لیے حکومت کا ساتھ دیں عوام سے اپیل کریں کیونکہ عوام ان کی بات مانتی ہے تو ایسی صورت میں حکومت کے سامنے یہ مطالبہ رکھیں گے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ذمہ دار ایک ہی شخص ہے جس نے رسول ہونے کا دعویٰ کر کے عوام کے جذبات کے ساتھ کھلواڑ کیا ان کے مذہب کے ساتھ کھلواڑ کیا اس لیے اگر حکومت چاہتی ہے کہ حالات معمول پر آ جائیں عوام میں پایا جانے والا اشتعال اور جو عوام اور حکومتی املاک کو جلوسوں کی صورت میں نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو حکومت اس شخص کیخلاف فساد فی الارض کا مقدمہ قائم کر کے اسے سزا دے۔

اس وقت قانون میں فساد فی الارض کی سزا مصلوب تھی یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا جانا جو کہ تمام سزاؤں سے سخت ترین اور بھیانک ترین سزا تھی جس کے بارے میں سن کر بھی لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

یوں بڑے بڑے چند ملاں جن کی ساری منصوبہ بندی تھی وہ حکومت کیساتھ رابطے میں رہے اور مقامی سطح پر اپنے نیچے ملاؤں کیساتھ بھی رابطے میں رہے ان ملاؤں کے ذریعے عوام کو شدید اشتعال دلاتے رہے جلسے جلوس نکالتے رہے، رستے بند کر دیئے گئے دھرنے دیئے جانے لگے ریاست اور عوام کی املاک کو نقصان پہنچایا جانے لگا اس سب میں لوگ زخمی اور قتل بھی کیے جانے لگے جس وجہ سے حکومت شدید ترین دباؤ کا شکار ہوگئی۔

یہ وہ وقت تھا جس کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کہا

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ. وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. آل عمران ۵۲،۵۳،۵۴

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡھُمُ الۡکُفۡرَ پس جو کہ احساس ہو گیا عیسیٰ کو ان سے جو اس وقت موجود ہیں مخصوص کفر کا یعنی عیسیٰ پر واضح ہو گیا کہ اب یہ لوگ ایک تو عیسیٰ کی کوئی ایک بھی بات نہیں مانیں گے بلکہ یہ انکار ہی کریں گے اور دوسرا یہ نقصان پہنچانے یہاں تک کہ قتل کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے تب عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے کہا قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ کہا کون ہے جو میری مدد کرنے والا ہے اللہ کی طرف، جب عیسیٰ نے ان لوگوں کو جو خود کو عیسیٰ کے حواری یعنی سب سے قریب ترین سمجھتے تھے جو عیسیٰ کیساتھ براہ راست رابطے میں تھے تو ان میں سے کچھ ایسے تھے جو حقیقت میں حواری نہیں بلکہ منافق تھے وہ حالات سے گھبرا کر عیسیٰ کو چھوڑ گئے اور ایسا ہو بھی کیوں نا کیونکہ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اللہ ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ جس میں رائی برابر بھی نفاق ہو وہ اپنا نفاق ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس کا کفر ظاہر واضح ہو جاتا ہے اور جو واقعتاً مومن ہوتے ہیں خالص مومن صرف اور صرف وہی پیچھے رہ جاتے ہیں اور یہی ہوا کہ جو واقعتاً حواری تھے وہی پیچھے رہ گئے اور جو حواریوں کے پردے میں منافقین تھے وہ سب حالات سے گھبرا کر بھاگ گئے۔ جو حواری تھے ان کا جواب یہ تھا قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ کہا جو حواری ہیں ہم ہیں اللہ کی مدد کرنے والے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ہم تو مان چکے اس بات کو جو اللہ کی طرف سے ہم تک پہنچ چکی وَاشۡھَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ اور شاہد ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمیں جو کہا گیا وہی کر رہے ہیں یعنی ہم اپنے اعمال سے اس پر گواہی دیں گے کہ ہم حواری ہیں ہم مومن ہیں رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ ہمارے ربّ ہم جو بھی تیری طرف سے بات آئی اسے تسلیم کر چکے ہیں وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ اور جو رسول کہہ رہا ہے جو رسول کر رہا ہے ہم نے وہی کیا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰھِدِیۡنَ پس کتب کر ہمیں اس کیساتھ جو اپنے اعمال سے گواہی دینے والے ہیں۔

وَمَکَرُوۡا اور جو عیسیٰ اللہ کے رسول کا کفر کر رہے ہیں وہ عیسیٰ کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنی منصوبہ بندی کر رہے ہیں وَمَکَرَ اور یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں یہ منصوبہ بندی تو پہلے ہی ہو چکی ہے یعنی یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں عیسیٰ کو قتل کرنے کی اسے نقصان پہنچانے کی یہ ان کی منصوبہ بندی نہیں بلکہ یہ تو پہلے سے ہی کی جا چکی منصوبہ بندی ہے جس کا یہ شکار ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے کس نے منصوبہ بندی کی جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں تو آگے اسی کا جواب ہے اللّٰہُ اللہ ہے یعنی اللہ ہے جس نے پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور آج یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں اللہ کے رسول کو شر پہنچانے کی تو یہ اللہ کی پہلے سے ہی کی جا چکی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ اور اللہ ہے خیر ہے جتنے بھی منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں یعنی جتنے بھی ایسے منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں جو شر یعنی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں وہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور ظاہر ہے وہ کامیاب ہو بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ وہ جسے اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہیں وہ تو پہلے سے ہی اللہ کی کی گئی منصوبہ بندی ہے جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں اور جب یہ اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں جسے یہ اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہیں تو پھر نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو اللہ کا طے کیا ہوا ہے نہ کہ ان کا اور اللہ شر نہیں بلکہ اللہ خیر ہے یعنی اللہ اپنے رسول کو قتل نہیں ہونے دے گا۔

تمام کے تمام فرقوں کے ملاں جو ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ایک دوسرے کو جہنمی قرار دیتے اور رات دن ایک دوسرے سے دشمنی کرتے وہ سب کے سب عیسیٰ کو اپنا مشترکہ دشمن قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور عیسیٰ اللہ کے رسول کو قتل کرنے کی اپنی منصوبہ بندی پر عمل کرنا شروع کر دیا، اللہ کے رسول عیسیٰ کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا اور پھر انہیں لگا کہ ان کی منصوبہ بندی کام کر گئی حکومت نے مذاکرات کی دعوت دے دی اور مذاکرات میں طے پایا کہ اس شخص پر فی الفور فساد فی الارض کا مقدمہ قائم کیا جائے گا جس کے بدلے میں عوام اپنے گھروں میں چلی جائے اور اگر عوام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حالات کو معمول پر لانے کے لیے مقدمہ تو قائم کیا جاتا ہے اور گرفتار کر کے سزا نہیں دی جاتی تو نہ صرف عوام دوبارہ سڑکوں پر آئے گی بلکہ حکومت پر سے اعتماد بھی اٹھ جائے گا جس کا نتیجہ حکومت کے خاتمے کی صورت میں نکلے گا۔ حکومتی مذاکراتی ٹیم کی طرف سے یقین دلایا گیا کہ نہیں ایسا نہیں ہو گا بلکہ نہ صرف فی الفور مقدمہ قائم کیا جائے گا بلکہ گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے گا اور اگر الزامات ثابت ہوتے ہیں تو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیتے ہوئے جو اس کی سزا ہے وہ دی جائے گی مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا جائے گا۔

یوں حکومت کی مدعیت میں عیسیٰ ابن مریم کے خلاف فساد فی الارض کا مقدمہ قائم کر دیا گیا عیسیٰ ابن مریم بہر حال بشر تھے ہر رسول بشر ہوتا ہے تو ظاہر ہے بشری تقاضوں کا کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا، عیسیٰ بشر تھے انہیں بھوک لگتی تھی کھاتے پیتے تھے باقی تمام تر حاجات بھی لاحق تھیں ایسے ہی جو باقی بشری تقاضے ہوتے ہیں وہ بھی لاحق تھے مثلاً کوئی کتنے ہی بڑے جگر والا ہی کیوں نہ ہو کتنا ہی نڈر کیوں نہ ہو لیکن جب حکومت اور عوام دونوں ہی دشمن بن جائیں آگ بگولہ

ہوکر ہرطرف تلاش کی جارہی ہوتو ظاہر ہے بشر ہونے کے ناطے کسی حد تک فکر تو لاحق ہوتی ہے کہ اگر ان کے ہاتھ چڑھ گئے تو نتیجہ کیا نکلے گا وسوسے لاحق ہوتے ہیں حالانکہ رسول کی شخصیت پر یہ سب اثر انداز نہیں ہوتا لیکن وقتی طور پر فکریں لاحق ہونا فطرتی بات ہے اصل شئے یہ ہوتی ہے کہ آپ ان وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں یا پھر ڈٹے رہتے ہیں۔ وسوسوں پر آپ کا اختیار نہیں لیکن عمل آپ کے اختیار میں ہے آیا آپ ان کا شکار ہوکر ویسا ہی کرتے ہیں یا پھر وہ وسوسے آپ کے کردار کو متاثر نہیں کرتے۔

اس لیے حالات کی سنگینی کی وجہ سے عیسیٰ ابن مریم نے خود کو حکومت اور عوام کی نظروں سے اوجھل کر لیا لیکن جب حکومت اور عوام دونوں ہی آپ کے دشمن ہوں اور آپ ان کے درمیان میں موجود ہیں تو زیادہ دیر آپ کا چھپے رہنا ناممکن بن جاتا ہے عوام اپنے ارد گرد کوئی بھی معمول سے ہٹ کر ہوتا ہوا دیکھیں تو فوراً حکومت کو مطلع کیا جاتا ہے اور حکومت ایسی صورت حال میں تصدیق نہیں کرتی بلکہ بغیر سوچے سمجھے بغیر تصدیق کے چھاپہ مارتی ہے یوں عیسیٰ ابن مریم کی تلاش میں رات دن ایک کیا جانے لگا اور زیادہ وقت نہیں گزرا کہ عیسیٰ ابن مریم کو تلاش کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

عیسیٰ ابن مریم کی گرفتاری کے لیے جہاں کہیں بھی چھاپہ مارا جاتا تو عوام کا ہجوم اکٹھا ہو جاتا ایسے ہی جب عیسیٰ ابن مریم کو گرفتار کیا گیا تو عوام کا ہجوم اکٹھا ہو گیا اور جیسے ہی عوام کو پتہ چلا کہ عیسیٰ ابن مریم کو گرفتار کر لیا گیا تو یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی یوں نہ صرف دیکھتے ہی دیکھتے کثیر تعداد میں عوام اکٹھی ہو گئی بلکہ ہجوم میں ہی موجود ملاّؤں نے عوام کو اشتعال دلانا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پولیس اسٹیشن لاتے لاتے پورا جسم زخموں سے چور ہو گیا۔

یوں جب اس کیس کی سماعت شروع ہوئی عدالت لگی اور عیسیٰ ابن مریم کو عدالت میں پیش کیا گیا تو عیسیٰ ابن مریم کے خلاف بہت سے ملاّؤں نے گواہی دی کہ یہ شخص عیسیٰ جو کہ مریم کا بیٹا ہے اس نے نہ صرف ہمارے دین کا کفر کیا ہے لوگوں میں دین کے سو فیصد ہی خلاف نظریات پھیلا رہا ہے، ہمارے اللہ سمیت تمام تر عقائد ونظریات کا منکر ہے ان کا کفر کرتا ہے بلکہ رسول ہونے کا دعویٰ کر کے توہین رسالت کا مرتکب ہوا ہے اور پھر جب منصف نے یعنی جج نے عیسیٰ ابن مریم سے پوچھا کہ کیا تُو نے دین کے خلاف لوگوں میں نظریات پھیلائے؟ پہلے سے پائے جانے والے عقائد ونظریات کا کفر کیا؟ کیا تُو موسیٰ کے لائے ہوئے دین کا منکر ہے؟ اس کے برعکس کسی نئے دین کا دعویدار ہے؟ تو عیسیٰ ابن مریم بالکل خاموش رہا جج کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہ دیا جس پر عدالت میں بار بار شور اٹھتا کہ جج صاحب اس سے کیوں پوچھ رہے ہیں کیا اتنے سارے لوگ غلط ہیں یا جھوٹی گواہی دے رہے ہیں؟

پھر جب جج نے یہ سوال کیا کہ کیا تُو نے ایسا کوئی دعویٰ کیا ہے تُو اللہ کا رسول ہے وہی رسول المسیح جس کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہوا ہے؟ تو عیسیٰ ابن مریم پھر خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا اتنے میں عوام میں سے ملاّؤں کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ ابھی بھی تیرے پاس وقت ہے کہ تسلیم کر لے کہ تُو اللہ کا رسول المسیح نہیں بلکہ تُو نے جھوٹ بولا تھا تو تیری جان بچ جائے گی۔

جج چونکہ نہ صرف تربیت یافتہ ہوتے ہیں بلکہ ان کو وسیع تجربہ حاصل ہوتا ہے کوئی بھی مقدمہ جب ان کے سامنے آتا ہے تو جج پر ساری حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے، سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، کون سچ بول رہا ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے جج کو سب علم ہوتا ہے وہ سچے اور جھوٹے کو چہروں سے ہی پہچان لیتے ہیں لیکن جج اس بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ قانون کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں انہوں نے قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ہوتا ہے الا یہ کہ اللہ کا یعنی فطرت کا نظام عدل ایسا ہے کہ اس کے لیے سارا اختیار جج کے پاس ہی ہوتا ہے نہ کہ وہ کسی انسانی قانون کا پابند ہوتا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کا مقدمہ جب جج کے سامنے آیا تو جج پر حقیقت بالکل کھل کر واضح ہو چکی تھی کہ یہ شخص عیسیٰ ابن مریم جھوٹا نہیں ہے یہ سچا ہے اس کی ایک ایک بات سچ ہے لیکن جن میں یہ بھیجا گیا ہے یہ لوگ ہیں ہی ضلالٍ مبینٍ میں اس لیے ان کی عقل میں اس کی باتیں آنے والی نہیں ہیں اور جج کی یہی چاہت تھی کہ کسی نہ کسی طریقے عیسیٰ ابن مریم کو رہا کر دیا جائے لیکن جج کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر وہ کیا کرے کیونکہ جج کے بار بار اصرار پر بھی عیسیٰ ابن مریم کوئی جواب نہیں دے رہا تھا اور پھر جب سامنے موجود ملاّؤں کی طرف سے یہ آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ اب بھی تیرے پاس وقت ہے اگر تُو اقرار کر لیتا ہے کہ تُو اللہ کا رسول المسیح نہیں بلکہ کذاب ہے تو تیری جان بچ جائے گی تو جج نے عیسیٰ ابن مریم کو مخاطب کرتے ہوئے یہی کہا کہ ایک بار اس بات کا اقرار کر لے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تُو وہ المسیح نہیں ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہوا ہے تو تیری جان بچ جائے گی۔

جج چونکہ حق جان چکا تھا جج پر بالکل واضح ہو چکا ہوا تھا کہ یہ اللہ کا رسول ہی ہے اور ایمان لا چکا تھا اس لیے جج خود کو عظیم امتحان میں پار رہا تھا اور جج دل ہی دل میں اللہ سے گڑ گڑا کر یہی کہہ رہا تھا کہ اے میرے ربّ میں کسی بھی صورت تیرے رسول کو اذیت دینے والوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا میں کسی بھی صورت تیرے رسول کے دشمنوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا اس لیے مجھے اس امتحان میں کامیاب کر لیکن جج کے بار بار اصرار پر بھی عیسیٰ ابن مریم بالکل خاموش تھا کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔ جج یہی چاہ رہا تھا کہ اگر عیسیٰ ایک بار اقرار کرلے کہ وہ اللہ کا رسول المسیح نہیں ہے تو اس کو رہا کر دونگا ورنہ اگر عیسیٰ اقرار نہیں کرتا، صحت جرم سے انکار نہیں کرتا تو میں چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاؤں گا کیونکہ ایک تو میں قانون کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا اور اگر بالفرض میں ایسا کوئی حکم سنا تا بھی ہوں تو عوام کا ٹھاٹے مارتا سمندر اور ملاّں طبقہ اسے یہیں قتل کر دیں گے۔

دوسری طرف ملاّں بھی بہت بے چین ہو رہے تھے عیسیٰ ابن مریم کی خاموشی ان پر قہر بن کر ٹوٹ رہی تھی ملاّؤں کی چاہت ہی یہی تھی کہ یہ ایک بار اقرار کرے کہ یہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب ہے تو نہ صرف ہم سچے ثابت ہو جائیں گے اور فخر کیساتھ عوام کو کہہ سکیں گے کہ دیکھو ہم نے کہا تھا نا کہ یہ اللہ کا رسول المسیح نہیں بلکہ یہ کذاب ہے اگر رسول ہوتا تو موت کی پرواہ نہ کرتا، اپنی جان نہ بچاتا اگر رسول ہوتا تو اللہ اسے قتل ہی نہ ہونے دیتا اور اب جبکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے خود اس بات کا اقرار کر لیا ہے تو یہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا اور پھر بعد میں اسے کذاب کذاب کہہ کر اس کا اور اس کے حواریوں کا جینا حرام کر دیں گے ۔ لیکن ملاّؤں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہی تھا کہ ملاّں یہ ہوتا ہوا نہیں دیکھ رہے تھے ان کو نظر آ رہا تھا کہ اگر یہ شخص عیسیٰ ابن مریم اپنے دعویٰ پر ڈٹا رہتا ہے اور مصلوب ہو جاتا ہے تو پھر ہر کوئی یہی کہے گا کہ وہ سچا تھا اگر وہ جھوٹا ہوتا اور دنیاوی لالچ، شہرت یا کسی اور غرض سے جھوٹا دعویٰ کر رہا تھا تو پھر اس نے مصلوب ہونا ہی پسند کیوں کیا؟ اسے تو اپنی جان بچانی چاہیے تھی اور صحت جرم کا انکار کر دینا چاہیے تھا جو کہ نہیں ہوا تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ عیسیٰ اللہ کا رسول تھا۔

بڑے بڑے ملاّں نہیں چاہ رہے تھے کہ ایسا ہو ملاّں بار بار شور مچا رہے تھے کہ اب بھی تیرے پاس وقت ہے اس بات کا اقرار کرلے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تیری جان بچ جائے گی، دیکھ تیری بوڑھی ماں ہے اور دیکھ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے کوئی بے گناہ قتل کیا جائے اس لیے اب بھی وقت ہے اقرار کرلے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تا کہ تیری جان بچ جائے۔

جج اور ملاّؤں کے بار بار اصرار کے باوجود عیسیٰ ابن مریم نے ایک بار بھی زبان سے کوئی لفظ ادا نہ کیا اور بالآخر گواہوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر جج کو مجبوراً عیسیٰ ابن مریم کو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیتے ہوئے مصلوب کیے جانے کی سزا سنا دی۔ ایک طرف یہ فیصلہ سناتے ہوئے جہاں جج اندر سے رو رہا تھا اور اللہ سے کہہ رہا تھا کہ اے میرے ربّ میں نے تو جو میرے اختیار میں تھا وہ کیا اور جو میرے اختیار میں ہے ہی نہیں وہ میں کیسے کر سکتا ہوں اور دوسری طرف ملاّں طبقے کے پاؤں تلے سے یہ سوچ سوچ کر زمین نکلے جا رہی تھی کہ بعد میں ہر کوئی یہی کہے گا کہ عیسیٰ جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ سچا تھا اسی لیے تو مصلوب ہو گیا اور تیسری طرف عوام اور کم عقل جاہل مطلق ملاّں اور ان کے حواری جو اپنے بڑے بڑے ملاّؤں کے پیچھے اندھوں کی طرح چل رہے تھے وہ جشن منا رہے تھے کہ وہ اپنے مقصد و مشن میں کامیاب ہو گئے۔

بڑے بڑے ملاّؤں پر پہلے ہی واضح ہو چکا ہوا تھا کہ عیسیٰ سچا ہے لیکن اپنی انا کا مسئلہ بناتے ہوئے کوئی بھی آگے بڑھ کر اس کی تائید وتصدیق کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور پھر جب یہی فیصلہ سنایا گیا تو ملاّؤں کو یقین ہو گیا کہ کذاب عیسیٰ نہیں بلکہ کذاب یہ لوگ خود ہیں اور اسی وجہ سے بڑے بڑے ملاّؤں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے آس لگائے ہوئے تھے کہ ان میں سے کوئی عیسیٰ کے حق میں آواز بلند کرے تو ہم اس کی تائید وتصدیق کریں گے لیکن کوئی بھی پہل کرنے کو تیار نہ تھا بلکہ ایک دوسرے سے ہی امید لگائے ہوئے تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو یہ خوف لاحق تھا کہ اگر اب میں نے عیسیٰ کے حق میں بات کی تو لوگ کیا کہیں گے اور باقی سب ملاّں کیا کہیں گے کہیں ایسا نہ ہو کے ذلیل ورسوا ہو جاؤں یوں ہر کوئی ایک دوسرے سے آس لگائے خاموش رہا۔

عدالت کی جانب سے جمعہ کے دن سزا پر عملدرآمد کا اعلان کیا گیا اس وقت کی حکومت کا یہ قانون تھا کہ فساد فی الارض کے مرتکب کو کھلے مقام میں عوام کے سامنے سرعام مصلوب کیا جاتا تھا اور جب سزا کا معین وقت آ گیا یعنی جمعہ کا دن آ گیا تو عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کرنے کے لیے شہر سے باہر چورستے میں لے جایا گیا جہاں کھلا میدان موجود تھا۔ جب مصلوب کیا جانے لگا تھا تو عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجود تھا پہلے پہل تو خوب نعرے بازی کی گئی لیکن بڑے بڑے

ملاّؤں نے رستے میں نعرے بازی سے روک دیا تھا جس وجہ سے میدان میں لاکھوں کی تعداد میں عوام کی موجودگی کے باوجود سناٹا چھا چکا تھا اور ملاّؤں کی طرف سے بار بار یہی کہا جا رہا تھا کہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے اب بھی وقت ہے کہ ایک بار کہہ دے کہ تُو کذاب ہے تو تیری جان بچ جائے گی۔ ملاّں نہیں چاہ رہے تھے کہ عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا جائے کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر عیسیٰ ابن مریم اپنے دعوے پر ڈٹا رہا اور مصلوب ہو گیا تو اس کی یہ قربانی بعد میں عظیم انقلاب ثابت ہو جائے گی اور دوسری طرف ملاّں خود سے بھی کوئی منصوبہ بندی کر کے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب ہونے سے نہیں بچا سکتے تھے کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر بھی عیسیٰ ابن مریم کی ہی جیت ہوتی ہر طرف شور مچ جاتا کہ اللہ کا رسول قتل نہیں ہو سکتا اب جب کہ عیسیٰ کو قتل نہیں کیا جا سکا تو یہ اللہ ہی کی منصوبہ بندی ہے یہ اللہ کا سچا رسول ثابت ہو جاتا ہے اب ملاّں طبقے پر واضح ہوتا جا رہا تھا کہ انہوں نے جو منصوبہ بندی کی تھی وہ انہی پر ایسی پلٹ چکی ہے کہ اب کوئی بچاؤ کا رستہ ہی نہیں رہا اور یہ منصوبہ بندی ان کی نہیں بلکہ کسی اور کی منصوبہ بندی تھی جس کا یہ ملاّں طبقہ شکار ہو چکے تھے۔

موسم ایسا تھا کہ ہلکے کالے بادلوں کیساتھ ساتھ خفیف سی ہوا چل رہی تھی، عیسیٰ کیساتھ ساتھ دو اور افراد تھے جو کہ ڈاکو تھے انہیں بھی فساد فی الارض کے جرم میں مصلوب کرنے کے لیے وہاں لایا گیا تھا۔ ان دونوں نے جب عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا تو انہوں نے عیسیٰ کو یہ کہتے ہوئے پوچھا کہ ہم تو ڈاکو ہیں ہم نے ڈکیتیوں کے دوران کئی لوگوں کا قتل کیا ہے لوگوں کا مال لوٹا ہے جس وجہ سے آج ہم مصلوب کیے جا رہے ہیں لیکن تُو تو نہ صرف انتہائی شریف اور سیدھا سادھا معلوم ہوتا ہے بلکہ شریف گھرانے کا فرد معلوم ہوتا ہے آخر تُو نے ایسا کون سا جرم کر دیا جو تجھے مصلوب کیا جا رہا ہے تو عیسیٰ ابن مریم نے ان دونوں کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ المسیح جس کا اللہ نے موسیٰ سمیت تمام رسولوں کے ذریعے وعدہ کر رکھا تھا وہی المسیح رسول جس کی ہر رسول اور ہر نبی نے بشارت دی تھی جب ڈاکوؤں نے عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے یہ سب سنا اور دیکھا کہ یہ شخص نہ صرف انتہائی مطمئن اور پرسکون ہے جیسے کہ اس نے کوئی جرم کیا ہی نہیں بلکہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور بچنے کا موقع بھی اس کے پاس ہے اس کو بار بار کہا جا رہا ہے کہ چاہے تو بچ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ اپنے موقف سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا اور وہ چونکہ خود نہ صرف مصلوب کیے جا رہے تھے وہ اذیت ناک موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے بلکہ اگر ان کو ایسا ایک موقع دیا جاتا کہ ان کی جان بچ جاتی تو وہ کسی بھی صورت اس موقع کو ضائع نہیں کرتے یہاں تک کہ کسی بھی صورت موت سے بچنا چاہتے لیکن یہ شخص ہے کہ اسے کوئی پرواہ ہی نہیں بلکہ الٹا بالکل مطمئن اور پرسکون بھی ہے اس لیے یہ شخص عیسیٰ جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ یہ سچا ہے اور وہ دونوں ڈاکو اسی وقت عیسیٰ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے تھے انہوں نے دل ہی دل میں اپنے ربّ سے یہی کہا کہ اے ہمارے ربّ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا وقت ختم ہو چکا ہے ہمیں موت دی جانے والی ہے اس لیے اس وقت ہماری توبہ ہمیں کوئی نفع نہیں دے گی لیکن اس میں ہمارا قصور تو نہیں۔ ہمارا عیسیٰ ابن مریم سے تو سامنا ہی ایسی حالت میں ہوا ہے اور جب ہمارا سامنا اسی حالت اور ایسے وقت میں ہوا ہے تو ہم ایمان یا کفر بھی اب ہی کر سکتے ہیں اس لیے ہم دل سے اسے تیرا رسول تسلیم کرتے ہیں ہاں یہی تیرا رسول ہے۔

صلیب کو زمین پر رکھ کر عیسیٰ ابن مریم کو اس پر لٹایا گیا دونوں بازوؤں کو صلیب پر بچھا کر ہتھیلیوں میں کیل ٹھونک دیئے گئے اور دونوں پاؤں کو اوپر نیچے کر کے ان میں بھی کیل ٹھوک دیا گیا جو نیچے لکڑی کی صلیب میں پیوست ہو گیا۔ صلیب کو کھڑا کر دیا گیا یوں درمیان میں عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا جا رہا تھا اور دائیں بائیں دونوں ڈاکوؤں کو مصلوب کیا جا رہا تھا جو کہ ایمان لا چکے تھے۔

مصلوب کیے جانے کا منظر ایسا خوف ناک اور دہلا دینے والا ہوتا تھا کہ اگر بڑے سے بڑے دشمن کو بھی صلیب پر چڑھایا جا رہا ہوتا تھا تو اس پر بھی ترس آ جاتا تھا۔ جب عیسیٰ ابن مریم کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونکے جا رہے تھے تو عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر بار بار ایک ہی بات تھی کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں یہ وہ وقت تھا جس کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کہا

اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. آل عمران ۵۵

جب حالات سخت ہو گئے تب یقین تھا کہ اگر میں اللہ کا رسول ہوں جو کہ ہوں تو اللہ کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکالے گا کیونکہ اللہ اپنے رسول کو مغلوب نہیں ہونے دے سکتا نہ ہی قتل ہونے دے سکتا ہے اور پھر جب گرفتار کیا گیا تب بھی یقین تھا کہ اللہ کوئی نہ کوئی رستہ نکالے گا اور جب سزا سنا کر جیل بھیج دیا گیا تب بھی یقین

تھا کہ ابھی کون سا صلیب پر چڑھا دیا گیا اس لیے اب بھی اللہ کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکالے گا اسی میں اللہ کی کوئی حکمہ ہوگی اور پھر بالآخر جب صلیب پر چڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے اب کیا ہوسکتا ہے؟ اب تو موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی تب دل ہی دل میں نا امیدی اور شکوہ کی صورت میں عیسیٰ اللہ کو کہہ رہا تھا کہ یہ میرے ساتھ کیا کیا؟ تُو نے تو قدر میں کیا ہوا ہے کہ تیرا رسول ہی غالب رہے گا رسول کو کوئی قتل نہیں کر سکتا رسول کو کوئی بھی وفات نہیں دے سکتا تیرے علاوہ یعنی رسول کی زندگی کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تو پھر یہ کیا ہو رہا ہے؟

اِذۡقَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰٓى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ تب کہا اللہ نے اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے آگے چل کر مستقبل میں وفات دوں گا یعنی تُو اپنی پوری زندگی گزار کر طبعی طور پر وفات پائے گا تو آگے سے عیسیٰ نے اللہ سے کہا کہ پھر یہ جو مجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے یہ کیا ہے؟ تو اللہ نے اس کا آگے جواب دیا وَرَافِعُكَ اِلَىَّ اور یہ جو تیرے ساتھ کیا جا رہا ہے یہ تجھے رفع کر رہا ہوں اپنی طرف وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اور تجھے پاک کر رہا ہوں یعنی تجھے نکال کر لے جا رہا ہوں ان لوگوں سے جو تیرا کفر کر رہے ہیں، تیرا کفر کرنے والوں سے تجھے نکال کر ان میں لے جا رہا ہوں جو تجھے میرا بھیجا ہوا یعنی اللہ کا رسول تسلیم کرنے والے ہیں۔ یعنی تب اللہ نے عیسیٰ پر واضح کیا کہ یہ تجھے وفات نہیں دے سکیں گے یہ تجھے قتل نہیں کر سکیں گے اور یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے یہ میں تجھے رفع کر رہا ہوں اپنی طرف اللہ رفع کرتا ہے جیسے کہ اس کا قانون ہے اللہ آزمائش میں ڈال کر اس میں ثابت قدم رہنے والوں کو رفع کرتا ہے اور جو ثابت قدم نہیں رہتے انہیں رفع نہیں کرتا اور یہ جو تیرے ساتھ کر رہے ہیں یہ میری منصوبہ بندی ہے میں تجھے ان سے نکال رہا ہوں اس طریقے سے کہ کفر کرنے والوں کو ان کے کیے کی سزا دی جائے اگر تجھے ان کے سامنے بچا لیا جاتا اس مقام پر پہنچنے ہی نہ دیا جاتا تو ان کے لیے ایمان لانا ناگزیر ہو جاتا اور چونکہ یہ تو تیرا کفر کر چکے ہیں یہ مجرم ثابت ہو چکے ہیں تو اللہ کیسے مجرمین کو ان کے جرم کی سزا دیئے بغیر چھوڑ سکتا ہے اس لیے یہ میری حکمت کی انتہاء ہے کہ نہ صرف تجھے اس آزمائش کے ذریعے رفع کر رہا ہوں اور کفر کرنے والوں سے پاک کر رہا ہوں بلکہ مجرمین کے لیے بچاؤ کا رستہ ہی بند کر رہا ہوں، اسی کی مزید وضاحت آگے چل کر آئے گی۔

صلیب کھڑے کیے جانے کے بعد بھی ملاؤں کی طرف سے یہ آوازیں آ رہی تھیں کہ اے عیسیٰ اب بھی تیرے پاس وقت ہے صرف ایک بار اقرار کر لے کہ تُو کذاب ہے لیکن اب سامنے سے عیسیٰ ابن مریم درد کی شدت سے کراہتے ہوئے ایک ہی بات کہتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں۔ اتنے میں دائیں اور بائیں مصلوب کیے جانے والے دونوں افراد نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے اور چیختے ہوئے کہا کہ اے عقل کے اندھو! کیا تم غور نہیں کرتے ایسا شخص بھلا جھوٹا ہوسکتا ہے جسے اس قدر اذیت بھی اس کے موقف سے نہ ہٹا سکی؟

ہم سے پوچھو کہ جب موت آنکھوں کے سامنے ہو اور جان بچانے کا ایک موقع ملے تو اس کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ ہم ڈاکو تھے ہم نے ڈاکے ڈالے بڑے بڑے جرائم کیے ہم خود بھی جانتے ہیں ہم مجرم ہیں اور ہم اس سزا کے حقدار ہیں لیکن اس کے باوجود اگر ہمیں ایک موقع دیا جائے تو ہم جان بچانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں مگر دیکھو اس شخص کو، دیکھو جسے بار بار کہا جا رہا ہے کہ ایک بار خود کو کذاب کہہ دے تجھے چھوڑ دیا جائے گا تیری جان بچ جائے گی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا اسے اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں، اس نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی بلکہ اس اذیت کو گلے لگا رہا ہے۔

اے عقل کے اندھو! ذرا غور کرو ایک لمحے کے لیے اس بات کو مان لیتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے اللہ کا رسول نہیں ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس نے جھوٹ کیوں بولا ہوگا؟ اول تو یہ کہ دنیاوی مال و متاع کے لیے، عزت و شہرت کے لیے اور اگر یہ وجہ نہیں تو پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ پاگل شخص ہے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔ اور اگر دوسری وجہ ہوتی یعنی پاگل ہوتا تو پاگل پر سزا کا اطلاق نہیں ہوسکتا اس لیے پیچھے تو ایک ہی صورت بچتی ہے کہ دنیاوی مال و متاع، عزت و شہرت کی خاطر اور اگر ایسا ہوتا تو کیا موت کو گلے لگاتا یا پھر جان بچانے کی کوشش کرتا؟ جب زندگی ہی نہیں رہے گی تو مال و دولت کا کیا کیا جائے گا؟ کیا ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت ممکن ہے؟ نہیں نا؟ تو پھر عقل کے اندھو جان لو اپنے کان کھول کر سن لو اور آنکھیں کھول کر دیکھ لو، اے بدبختو یہ اللہ کا رسول ہے یہ کذاب ہو ہی نہیں سکتا۔

دائیں بائیں مصلوب کیے جانے والے مومنوں کی ان باتوں نے نہ صرف بڑے بڑے ملاؤں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی بلکہ عوام کو بھی جیسے سانپ سونگ گیا ہو اب لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جن کو ادراک ہو چکا تھا کہ وہ نہ صرف باطل پر ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور ہر کوئی یہی چاہ

رہا تھا کہ کہیں سے عیسیٰ کے حق میں کوئی آواز بلند ہو تو ہم اس کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے لیکن ہر کوئی یہی سوچ اور چاہ رہا تھا کوئی بھی پہل کرنے کو تیار نہ تھا اور یہ حق تو ان ملاّؤں کا بنتا تھا جن کی وجہ سے حالات یہاں تک آپہنچے اور وہ ملاّں بھی ایک دوسرے سے ہی امید رکھ رہے تھے کہ کوئی پہل کرے لیکن کسی نے پہل نہ کی۔

یہ منصوبہ بندی تو اصل میں اللہ کی تھی اس لیے دوسری طرف اللہ اپنا کام کر رہا تھا جج نے عیسیٰ ابن مریم کو سزا سنانے کے فوراً بعد عیسیٰ ابن مریم کے سب سے قریبی حواری جو کہ مالدار بھی تھا اس کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ بندی کی تھی کہ عیسیٰ ابن مریم کو اس کی موت سے پہلے ہی صلیب سے اتار لیا جائے گا جس کے لیے انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے دو حواریوں کو ذمہ داری سونپی کہ سپاہی کے روپ میں ایک پھالے سے عیسیٰ کی ناک کو ایک دوا لگا دیں جس کے سونگنے سے عیسیٰ بے ہوش ہو جائے گا اور پھر بالآخر عیسیٰ کو مردہ قرار دیتے ہوئے وہاں سے جسم کو لے جایا جائے گا اور اسی وجہ سے ہی جج نے عیسیٰ کی سزا کے لیے جمعہ کے دن کا تعین کیا تھا۔

بنی اسرائیل کے لیے ہفتے کا دن نہ صرف مقدس سمجھا جاتا تھا بلکہ ہفتہ چھٹی کا دن تھا ہفتے کو کچھ بھی نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی ہفتے کے دن کسی مجرم کو سزا دی جاتی تھی اور اگر کوئی مصلوب کیا گیا تو اسے ہفتے کا یوم شروع ہونے سے پہلے پہلے صلیب سے اتارا جانا لازم ہوتا تھا۔ جمعہ کے دن موجودہ وقت کے مطابق دن دو بجے عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا اور شام دس بجے سے پہلے پہلے یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے جسم کو صلیب سے اتارا جانا لازم تھا کیونکہ مغرب کیساتھ ہی ہفتے کا دن شروع ہو جانا تھا۔

جب بھی کسی کو صلیب پر چڑھایا جاتا تو صلیب پر موت ہوتے چھ دن بھی لگ جایا کرتے یہاں تک کہ چھ دنوں میں بھی موت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صلیب پر چڑھانے کے بعد نہ تو کچھ کھانے کو دیا جاتا اور نہ ہی پینے کو یوں بھوک، پیاس اور درد کی شدت کی وجہ سے انتہائی اذیت ناک طریقے سے موت ہوتے ہوتے دو، تین، چار، پانچ یا چھ دن بھی لگ جاتے یہاں تک کہ چھ دنوں میں بھی موت واقع نہیں ہوتی اور ہفتہ شروع ہونے سے پہلے اگر کسی کی موت واقعہ نہ ہوتی تو اسے پھالوں سے مارا جاتا اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دی جاتیں اور جب اس کی موت واقع ہو جاتی تو لاش کو صلیب سے اتار لیا جاتا۔ دن دو بجے صلیب پر چڑھایا گیا اور نو بجے کے قریب عیسیٰ کے ایک حواری نے سپاہی کے روپ میں پھالے کی نوک پر کپڑے کا ٹکڑا لپیٹ کر جو کہ بے ہوشی کی دوا لگا ہوا تھا ناک سے مس کیا جس کی وجہ سے عیسیٰ گہری بے ہوشی میں چلا گیا۔

جب صلیب سے اتارنے کا وقت آیا تو نہ صرف جج خود وہاں موجود تھا بلکہ حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا جج نے حکم دیا کہ صلیب سے اتار لیا جائے جس کے لیے موت کا ہونا لازم تھا عیسیٰ کے علاوہ دونوں ڈاکو درد کی شدت سے کراہ رہے تھے سپاہیوں نے پہلے دونوں ڈاکوؤں کو پھالے مار مار کر ان کی ہڈیاں تک توڑ دیں جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی اور انہیں صلیب سے اتار لیا گیا اور جب عیسیٰ ابن مریم کی باری آئی تو جج نے حکم دیا کہ دیکھا جائے زندہ ہے یا موت ہو چکی تو ایک سپاہی نے عیسیٰ کے پیٹ سے تھوڑا اوپر پسلیوں میں پھالا چبویا تا کہ اگر زندہ ہوا تو درد کی شدت سے جسم میں جنبش ہو گی لیکن پھالا چبانے سے جسم سے خون تو بہنا شروع ہو گیا لیکن جسم میں رائی برابر بھی جنبش نہ ہوئی تو سپاہی نے سمجھ لیا کہ موت واقع ہو چکی یوں سپاہی نے سوالیہ نظروں سے جج کی طرف دیکھا کہ آیا مزید پھالے مارنے ہیں یا پھر موت تو ہو چکی اب لاش صلیب سے اتارنی ہے تو جج نے فوراً حکم دے دیا کے جسم کو صلیب سے اتار لیا جائے۔

جب جسم کو اتارا جا رہا تھا تو وہی عوام جو پہلے عیسیٰ ابن مریم کی دشمنی میں ہر حد پار کر چکے تھے اب ان کے چہروں پر پشیمانی اور پچھتاوا جھلک رہا تھا گویا کہ ان کے ہاتھوں سے ظلم عظیم سرزد ہو گیا، سناٹا اور انتہائی افسردگی کا ماحول تھا ہر کوئی دشمن ہونے کے باوجود ایسے بجھا بجھا سا تھا جیسے کسی اپنے کی موت ہو گئی ہو۔

منصوبہ بندی کے تحت عیسیٰ ابن مریم کے چار حواریوں نے جج سے عیسیٰ ابن مریم کے جسم کا مطالبہ کیا تو جج نے ان کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے جسم کو ان کے حوالے کرنے کا حکم دے دیا اور عیسیٰ ابن مریم کے باقی حواری جو اس ساری منصوبہ بندی

چھیتے کہلوانے والے جو کہ فرقہ درفرقہ گروہوں میں تقسیم تھے ان کے ملّاؤں کی طرف سے عیسیٰ ابن مریم کی شدید مخالفت کی گئی اور وہی الزام لگایا جو ہر رسول پر لگایا جاتا رہا کہ یہ ایک نیا دین لے کر آ گیا ہے ایسا دین کے جس کے بارے میں نہ ہم نے کبھی سنا اور نہ ہی ہمارے آباؤاجداد نے کبھی سنا۔ حالانکہ حق تو یہ ہے کہ جب رسول بعث ہی تب کیا جاتا ہے جب سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تو پھر ظاہر ہے رسول کی ہر بات نئی ہی نظر آئے گی اس کی پوری کی پوری دعوت ہی ایسے نظر آئے گی گویا کہ پورے کا پورا دین ہی نیا ہے اس کے باوجود کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جو غور وفکر کرتا سوائے حسب سابق انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد کے۔

یوں بنی اسرائیل کے تمام تر فرقوں کے ملّاؤں نے عیسیٰ ابن مریم کے خلاف محاذ کھول دیا، اسے کذاب قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف قتل کے فتوے جاری کیے گئے حکومت پر دباؤ ڈالا گیا اور حکومت نے دباؤ کا شکار ہو کر نہ صرف عیسیٰ ابن مریم کے خلاف مقدمہ درج کر لیا بلکہ سزا دینے کا بھی وعدہ کیا۔ یوں ایک شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں سوائے مسلمانوں کے ہر کوئی اس بات پر متفق ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم تھا لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ چھومنتر کر کے اس کے ایک حواری کو اس کا ہمشکل بنا دیا گیا جو کہ عیسیٰ ابن مریم کے شبے میں گرفتار کر لیا گیا۔ ویسے تو یہ بات بالکل بے بنیاد اور جاہلانہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے ایک غدار حواری کی چھومنتر کر کے شکل بدل دی گئی اور عیسیٰ کو دو فرشتے زندہ اٹھا کر اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس لے گئے لیکن اس کے باوجود اگر یہ بات مان بھی لی جائے گی تو کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

جن میں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جسے بھی گرفتار کیا گیا اسے گرفتار کر کے اس پر باقائدہ مقدمہ چلایا گیا جس میں اس کو فساد فی الارض کے الزام کے تحت مصلوب کیے جانے کی سزا سنائی گئی یعنی بذریعہ صلیب قتل کیے جانے کی سزا سنائی گئی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص اگر عیسیٰ ابن مریم نہیں تھا تو کیا اس نے ایک بار بھی یہ نہ کہا کہ میں عیسیٰ ابن مریم نہیں ہوں بلکہ اسی کا ایک حواری ہوں وہی جس نے غداری کی اور میری شکل اس سے بدل دی گئی؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم کا ہمشکل ہو اور اس نے ایسی بات نہ کی ہو؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے جایا جا رہا تھا تو عوام مار رہی تھی اور وہاں موجود ملّاؤں کا یہی کہنا تھا کہ تُو اگر مان لے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب ہے تو تیری جان چھوٹ جائے گی تیری جان بچ جائے گی تو کیا اس شخص نے اپنی جان بچانے کے لیے جو سچ تھا وہ بیان نہ کیا؟ عدالت میں ملّاؤں کی طرف سے بار بار کہا گیا کہ تُو ایک بار اس بات کا اقرار کر لے کہ تُو کذاب ہے اور جج نے بھی بار بار کہا کہ ایک بار اس دعوے سے انکار کر دے یعنی یہ کہہ دے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں ہے تو تیری جان بچ جائے گی اب اگر وہ عیسیٰ نہیں تھا تو اس شخص نے اپنی جان بچانے کے لیے کیوں نہ سچ بتا دیا؟ چلو اگر سچ نہ بھی بتاتا تو کم از کم اپنی جان بچانے کے لیے کہہ دیتا کہ ٹھیک ہے جو بھی کہتے ہو میں کہنے کو تیار ہوں میں تسلیم کرنے کو تیار ہوں بس میری جان چھوڑ دو تو اس شخص نے ایسا کیوں نہ کیا؟

اور جب اس کی گواہی پر عیسیٰ کو گرفتار کیا گیا جو کہ سب سے اہم گواہ تھا کیا عدالت نے اس گواہ کو طلب نہ کیا؟ اگر طلب نہ کیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ سب سے اہم گواہ کو عدالت طلب ہی نہ کرے؟ اور اگر طلب کیا تو ظاہر ہے وہ تو غائب پایا گیا کیونکہ مسلمانوں کے بقول اس کی شکل تو عیسیٰ سے بدل دی گئی تھی اور اسی کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا گیا تھا تو ایسی صورت میں کیا اس شخص کو تلاش نہ کیا گیا؟ اس کے غائب ہونے پر کیا کچھ بھی نہ ہوا؟ اور صلیب دیئے جانے کے بعد جب جسم کو صلیب سے اتار کر غار نما قبر میں لے جایا گیا تو اگر وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں تھا تو غار نما قبر سے تیسرے دن جسم کہاں چلا گیا؟

تاریخ میں جو کہ بائبل کا نیا عہد نامہ ہے جسے خود کو مسلمان کہلوانے والے انجیل کہتے ہیں اس میں یہ بات صراحت کیساتھ موجود ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کے بعد جب قبر میں لے جایا گیا تو تیسرے دن وہ شخص زندہ ہو گیا قبر سے نکل کر نا معلوم مقام پر منتقل ہو گیا اور چالیس دن تک اپنے حواریوں سے ملاقاتیں کرتا رہا چالیس دن کے بعد اس پورے خطے میں کبھی نظر نہیں آیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چالیس دن بعد زندہ آسمانوں پر اللہ کے پاس چلا گیا۔ اب اگر وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بالکل ایک غدار حواری تھا تو اس کا مطلب کہ وہ غدار حواری تیسرے دن زندہ ہو گیا اور زندہ ہونے کے بعد چالیس دن تک عیسیٰ بن کر اس کے حواریوں سے ملاقاتیں کرتا رہا انہیں ہدایات دیتا رہا اور اس کے بعد وہ آسمانوں پر چڑھ کر اللہ کے پاس چلا گیا یعنی اسے اللہ نے اپنے پاس بلا لیا؟

پھر جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا اسے بار بار یہی کہا جاتا رہا کہ ایک بار کہہ دے کہ تُو کذاب ہے اللہ کا رسول نہیں تو اب بھی تیری جان بچ جائے گی لیکن وہ شخص آگے سے ایک ہی جواب دیتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ اگر وہ غدار حواری تھا تو وہ اپنی جان بچانے کی بجائے ایسا کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں؟

آج تک ان ملاّؤں نے واقعہ صلیب کا جو نقشہ بیان کیا اس میں انہوں نے انتہاء کی مکاری، چالاکی، مکرو فریب اور جھوٹ کا سہارا لیا ان لوگوں نے واقعہ صلیب کی حقیقت بیان کرنے کی بجائے اسے یوں بیان کیا جس سے سامنے والوں کو یہ تاثر ملے کہ یہودیوں نے ایک شخص کو پکڑا اور پھانسی پر چڑھا دیا یعنی دیکھتے ہی دیکھتے پکڑا اور صولی یعنی پھانسی پر چڑھا دیا گیا لوگ سمجھتے ہیں جیسے آج گلے میں رسی ڈال کر لٹکا یا جاتا ہے پھانسی دی جاتی ہے ایسا ہی اس وقت ہوا تھا اور اگر یہ لوگ ایک بار بھی واقعہ صلیب کی حقیقت لوگوں کے سامنے لے آتے تو ان کا دجل وفریب چاک ہو جاتا، ان کی مکاری ظاہر ہو جاتی اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آج تک لوگوں کو اپنے دجل وفریب کا شکار کیے رکھا، کیونکہ انہیں علم ہے کہ اگر واقعہ صلیب کی تفصیل بیان کر دی گئی تو ایسے ایسے سوالات پیدا ہو جائیں گے کہ نہ صرف یہ لوگ کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دے سکیں گے بلکہ ان کے نسل در نسل منتقل ہونے والے ان عقائد و نظریات کا جڑ سے ہی خاتمہ ہو جائے گا۔

یہ چند سوالات ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے کوئی چاہ کر بھی جوابات نہیں دے سکتا کیونکہ جب جرم کر کے اسے چھپانے کے لیے جھوٹ بولا جائے تو پھر تب تک جھوٹ پر جھوٹ ہی بولا جائے گا جب تک کہ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے رجوع نہیں کر لیا جاتا۔ اگر کوئی اپنے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات پر ڈٹا رہتا ہے تو پہلی بات کہ وہ چاہ کر بھی ان میں سے کسی ایک سوال پر بھی مطمئن نہیں کر سکتا اور اگر وہ اس کے لیے مزید دغا بازی، مکاری اور جھوٹ کا استعمال کرے گا تو وہی جھوٹ مزید لا تعداد سوالات کو جنم دے گا یوں ایسا شخص اپنے آپ کو ایسی دلدل میں پائے گا کہ جتنا زور لگائے گا اتنا ہی اس میں دھنستا چلا جائے گا۔

آپ خود غور کریں کہ ایک شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے اگر وہ مجرم نہیں تھا یا اسے کسی دوسرے کے شبے میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور اس کی گرفتاری سے لیکر عدالتی کاروائی تک، عدالتی کاروائی میں فساد فی الارض کے الزام میں مصلوب کی سزا سنائے جانے سے لیکر صلیب پر جب تک وہ ہوش میں رہا تب تک ایک ہی مطالبہ کیا جاتا رہا کہ ایک بار کہہ دے کہ تُو اللہ کا رسول نہیں بلکہ تُو کذاب ہے تو تیری جان بچ جائے گی تو کیا وہ خاموش رہتا؟ کیا وہ اپنی جان بچانے کے لیے جو وہ کہتے وہ اقرار نہ کر لیتا؟ اگر وہ رسول تھا ہی نہیں وہ تو شبے میں پکڑا گیا تھا تو اسے تو کچھ بھی کہہ کر اپنی جان بچانی چاہیے تھی لیکن کیا ایسا ہوا؟ نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوا اس شخص کا یہی دعویٰ رہا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور آخر تک اپنے اسی دعویٰ پر ڈٹا رہا بار بار اپنی زبان سے ایک ہی بات کرتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں اللہ کا رسول ہوں جس سے یہ بات بالکل کھل کر ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کا رسول عیسیٰ ابن مریم ہی تھا۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے اس کا کفر کیا انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہی دیکھا کہ عیسیٰ مصلوب ہو گیا یعنی عیسیٰ کی صلیب پر موت ہو گئی عیسیٰ کو بذریعہ صلیب قتل کر دیا لیکن یہ ان کا ظن تھا یعنی انہوں نے جو دیکھا اسی کو انہوں نے سچ سمجھ لیا اس کا اصل علم ان کو نہیں تھا اللہ نے ان سے علم چھپا دیا اور وہ یہ تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو وہ چاہ کر بھی مصلوب نہ کر سکے یعنی عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ یہ تو اللہ کی حکمۃ تھی اللہ نے عیسیٰ کو ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے اس طرح بچایا کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی کا اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیات میں ذکر کیا جن آیات کے تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر آج تک دھوکہ دیا جاتا رہا۔

وَّقَـوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ وَاِنَّ الَّـذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا۔ النساء ۱۵۷

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ اس آیت میں اللہ کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کا کفر کیا ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قتل کر دیا المسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کر دیا؟ کیونکہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا رسول تو تسلیم ہی نہیں کیا

تھا اگر وہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیتے تو قتل کیوں کرتے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کا کہنا یہ نہیں کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم جو اللہ کا رسول تھا اسے قتل کر دیا بلکہ یہ تو اللہ کہہ رہا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے المسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے جو اللہ کا رسول تھا اسے قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے اللہ کا رسول ہونے کا کفر کیا تھا ان کا تو یہ کہنا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور اللہ کا ان کو یہ کہنا ہے کہ جسے تم قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو وہ المسیح تھا یعنی وہی المسیح جس کی بعثت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا جو کہ اللہ کا رسول تھا اس لیے اے عقل کے اندھو غور کرو کیا رسول قتل ہو سکتا ہے؟

تم اللہ کے رسول کو قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو کیونکہ عیسیٰ ابن مریم تو المسیح اللہ کا رسول تھا اور رسول کیسے قتل ہو سکتا ہے؟ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا، رسول کو قتل کرنا تو بہت دور کی بات ہے رسول کو جن کی طرف بھیجا جاتا ہے جب تک وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا اس کی موت نہیں ہو سکتی اسے کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور تم کہہ رہے ہو کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا؟

اللہ نے ایسا کیوں کہا اس کی ایک وجہ تو آپ پر واضح کر دی گئی کہ رسول کا قتل ہونا تو بہت دور کی بات ہے جو رسول ہوتا ہے اس کی تو اس وقت تک موت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اللہ رسول بعث ہی تب کرتا ہے جب سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں اور لوگوں پر حق نہ صرف کھول کھول کر واضح کرنا ہوتا ہے بلکہ ہر کسی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ حق کو تسلیم کرے اگر کوئی زبان سے یعنی جب رسول دعوت دیتا ہے تو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر رسول کی موجودگی میں ہی اللہ ڈنڈے کیساتھ حق کو منواتا ہے اس لیے رسول کی اس وقت تک موت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ نہ صرف وہ جن کی طرف بھیجا گیا ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دے بلکہ وہ لوگ اگر زبان سے نہیں مانتے تو رسول کی موجودگی میں اللہ ہر ایک کو حق منواتا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے وہ ہوں جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا یا پھر ان کے علاوہ کوئی بھی ہو جو یہ کہے کہ عیسیٰ ابن مریم قتل ہو گیا تھا۔ عیسیٰ ابن مریم المسیح اللہ کا رسول تھا اس کا قتل ہونا تو دور کی بات اس کی اس وقت تک نہ تو موت ہو سکتی ہے نہ ہی وہ دنیا سے کہیں غائب ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا جس مقصد کے لیے اسے دنیا میں بھیجا گیا اس لیے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا جب واقعہ صلیب ہوا یعنی عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے اسے صلیب پر چڑھایا گیا کیا اس وقت تک عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر پہنچا چکا تھا؟ اگر تو حق کھول کھول کر پہنچا چکا تھا تو کیا اس کی موجودگی میں یعنی اس کی موت سے پہلے ہر کوئی عیسیٰ ابن مریم پر ایمان لے آیا تھا؟ اگر تو ایسا ہو چکا تھا تو پھر یہ ممکن ہے کہ عیسیٰ کی موت ہو گئی یا وہ دنیا سے غائب ہو گیا لیکن قتل وہ پھر بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول کو قتل کیا ہی نہیں جا سکتا اور اگر ایسا نہیں یعنی جب عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا تب تک عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک حق نہیں پہنچا پایا تھا اور تمام کے تمام بنی اسرائیل عیسیٰ ابن مریم کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہیں لائے تھے تو پھر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے یا کوئی کچھ ہی کیوں نہ کہے نہ تو عیسیٰ کی موت ہونا ممکن ہے اور نہ ہی کہیں غائب ہونا اور پھر جو عیسائیوں اور مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ آسمانوں پر چڑھ گیا یہ بھی بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے۔

یعنی جب واقعہ صلیب ہوا اگر تب تک عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک حق کھول کھول کر نہیں پہنچا سکے تھے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے یا پھر اگر پہنچا بھی چکے تھے اور ان کی موجودگی میں تمام کے تمام بنی اسرائیل ایمان نہیں لائے تھے تو نہ ہی عیسیٰ کی موت ممکن ہے اور نہ ہی عیسائیوں اور مسلمانوں کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ زندہ آسمانوں پر اللہ کی طرف چڑھ گیا۔ اس لیے اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ صلیب تک کیا عیسیٰ ابن مریم تمام کے تمام بنی اسرائیل تک دعوت کھول کھول کر پہنچا چکے تھے اور اگر پہنچا چکے تھے تو کیا سب کے سب ان پر ایمان لا چکے تھے یا پھر نہیں؟

اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیت میں کہا

وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۔ آل عمران ۴۹

اور ایک رسول تھا وہ رسول جو تب بعث کیا گیا جب اس کی بعث سے قبل بنی اسرائیل ضلالٍ مبینٍ میں تھے یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی بھیجا ہوا تھا بنی اسرائیل کی طرف۔

اللہ نے اس آیت میں بالکل صراحت کیساتھ کھول کر واضح کر دیا کہ عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا اور یہی بات خود عیسیٰ ابن مریم نے بھی اپنی

زبان سے بنی اسرائیل سے کہی اور نہ صرف یہ بات کہی بلکہ اپنے بعد مزید رسولوں کی بعث کی بھی بشارت دی کہ ان میں سے جب بھی رسول آئے گا تو اس کا اسم احمد ہو گا جیسا کہ درج ذیل آیت میں صراحت کیساتھ یہ بات موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ . الصف ٦

جیسے آج خود کو مسلمان کہلوانے والوں پر ذلت و مسکنت مسلط ہو چکی ہے دوسری قومیں ان پر ہر طرف سے چڑھ رہی ہیں اور یہ دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اپنے خطوں سے نکلنے یعنی ہجرت کر کے دنیا میں بھر میں پناہ لینے پر مجبور ہیں بالکل ایسے ہی عیسیٰ ابن مریم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل پر ذلت مسلط ہو چکی تھی اور وہ دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہو رہے تھے اپنے علاقوں سے نکلنے یعنی ہجرت کرنے پر مجبور ہو کر دوسرے علاقوں میں پناہ لیے ہوئے تھے۔

جیسے محمد علیہ السلام کے بعد اس امت جو کہ اہل الکتاب ہیں انہیں وسیع زمین پر تمکن حاصل ہوا ان کی حکومت قائم ہوئی بالکل ایسے ہی موسیٰ کے بعد سلیمان بن داؤد کے ذریعے بنی اسرائیل جو کہ اس وقت اہل الکتاب تھے کو پوری دنیا میں تمکن حاصل ہوا یعنی پوری دنیا میں ان کی حکومت قائم ہوئی لیکن سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد آل داؤد نے شکر کی بجائے کفر کیا یعنی جو کچھ انہیں دیا گیا جس مقصد کے لیے دیا گیا انہوں نے اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ ان کے ہاتھوں سے علاقے نکلنے لگے یہاں تک کہ پوری زمین ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور وہ ذلیل و رسوا ہو گئے یعنی انہوں نے داؤد اور سلیمان کی قائم کردہ الصلاۃ کو ضائع کر دیا۔

سلیمان علیہ السلام نے چونکہ پوری دنیا فتح کی تھی اقوام عالم کیساتھ جنگیں کی تھیں ان کے اسباب و وسائل ختم کر دیئے تھے پوری زمین کو دوبارہ فطرت پر قائم کر دیا تھا جس وجہ سے وہ تمام کے تمام طبقات جن سے سلیمان نے اقتدار چھین لیا تھا وہ امت بنی اسرائیل کے دشمن بن گئے تھے اور پھر جب سلیمان کی موت کے بعد آل داؤد نے شکر کی بجائے کفر کیا تو نہ صرف ان کے ہاتھوں سے علاقے نکل گئے بلکہ پھر انہی اقوام نے بنی اسرائیل سے بدلے کی غرض سے ان پر چڑھائی کر دی انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹا ان سے ان کے علاقے چھین لیے اور یوں بنی اسرائیل کو ایسے ہی اپنے علاقوں سے جان بچا کر نکلنا پڑا جیسے آج شام، عراق و یمن سمیت مختلف خطوں سے خود کو مسلمان کہلوانے والے ہجرت کر کے دنیا بھر میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔

بنی اسرائیل مجموعی طور پر تیرہ قبائل میں تقسیم تھے ان میں سے دس قبائل نے اس دوران ہجرت کر کے آج کے پاکستان و افغانستان کے قبائلی علاقوں میں پناہ لی یہاں آ کر آباد ہو گئے جو کہ آج پشتون قوم کہلاتی ہے اور تین قبائل نے موجودہ عراق کے صوبے نینویٰ میں پناہ حاصل کی۔

عیسیٰ ابن مریم کی بعثت سے چند صدیاں پہلے ایران کے ایک سائرس نامی بادشاہ نے نہ صرف عراق بلکہ شام و اسرائیل سمیت وسیع علاقوں کو فتح کر لیا۔ بنی اسرائیل کے تین قبائل جو عراق کے صوبے نینویٰ میں نسل در نسل بطور مہاجر آباد تھے یہ مظلوم و لاچار قوم کے طور پر جانے جاتے تھے سائرس ایرانی نے ان پر ترس کھاتے ہوئے ان کو واپس ان کے علاقے اسرائیل میں لا بسایا۔

یوں بنی اسرائیل کے تین قبائل دوبارہ واپس اپنے علاقے اسرائیل میں آ گئے لیکن دس قبائل کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے جنہیں آج بھی بنی اسرائیل کی دس گم شدہ قبائل کے نام پر یاد کیا جاتا ہے اور وہ دس گم شدہ بنی اسرائیل قبائل وہ قوم ہے جسے دنیا پشتون قوم کے نام سے جانتی ہے جو کہ موجودہ پاکستان و افغانستان کی قبائلی پٹی پر آباد ہیں۔

عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو پہلے بنی اسرائیل کے تین قبائل جو کہ اسرائیل میں آباد تھے ان کی طرف بھیجا اور ان کی طرف پہلے بھیجنے کی وجہ بھی یہی تھی کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ یہ کفر ہی کریں گے یوں اللہ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے عیسیٰ ابن مریم کو پہلے ان تین قبائل کی طرف بھیجا ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو باقی دس قبائل کی طرف بھیجنا تھا۔

پیچھے آپ یہ جان چکے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم نے جب اسرائیل میں بنی اسرائیل کے ان تین قبائل کو دعوت دی تو انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کیساتھ کیا کیا؟ یعنی

عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے اپنی طرف سے انہیں قتل کر دیا۔ اب جبکہ یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی ہے کہ جب عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا تب تک عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیل کے تیرہ میں سے صرف تین قبائل تک دعوت پہنچائی تھی اور دس قبائل ابھی باقی تھے جن کی طرف ابھی عیسیٰ ابن مریم کو اپنی دعوت لیکر جانا تھا تو پھر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کا قتل ہونا تو بہت دور کی بات عیسیٰ کی موت یا پھر عیسیٰ آسمانوں پر کیسے چڑھ گیا؟ دنیا سے غائب کیسے ہو گیا؟ عیسیٰ کو جس مقصد کے لیے بعث کیا گیا وہ اس مقصد کو پورا کیے بغیر دنیا سے کیسے چلا گیا؟ ایسا تو ممکن ہی نہیں۔ اس لیے یہ بات آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ جب واقعہ صلیب ہوا تب نہ تو عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا جاسکا یعنی عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت نہیں ہوئی انہیں بذریعہ صلیب قتل نہیں کیا جاسکا نہ ہی ان کی موت ہوئی اور نہ ہی وہ دنیا سے کہیں غائب ہو گئے کہ وہ آسمانوں پر جا چڑھے اس لیے ایسے تمام کے تمام دعوے بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتے ہیں اور اسی کا اللہ نے آگے ذکر کیا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور نہیں عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پا رہے اور جو اسے صلیب پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو جو صلیب پر چڑھایا گیا اور قتل نہیں کر سکے تو پھر ہوا کیا؟ وہ کیا تھا جو لاکھوں لوگوں کے سامنے عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا اور پھر ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے اس کا جسم صلیب سے اتارا گیا کہ عیسیٰ کا قتل ہو گیا؟ تو اسی سوال کا آگے اللہ نے جواب دیا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور لیکن شبہ تھا ان کو۔ شبہ کہتے ہیں جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کانوں سے سنتے ہیں یا کہیں پڑھتے ہیں تو حقیقت وہ نہیں جو آپ نے دیکھا سنا یا پڑھا بلکہ حقیقت کیا ہے اس کا علم مکمل طور پر آپ سے چھپا دیا گیا جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے لیکن آج آپ جانتے ہیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے اور جب تک حقیقت سامنے نہیں آئی تب تک جو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے حق تسلیم کر رہا تھا وہ حق نہیں بلکہ شبہ تھا۔

اس آیت میں بھی اللہ نے یہی کہا کہ ان کو شبہ تھا یعنی انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے سارا منظر دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے اس کیخلاف محاذ کھولا گیا اس پر فساد فی الارض کا مقدمہ درج کروا کر اسے گرفتار کروایا گیا اس کے بعد عدالت نے فساد فی الارض کے الزام کے تحت مصلوب کیے جانے کی سزا سنائی اور بالآخر لاکھوں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سرعام عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور کچھ گھنٹوں بعد اس کی موت کی تصدیق کرتے اس کی لاش کو صلیب سے اتارا گیا لیکن یہ جو کچھ بھی ہر کسی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یہ حقیقت نہیں تھی بلکہ حقیقت کیا ہے اس کا ان میں سے کسی کو نہیں علم تھا حقیقت کا صرف اور صرف اللہ کو علم تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت نہیں ہوئی یہ جو کچھ بھی ہوا تھا یہ تو اصل میں اللہ ہی کی ساری منصوبہ بندی تھی وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو جو بھی اس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی دنیا میں جو جو لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے صلیب والے واقعے میں اختلاف کر رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ مصلوب کر دیئے گئے یعنی صلیب پر ان کو قتل کر دیا گیا، کوئی کہتا ہے صلیب پر موت تو ہو گئی لیکن تیسرے دن زندہ ہو کر آسمانوں پر چلے گئے اللہ کی طرف اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں جسے صلیب پر چڑھایا گیا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ ان کا غدار حواری تھی جس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے بدل دی گئی اور عیسیٰ ابن مریم کو تو فرشتے زندہ ہی اٹھا کر اوپر آسمانوں پر اللہ کی طرف لے گئے تھے تو اللہ ان تمام کے تمام اختلاف کرنے والوں کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ان میں سے کسی کو بھی اس بارے میں کوئی علم نہیں یہ تمام کے تمام شکوک میں ہیں اس سے اور آگے ان لوگوں کے بارے میں مزید کہا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ نہیں ہے ان کو اس سے رائی برابر بھی علم اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ مگر اتباع کر رہے ہیں ظن کی۔

الظَّن. ظن کہتے ہیں بغیر علم کے بات کو جو محض سن، دیکھ یا پڑھ کر سچ مان لیا جائے نہ کہ اس کی بنیاد علم ہو۔ اسے ایک مثال سے آپ پر واضح کرتے ہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ سورج سفر کر رہا ہے، سورج اوپر چڑھتا ہے آگے بڑھتا ہے پھر نیچے کو ڈھلتا ہوا ڈوب جاتا ہے یعنی سورج زمین کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے جس سے رات اور دن ہو رہے ہیں لیکن یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اب جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ ظن ہے اور اگر اسے بغیر علم حاصل کیے سچ مان لیا جائے تو یہ ظن کی اتباع کہلائے گی۔

اور علم کیا ہے وہ آج آپ پر کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھوم رہا جس سے رات اور دن ہو رہے ہیں بلکہ زمین اپنے ہی محور پر سورج کے گرد گھوم رہی ہے جس سے رات اور دن جا آ رہے ہیں۔ کسی بھی بات کو محض کہیں سے پڑھ کر، سن کر یا دیکھ کر بغیر غور و فکر کر کے علم حاصل کیے حق تسلیم کر لینا ظن کی اتباع کہلاتا ہے۔

اللہ کا کہنا ہے کہ جو جو لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں ہر کسی کا دعویٰ ہے کہ وہی اس حوالے سے حق پر ہے اور باقی سب گمراہ ہیں باطل پر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے واقعہ صلیب کے حوالے سے رائی برابر بھی علم نہیں ہے یہ تمام کے تمام لوگ صرف اور صرف اسی کے پیچھے چل رہے ہیں جو انہوں نے سنا دیکھا یا پڑھا۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی علم نہیں ہے یہ بغیر علم حاصل کیے اسی کے پیچھے چل رہے ہیں جو انہوں نے کہیں سے سنا، دیکھا یا پھر کہیں پڑھا۔

اور آج اگر آپ خود اپنے ہی گریبان میں جھانکیں کہ کیا حقیقت یہی نہیں ہے کہ آج تک آپ ظن کی ہی اتباع کرتے چلے آرہے ہیں یعنی جو کچھ آپ نے کہیں سے یا کسی سے بھی سنا جو انسانوں کا کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ پڑھا اس کے پیچھے چل رہے ہیں بجائے یہ کہ آپ اس بارے میں علم حاصل کرتے؟ حق بالکل واضح ہے بنی اسرائیل میں سے وہ ہوں جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا تھا انہوں نے بھی ظن کی ہی اتباع کی یعنی انہوں نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا اسے ہی اصل حقیقت مان لیا حالانکہ حق تو یہ ہے کہ رسول بھلا کیسے قتل ہوسکتا ہے؟ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا اور ایسے ہی عیسائیوں اور مسلمانوں کا معاملہ ہے جو ان کے آباؤاجداد نے کتابوں میں لکھ دیا اور جو کچھ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے جو کچھ ان کے مذہبی ٹھیکیدار ان کو سناتے ہیں یہ صرف سن، دیکھ اور پڑھ کر بغیر علم حاصل کیے اس کے پیچھے چل رہے ہیں کسی ایک کے بھی پاس اس حوالے سے رائی برابر بھی علم نہیں ہے۔

اگر ان کے پاس علم ہوتا تو یہ لوگ کبھی بھی ایسا نہ کہتے کیونکہ جب عیسیٰ اللہ کا رسول تھا اور اسے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو وہ بغیر اس مقصد کو پورا کیے کیسے کہیں غائب ہوسکتا ہے؟ کیسے اس کی موت ہوسکتی ہے؟ کیسے وہ آسمانوں پر چڑھ سکتا ہے؟

میرا بنی اسرائیل اور عیسائیوں کے ہر شخص سے سوال ہے کہ جب واقعہ صلیب پیش آیا تو کیا اس وقت عیسیٰ ابن مریم تمام بنی اسرائیل تک حق کھول کھول کر پہنچا چکا تھا؟ اگر پہنچا چکا تھا تو کیا سب کے سب عیسیٰ ابن مریم کی موت سے پہلے ایمان لا چکے یا ایمان لانے پر مجبور ہو گئے تھے؟

اگر نہیں جو کہ یقیناً نہیں اور تم خود بھی جانتے ہو تو پھر تم عیسیٰ ابن مریم کے قتل اور آسمانوں پر جانے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو؟

جان لو اور اپنی بائبل کو کھولو خواہ وہ نیا عہد نامہ ہو یا پھر پرانا عہد نامہ اسے کھولو اور پوچھو اپنے پادریوں سے جو تمہارے دین و مذہب کے ٹھیکیدار ہیں کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی رسول جن کی طرف بھیجا گیا ہو ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے سے پہلے قتل ہو جائے یا اس کی وفات ہو جائے یا پھر وہ کہیں بھی غائب ہو جائے؟

اے اہل الکتاب یعنی آسمانوں و زمین کے وارث کہلوانے والو جو کہ خود کو مسلمان کہلواتے ہو امت محمد کہلواتے ہو تم سے بھی سوال ہے اور تمہارے تمام کے تمام ملاؤں دین و مذہب کے ٹھیکیداروں، تمہاری راہنمائی کے دعویداروں سے سوال ہے اور یہ چیلنج ہے کہ سب اپنے اپنے دعوے سچ ثابت کر کے دکھاؤ؟ کیا کوئی اللہ کا رسول جس قوم کی طرف بھیجا جائے اس قوم تک حق کھول کھول کر پہنچانے سے قبل وفات پا سکتا ہے؟ قتل ہوسکتا ہے؟ غائب ہوسکتا ہے؟ کہیں بھی جاسکتا ہے؟ اللہ کے قانون کے خلاف آسمانوں پر چڑھ سکتا ہے؟

اے اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والو اور ان کے تمام کے تمام عالمو، لیڈرو، امیرو، میرا تم سے یہ سوال ہے کہ کیا کوئی اللہ کا رسول ایسا ہے جو جس قوم کی طرف بھیجا گیا ہو اس قوم تک پیغام پہنچانے سے قبل اللہ کے قانون کے ہی خلاف آسمانوں پر اٹھا لیا جائے؟

کیا رسول ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ جن کی طرف بھیجا جائے نہ تو وہ ان کی طرف پیغام پہنچا پائے اور نہ ہی اس کی موت سے پہلے اس کی موجودگی میں ہر کوئی اس پر ایمان لایا ہو اور وہ دنیا سے چلا جائے؟ اس کی موت ہو جائے؟ غائب ہو جائے یا اللہ کے قانون کے خلاف آسمانوں پر چڑھ جائے؟

آؤ اپنا دعویٰ سچ ثابت کرو؟

آؤ جواب دو؟ ورنہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر بہتان تراشی چھوڑ دو؟

چاہے جیسا بھی تمہارا دعویٰ ہے اسے سچ ثابت کرو؟

اے تمام کے تمام فرقو، گروہو، تنظیمو، جماعتو جواب دو؟

اے مسلک، تنظیم، گروہ، جماعت وغیرہ کے نام پر فرقو آؤ اور جواب دو؟

اور اے عیسائیو؟ عیسائیوں کے تمام کے تمام فرقو تم بھی اس کا جواب دو؟ کیونکہ تمہارے دین کی تو بنیاد ہی صلیب پر یعنی عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت

ہونے پر کھڑی ہے جواب دو ورنہ تمہاری تو جڑ ہی کٹ چکی، تمہارے دین کی بنیاد ہی جڑ سے نہ صرف اُکھڑ چکی بلکہ سرے سے غائب ہو چکی۔ صدیوں سے تمہارے دجل کا آج اختتام ہو چکا۔

اگر تم یہ ثابت کر دو کہ واقعہ صلیب پیش آنے تک عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیل کے تمام تیرہ قبائل تک حق کھول کھول کر پہنچا چکے تھے اور ان کی موجودگی میں ان کی موت سے پہلے تمام کے تمام اہل الکتاب ایمان لا چکے یا ایمان لانے پر مجبور ہو چکے تھے تو تمہارا دین دینِ حق اور جیسے ہی تم یہ ثابت کر دو گے میں یہ اعلان کرتا ہوں تمہاری من پسند شرائط کے مطابق تمہارا دین اختیار کر لوں گا نہ صرف تمہارا دین اختیار کر لوں گا بلکہ تمہارے دین کے دینِ حق ہونے کا دعویدار بن کر اعلانات کروں گا۔ اور اگر تم یہ ثابت نہ کر سکو اور یقیناً ہرگز ثابت نہ کر سکو گے تو کیوں اللہ سے کفر کر رہے ہو؟ بتاؤ یہ کیسے ممکن ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مقصد رسالت کو پورا کرنے سے قبل ہی قتل ہو جائیں، وفات پا جائیں یا بقول تمہارے تیسرے دن زندہ ہو کر آسمانوں پر چلے گئے ایسا کیسے ممکن ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ عاجز آ گیا؟ اور کل کو روز محشر بنی اسرائیل میں سے وہ جن تک تمہارے بقول پیغام پہنچانے سے قبل ہی قتل ہو گئے پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے جس کی وجہ سے ان تک بعد میں آنے والے رسولوں کی بشارت نہ پہنچی، وہ بشارت تو بعد کی بات ان تک خود عیسیٰ ابن مریم ہی نہ پہنچے جس کی وجہ سے وہ کفر و شرک کی حالت میں مر گئے تو کیا ان کے لیے اللہ کے ہاں یہ عذر نہیں ہوگا کہ اے اللہ تو تو اپنے ہی قول میں جھوٹا ہے کہ خود تُو نے کہا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا لیکن وہ ہم تک تو پہنچ ہی نہ پایا آخر ایسا کیوں، کیا تُو عاجز آ گیا تھا؟ جنہوں نے تیرا کفر کیا وہ غالب آ گئے تھے کہ تجھے عیسیٰ کو ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی اٹھانا پڑ گیا؟ اور جب ہم تک پہنچا ہی نہیں تھا تو پھر آج ہم سے حساب کس بات کا؟ کیونکہ تیرا اپنا قول ہے کہ رسول لوگوں پر اللہ کی حجت ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ النساء ۱۶۵

رسول بشارت دینے والے اور متنبہ کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ پر حجت رسول کے بعد۔

یعنی اللہ انسانوں پر حجت کے لیے رسول بھیجتا ہے رسول کہتے ہیں اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانے والا اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے یا تو انسان ہدایت اختیار کر لے یا پھر رسول کے ذریعے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لیے اللہ پر حجت نہ رہے بلکہ الٹا اس پر اللہ کی حجت ہو جائے کل کو اس کے پاس کسی بھی سوال پر کوئی بہانہ نہ رہے کل کو جب حساب لیا جائے تو وہ چاہ کر بھی کوئی بہانہ یا عذر پیش نہ کر سکے۔ اور اگر اللہ رسول بھیجتا ہے جن کی طرف بھیجتا ہے رسول ان کی طرف پہنچتا ہی نہیں یوں ان پر حق کھول کھول کر واضح نہیں کیا گیا تو یہ لوگوں کے لیے اللہ پر حجت ہو جاتی ہے کل کو جب اللہ ان سے حساب لے گا تو وہ آگے سے کہیں گے کہ اے اللہ حساب کس بات کا؟ ایک تو ہمیں خلق ہی انسان کیا یعنی مکمل طور پر بھولا ہوا خلق کیا اور دوسرا ہماری طرف کسی کو بھی نہ بھیجا جو ہم میں سے ہی ہوتا ہماری ہی زبان میں ہم پر حق کھول کھول کر واضح کر دیتا اگر تُو ایسا کرتا اور اس کے باوجود اگر ہم جرم کرتے تو تُو ہم سے حساب لینے کا حقدار تھا اور جب ایسا کیا ہی نہیں تو حساب کس بات کا؟ اگر ہم نے جرائم کیے تو اس میں ہمارا قصور نہیں کیونکہ تُو نے ہمیں خلق ہی بھولا ہوا کیا تھا۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی کہ رسول کے بعد انسانوں پر یعنی جن کی طرف بھیجا گیا ان پر حجت ہو جاتی ہے۔ تو جب اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جو کہ مجموعی طور پر تیرہ قبائل تھے ان میں سے تین تک پیغام پہنچا پایا ابھی دس قبائل باقی تھی اور ان تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہو جاتا ہے، موت ہو جاتی ہے یا پھر اللہ کے قانون کے خلاف آسمانوں پر چڑھ جاتا ہے تو کیا عیسیٰ تمام بنی اسرائیل پر حجت ثابت ہو جاتا ہے آپ کے عقائد و نظریات کے مطابق؟

اے پوری دنیا کے تمام کے تمام وہ لوگو جو ایسے عقائد و نظریات رکھتے ہو تھوڑا سا غور تو کرو یہ تو تمہارے اقوال و اعمال سے اللہ پر صرف ایک بہتان عظیم ہے جب مزید غور کرو گے تو تمہیں اس کا ادراک ہوگا کہ تم رات دن اللہ پر کتنے عظیم بہتانات باندھ رہے ہو، تمہارے یہ عقائد و نظریات محض ظن ہے جس کی تم اتباع کر رہے ہو تم میں سے کسی کے بھی پاس علم نہیں ہے۔

اللہ نے ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ جتنے بھی مذاہب، گروہ، فرقے وغیرہ موجود ہیں جو عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں

ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی علم نہیں ہے کیونکہا گرانہیں علم ہوتا تو کبھی بھی بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات پر ڈٹے نہ رہتے بلکہ انہیں علم ہوتا کہ رسول جن کی طرف بھیجا جاتا ہے نہ صرف ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیتا ہے بلکہ اگر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی کوئی نہیں مانتا تو اسے رسول کی موجودگی میں دوسرے طریقے سے منوایا جاتا ہے رسول کی موت سے پہلے ہر کوئی رسول کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اپنی مرضی سے مانے یا پھر لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اس لیے لاتوں سے مانے اور آگے اللہ نے کہا وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اور نہیں اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پائے۔یقیناً اور ایسا صرف اور صرف ایسے ہی مقام پر کہا جاتا ہے جہاں سامنے والے کا دعویٰ بھی بظاہر بہت مضبوط ہو۔ بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے بذریعہ صلیب قتل کر دیا تھا اور ہر کسی نے یہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اس لیے ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قتل کر دیا لیکن حقیقت کا چونکہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی علم نہیں تھا اس لیے اللہ کا کہنا ہے کہ یقیناً اسے قتل نہیں کیا جا سکا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قتل نہیں کیا جا سکا تو پھر جو صلیب پر چڑھایا گیا انتہائی سخت آزمائش سے عیسیٰ ابن مریم کو گزارا گیا تو پھر وہ سب کیا تھا؟ تو آگے اسی سوال کا اللہ نے جواب دے دیا کہ وہ سب کیا تھا اور کیوں ہوا۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. النساء ۱۵۸

بَلْ بلکہ یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کیا جا سکا بلکہ رَّفَعَهُ رفع ہوا یعنی بلند ہوا اللّٰهُ اللہ ہے یعنی اللہ ایسے ہی رفع کرتا ہے اِلَيْهِ اس کی طرف وَكَانَ اور ایسا ہونا تو پہلے ہی اللہ کے قانون میں طے شدہ تھا یعنی اللہ کے قانون میں ایسا ہو چکا تھا اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اللہ ہے جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو انتہائی حکمت کیساتھ کام کرتا ہے۔

مطلب یہ کہ جو عیسیٰ ابن مریم پر مقدمہ درج کر کے اسے گرفتار کیا گیا اور پھر اسے فساد فی الارض کے الزام کے تحت مصلوب کیے جانے کی سزا سنائے جانے کے بعد جو اسے انہوں نے اپنی طرف سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا وہ قتل نہیں کر سکے بلکہ یہ تو اللہ کی انتہاء درجے کی حکمت تھی انہوں نے اپنی طرف سے تو قتل کیا لیکن اللہ نے اسے قتل نہیں ہونے دیا اور جس آزمائش کا عیسیٰ ابن مریم کو سامنا کرنا پڑا اللہ نے اس کے بدلے نہ صرف عیسیٰ کو رفع کیا یعنی عیسیٰ کے اپنی طرف جو کہ اس کی اپنی حقیقت اس کی اپنی ذات اللہ تھی اس کی طرف درجات بلند کیے بلکہ اس کے ذریعے سے عیسیٰ ابن مریم کو ان سے نکال لیا جنھوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا اور ان میں لے گیا جو اس پر ایمان لانے والے تھے یعنی کفر کرنے والوں سے پاک کر دیا اور مومنوں کے درمیان عیسیٰ کو لے گیا اسی کی مزید وضاحت اللہ نے درج ذیل آیات میں کر دی۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ . آل عمران ۵۴، ۵۵

وَمَكَرُوْا اور منصوبہ بندی کر رہے ہیں یعنی جب اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جو کہ بنی اسرائیل مجموعی طور پر تیرہ قبائل تھے اور ان میں سے تین قبائل اسرائیل میں آباد تھے جن کی طرف پہلے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ عیسیٰ ابن مریم نے آ کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف تو بنی اسرائیل کے ان تین قبائل نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا اور نہ صرف کفر کیا بلکہ تمام کے تمام فرقوں کے ملاں آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر عیسیٰ ابن مریم کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ جب عوام نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں اپنے ملاؤں سے سوالات کرنا شروع کر دیئے کہ اس شخص کی دعوت یہ ہے اور یہ خود کو اللہ کا رسول کہتا ہے وہی رسول المسیح جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا تھا تو ان ملاؤں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کر دیا کہ یہ اللہ کا رسول نہیں بلکہ یہ کذاب ہے اور طرح طرح کے الزامات لگانا شروع کر دیئے۔ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو عیسیٰ ابن مریم کا مقابلہ کر سکتا اس لیے انہوں نے مل کر یہی منصوبہ بندی کرنا شروع کر دی کہ اسے یعنی عیسیٰ کو نقصان پہنچایا جائے جس کے لیے انہوں نے عیسیٰ کے خلاف محاذ کھول دیا یہاں تک کہ فساد فی الارض کا مقدمہ درج کروا دیا۔ ملاؤں کا خیال تھا کہ یہ شخص عیسیٰ ابن مریم اپنے خلاف اٹھنے والے طوفان سے گھبرا کر پیچھے ہٹ جائے گا یہ مقدمات سے اور مصلوب کیے جانے سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لیے خود اپنی زبان سے

اقرار کرے گا کہ میں اللہ کا رسول نہیں بلکہ کذاب ہوں اس لیے میری جان چھوڑ دو لیکن انہیں نہیں علم تھا کہ حقیقت کیا ہے اور یہی اللہ نے کہا کہ وَمَكَرُوْا اور بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ اللہ کے رسول کا کفر کیا وہ عیسیٰ کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں وَمَكَرَ اور یہ جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں یہ منصوبہ بندی پہلے ہی کی جا چکی یعنی جو یہ منصوبہ بندی کر رہے ہیں یہ ان کی منصوبہ بندی نہیں ہے بلکہ یہ تو پہلے سے کی جا چکی منصوبہ بندی ہے جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ عیسیٰ کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس نے پہلے ہی منصوبہ بندی کر رکھی تھی جس کی منصوبہ بندی کا وہ شکار ہو چکے تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا اللّٰهُ اللہ ہے یعنی اللہ ہے جس نے پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر رکھی ہے جس کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اب جب کہ یہ لوگ اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں تو پھر جسے یہ اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہیں کیا نتیجہ وہی نکلے گا جو ان کی چاہت ہے یا پھر نتیجہ وہ نکلے گا جو اللہ نے پہلے ہی طے کر رکھا ہے؟ تو جواب بالکل واضح ہے کہ نتیجہ تو وہی نکلے گا جس کی منصوبہ بندی ہے یہی آگے اللہ نے بیان کیا وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور اللہ ہے خیر ہے جتنے بھی شر یعنی نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں یعنی جو جو بھی نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندیاں کرنے والے ہیں وہ کبھی بھی اپنی منصوبہ بندیوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ جسے وہ اپنی منصوبہ بندی سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ ان کی منصوبہ بندی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہوتے ہیں اور ان کو اس بات کا شعور ہی نہیں ہوتا۔ آسمانوں وزمین میں ہونا وہی ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے۔

اِذْقَالَ اللّٰهُ تب کہا اللہ نے یعنی جب عیسیٰ ابن مریم کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کی گئی اور عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تب اللہ نے کہا يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفات دوں گا یعنی یہ جو تجھے بذریعہ صلیب وفات دینے کی کوشش کر رہے ہیں تجھے قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ تجھے وفات نہیں دے سکتے یہ لوگ تجھے موت نہیں دے سکتے بلکہ میں تجھے وفات دوں گا یہ لوگ تیری زندگی پوری نہیں کر سکتے میں تیری زندگی پوری کروں گا یعنی تو اپنی مکمل زندگی گزار کر طبعی طور پر موت کا ذائقہ چکھے گا۔

جب اللہ نے عیسیٰ کو یہ کہا تو عیسیٰ نے اللہ سے کہا کہ اے اللہ تو پھر یہ کیا ہو رہا ہے یہ جو مجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے، یہ جو مجھے اتنی شدید تکلیف دی جا رہی ہے یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو اس کا آگے اللہ نے جواب دیا وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اور یہ جو تجھے اتنی شدید یعنی سخت تکلیف دی جا رہی ہے سخت آزمائش میں ڈالا ہوا ہے یہ تجھے رفع کر رہا ہوں اپنی طرف یعنی تیرے درجات بلند کر رہا ہوں اپنی طرف یعنی تیری اپنی ہی حقیقت اصل ذات کی طرف کیونکہ تجھے علم ہے اللہ کا قانون ہے کہ اللہ رفع یعنی بلند کرتا ہے جیسے اس کا قانون ہے اور اللہ رفع کرتا ہے درجات میں۔ اس لیے تجھے اس کے بدلے درجات میں بلند کیا جا رہا ہے اپنی طرف وَمُطَهِّرُكَ اور اس کے ذریعے سے تجھے پاک کر رہا ہوں یعنی تجھے نکال کر لے جا رہا ہوں مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں سے جو کفر کر رہے ہیں وَجَاعِلُ اور کر رہا ہوں کیا کر رہا ہوں آگے اس کا جواب دے دیا الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ان لوگوں کو جو تیری اتباع کر رہے ہیں انہیں فوقیت دے رہا ہوں ان لوگوں پر جو کفر کر رہے ہیں یوم القیامت تک۔ یعنی اے عیسیٰ یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا ہوا ہے اتنی سخت آزمائش میں ڈالا ہوا ہے اس کے ذریعے سے تجھے ان لوگوں سے پاک کر رہا ہوں ان سے نکال کر لے جا رہا ہوں جو تیرا کفر کر رہے ہیں اور ان میں لے جا رہا ہوں جو تیرا کفر کرنے کی بجائے ایمان لانے والے ہیں اور یوم القیامت تک ان لوگوں کو جو تیری اتباع کر رہے ہیں انہیں ان پر فوقیت یعنی ترجیح دوں گا جو تیرا کفر کر رہے ہیں مطلب یہ کہ جو تیرا کفر کر رہے ہیں اب یوم القیامت تک جب بھی رسول کو بعث کیا جانے کا وقت آئے گا تو ان کفر کرنے والوں میں رسول کو بعث نہیں کیا جائے گا بلکہ انہی میں بعث کیا جائے گا جو تیری اتباع کر رہے ہیں۔

یہی اللہ کا قانون ہے کہ جب رسول بعث کیا جاتا ہے تو آگے آنے والا رسول ان میں بعث کیا جاتا ہے جو جنہوں نے گزشتہ رسول کی اتباع کی ہوتی ہے لیکن ضلالِ مبین میں جا چکے ہوتے ہیں اور جو گزشتہ رسول کا کفر کر دیتے ہیں تو ان کے لیے ان میں یوم القیامت تک رسول بعث نہیں کیا جاتا اور یہی اللہ نے عیسیٰ ابن مریم سے کہا تھا یہ جو تیرا کفر کر رہے ہیں ان میں اب قیامت تک رسول بعث نہیں کیا جائے گا بلکہ جب رسول بعث کرنے کا وقت آئے گا تو انہی میں رسول بعث کیا جائے گا جو تیری اتباع کرنے والے ہیں اور جو کفر کرنے والے ہوں گے وہ قیامت تک انتظار ہی کرتے رہیں گے کہ ان میں رسول بعث نہیں کیا جائے گا ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پھر میری طرف پلٹ رہے ہو پس فیصلہ کر رہا ہوں تمہارے درمیان اس میں کر رہے ہو

جس میں بھی تم اختلاف۔

یہ تھا اللہ کا العزیز الحکیم ہونا۔ جب عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیے جانے کا وقت آ گیا تب بنی اسرائیل مجموعی طور پر تیرہ قبائل تھے ان میں سے تین قبائل اسرائیل میں آباد تھے اور باقی دس قبائل کا کسی کو نہیں علم تھا کہ کہاں آباد ہیں سوائے اللہ کے۔

اللہ کو علم تھا کہ جو تین قبائل اسرائیل میں آباد ہیں وہ خبائث کھا رہے ہیں تو جو ہیں ہی خبیث وہ کیونکر ایمان لائیں گے وہ کیسے حق کو تسلیم کریں گے بلکہ وہ تو کفر ہی کریں گے کیونکہ آپ وہ ہیں جو آپ کھاتے ہیں اگر آپ طیب رزق اختیار کریں گے تو لامحالہ آپ طیب اعمال کریں گے اور اگر آپ خبیث رزق اختیار کرتے ہیں تو آپ چاہ کر بھی صالح اعمال نہیں کر سکتے بلکہ آپ کا جسم وہی اعمال کرے گا جس سے وہ بنا ہے۔

اور دوسری طرف باقی دس قبائل موجودہ پاکستان وافغانستان کی قبائلی پٹی پر آباد تھے جو کہ بالکل فطرت پر تھے ان کا رزق طیب تھا اس لیے اگر ان کی طرف رسول بھیجا جاتا تو یہ لوگ کفر کی بجائے ایمان لاتے۔ اللہ نے پہلے ان تین قبائل کی طرف عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تا کہ یہ لوگ عیسیٰ کا کفر کریں تو انتہائی حکمت کیساتھ ان میں سے عیسیٰ کو نکال کر باقی دس قبائل جو کہ فطرت پر ہیں ان میں لے جایا جائے۔ یہ اللہ کی پہلے سے کی ہوئی منصوبہ بندی تھی اللہ نے اپنی منصوبہ بندی کے تحت عیسیٰ ابن مریم کو پہلے اسرائیل میں بھیجا تو انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرتے ہوئے نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کی لیکن وہ منصوبہ بندی الٹا ان کے گلے پڑ گئی کیونکہ وہ اصل میں تو اللہ کی منصوبہ بندی تھی جس کا وہ شکار ہو چکے تھے۔

انہوں نے اپنی طرف سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا لیکن حقیقت کا ان میں سے کسی کو بھی علم نہیں تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ اللہ نے عیسیٰ کی صلیب پر موت ہونے ہی نہیں دی جب ہر کوئی یہ سمجھ رہا تھا کہ عیسیٰ کی موت ہو چکی تب عیسیٰ محض گہری بے ہوشی میں تھا یوں اللہ نے عیسیٰ کو نہ صرف اس سخت آزمائش کے بدلے اپنی طرف درجات میں بلند کیا بلکہ اس طریقے سے کفر کرنے والوں میں سے عیسیٰ ابن مریم کو نکال کر ان میں لے گیا جو باقی دس قبائل ایمان لانے والے تھے اور پھر وہیں عیسیٰ ابن مریم نے نہ صرف شادی کی دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی بلکہ باقی پوری زندگی وہیں گزاری اور طبعی طور پر موت کا ذائقہ چکھا اور موت سے پہلے اس وقت کے اہل الکتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان نہ لے آیا دل سے یا پھر ڈنڈے کے ڈر سے۔

یہ تھا واقعہ صلیب کے بارے میں وہ علم جو اللہ نے چھپا دیا تھا اور آج جب اس کے ظاہر کیے جانے کا وقت آ گیا تو اللہ نے اپنے رسول احمد عیسیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا۔ اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیا کہ کوئی چاہ کر بھی اس کا کفر نہیں کر سکتا اگر کوئی کفر کرتا ہے تو وہ جان لے اسے حق کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا خواہ وہ اپنے آباؤاجداد آل فرعون وان کی مثل باقی ہلاک شدہ اقوام کی مثل حق کو تسلیم کرے جب تسلیم کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

وماقتلوہ وما صلبوہ

خود کو مسلمان کہلوانے والوں نے اپنے مشرک آباؤاجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کی اس آیت وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کے تراجم وتفاسیر یہ کیے کہ نہ ہی اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا نہ ہی صلیب دیا اور پھر کہتے ہیں جب قتل بھی نہیں کیا اور صلیب بھی نہیں دیا تو پھر کیا ہوا؟ اور پھر کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم تو ان کے ہاتھ ہی نہیں لگا کیونکہ اللہ نے اسے فرشتوں کو بھیج کر اپنی طرف اٹھا لیا حالانکہ حق کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ ان کے یہ عقائد ونظریات بالکل بے بنیاد، من گھڑت اور جھوٹے ہیں لیکن اس کے باوجود مزید ایک اور پہلو سے بھی ان کے اس دجل کو آپ کے سامنے چاک کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا مقصد تھا عیسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانا یعنی قتل کرنا اور قتل کرنے کا جو ذریعہ انہوں نے اختیار کیا وہ صلیب تھی۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ وہ عیسیٰ کو قتل نہیں کر سکے یعنی کہ جس طریقے سے انہوں نے عیسیٰ کو قتل کرنے کی کوشش کی اس میں وہ ناکام ہو گئے اس کے

باوجود کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور قتل کرنے کا جو ذریعہ انہوں نے اختیار کیا وہ تھا صلیب۔

اسے مزید وضاحت سے سمجھ لیجئے۔

مثال کے طور پر اگر آپ یہ کہیں کہ آپ نے کسی کو قتل کر دیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ایسا کب کہیں گے؟

تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ ظاہر ہے،یقیناً تب ہی کہیں گے جب کہ آپ نے اپنی طرف سے کسی کو قتل کیا ہوگا مثلاً آپ نے کسی کو سامنے کھڑا کر کے بندوق سے گولیاں ماریں اور آپ کو یقین ہو گیا کہ وہ شخص مر گیا ہے یعنی اس کی موت واقع ہوگئی۔ آپ نے اپنی طرف سے تو قتل کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص اس وقت محسوس تو ایسا ہی ہوا کہ قتل ہو گیا ہے لیکن بعد میں وہ ہوش میں آجائے اور بالکل ٹھیک ہوجائے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آپ نے اسے قتل کیا ہی نہیں؟ نہیں بلکہ آپ نے تو اپنی طرف سے قتل کر دیا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور بعد میں جب کسی کو حقیقت بتائی جائے گی تو یہ کہا جائے گا کہ آپ اسے قتل نہیں کر پائے اور اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ آپ نے اسے قتل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ آپ نے تو اپنی طرف سے قتل کر دیا لیکن وہ قتل نہ ہو سکا آپ کے ہاتھوں۔ اس لیے یوں کہا جائے گا کہ آپ اسے قتل نہ کر سکے جو آپ نے اسے گولی مار کر قتل کیا۔

بالکل اسی طرح اگر کسی کو مصلوب کیا جائے اور بعد میں وہ شخص بچ جائے تو یہی کہا جائے گا کہ آپ اسے مصلوب نہیں کر پائے۔ مصلوب کے معنی ہیں کسی کا صلیب پر قتل کیا جانا۔ آپ اپنی طرف سے تو کسی کو مصلوب کرتے ہیں یعنی صلیب پر قتل کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلتی ہے کہ وہ شخص صلیب پر کچھ وقت بعد ایسی حالت میں چلا جاتا ہے گویا کہ وہ قتل ہو چکا ہے اس کے بعد اس کا جسم لاش سمجھ کر ورثا کے حوالے کر دیا جائے لیکن حقیقت یہ نکلے کہ اس کی موت واقع ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ ایسی بے ہوشی میں چلا گیا تھا کہ آپ نے سمجھ لیا اس کی موت ہوگئی اور بعد میں اسے نہ صرف ہوش آجائے بلکہ وہ بالکل تندرست ہو جائے تو اسے یہ کہا جائے گا کہ آپ اسے مصلوب نہیں کر سکے لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہوگا کہ آپ نے اسے مصلوب کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی طرف سے تو پورے یقین کیساتھ اسے مصلوب کیا۔ اسے صلیب پر چڑھایا اور صلیب پر اس کی موت واقع ہوگئی لیکن حقیقت میں صلیب پر اس کی موت واقع نہ ہوئی۔

قرآن میں اللہ جب اس طرح بیان کرتا ہے ''وما قتلوہ وما صلبوہ'' تو اکثریت اس سے مراد یہ لیتی ہے کہ نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب دیا جو کہ واضح طور پر دو الگ الگ واقعات بن جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دو الگ الگ واقعات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ایک ہی واقعہ ہوا جس کے بارے میں بات کی گئی اور جب آپ تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو آپ کو کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا بھی دعویٰ کیا اور مصلوب کرنے کا بھی دعویٰ کیا بلکہ آپ کو ان کی طرف سے ایک ہی دعویٰ ملے گا اور وہ یہ کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا۔

ایک ہی واقعہ ہوا جو کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے اپنی طرف سے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کر دیا اور قرآن میں اللہ نے بھی ایک ہی واقعے کا ذکر کیا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کر دیا لیکن ان کے برعکس اللہ کا کہنا ہے کہ تم نے عیسیٰ ابن مریم کو جو اپنی طرف سے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا تم اسے قتل نہیں کر پائے جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اصل حقیقت نہیں بلکہ اصل حقیقت کو تم سے چھپا دیا گیا یہی وجہ ہے کہ جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ تم نے عیسیٰ ابن مریم کو بذریعہ صلیب قتل کر دیا۔ اللہ الحکیم ہے تو ظاہر ہے قرآن جو کہ اللہ کا کلام ہے یہ بھی الحکیم ہے۔ قرآن کو اللہ نے مثانی کہا ہے جس کے معنی ہیں جیسے ایک کے بعد دو، دو کے بعد تین، تین کے بعد چار یعنی ایک کے بعد اس دوسرے کا آنا کہ دونوں کے درمیان ربط قائم ہو جائے۔ جیسے مشین کے تمام پرزوں کا آپس میں ربط ہوتا ہے، جیسے جسم میں تمام کے تمام اعضاء کا آپس میں ایک دوسرے کیساتھ ربط قائم ہوتا ہے اسے مثانی کہتے ہیں۔

قرآن مثانی ہے، جس کا مطلب ہے کہ قرآن میں ہر آیت کا دوسری آیت کیساتھ ایسے ہی ربط قائم ہے جیسے ایک کے بعد دو آتا ہے ہر آیت میں الفاظ اور جملوں کا آپس میں ایسا ربط قائم ہے جیسے ایک کے بعد دو، دو کے بعد تین آتا ہے یعنی جیسے جسم میں ہر عضو کا دوسرے کیساتھ گہرا ربط قائم ہوتا ہے۔

قرآن کی ہر آیت کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت اس کی وضاحت کرتی ہے، قرآن کا ہر لفظ اور ہر جملہ ایسا ہے کہ اس سے اگلا لفظ یا جملہ پچھلے لفظ یا جملے کی وضاحت کرتا ہے اگر آپ اس بات کو سامنے رکھیں گے اسے نظر انداز نہیں کریں گے تو آپ قرآن کے اس مقام کو بالکل آسانی کیساتھ سمجھ پائیں گے کہ ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' کے معنی کیا ہیں اس کا مطلب کیا ہے حق کیا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا ایک ہی دعویٰ تھا کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کر دیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کر دیا اس لیے قرآن میں اللہ کو ان کے اسی ایک دعویٰ کی تائید یا تردید کرنا چاہیے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' کے معنی ہیں نہ ہی اسے قتل کر سکے یا قتل کیا اور نہ ہی صلیب دیا تو یہ دو دعوؤں کی تردید بن جاتی ہے یعنی ایک دعویٰ کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور اللہ ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے کہہ رہا ہے ''وماقتلوہ'' اور نہیں اسے قتل کیا اور پھر دوسرا دعویٰ کہ ہم نے اسے مصلوب کر دیا اور اللہ ان کے اس دعوے کی بھی تردید کرتے ہوئے کہہ رہا ہے ''وما صلبوہ'' اور نہیں اسے مصلوب کیا۔ تو کیا ایسا ممکن ہے؟ یعنی اگر تو یہ مان لیا جائے کہ ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' کے معنی ہیں نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے مصلوب کیا تو یہ دو دعوؤں کی نفی کی جارہی ہے اور کیا ایسا کسی بھی صورت ممکن ہو سکتا ہے؟

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ قرآن یہ دو الگ الگ دعوے کر رہا ہے دو باتوں کی نفی کر رہا ہے یعنی کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں کہ یہودیوں کہ یہ دو دعوے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ وہ اسے قتل نہیں کر پائے یعنی ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ جب اسے تسلیم کر لیا جائے کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ پہلے ہی قتل کر چکے تو مصلوب کرنے کی کب اور کیوں ضرورت پیش آئی؟

اور اگر قتل کا دعویٰ دوسرا تسلیم کر لیا جائے اور مصلوب کا دعویٰ پہلا تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی طرف سے مصلوب کر چکے یعنی صلیب پر قتل کر چکے تو پھر ایک مقتول شخص کو دوبارہ قتل کرنے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ان کے علاوہ بھی مزید بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں لیکن یہ دو سوال ہی ایسے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مزید کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور ایسے سوالات پیدا ہونے کی وجہ ہی یہی بنی کہ نہ تو اللہ کے الحکیم ہونے کو تسلیم کیا گیا اور نہ ہی قرآن کے الحکیم ہونے کو مدنظر رکھا گیا بلکہ اللہ اور قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر کیا گیا جس کی وجہ سے ایسے سوالات پیدا ہوئے۔ جب ان لوگوں نے قرآن سے حق سمجھنے کی بجائے اپنے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کی طرف رخ کیا تو پھر ظاہر ہے قرآن کے خود ساختہ بے بنیاد و باطل تراجم و تفاسیر کے نام پر نہ صرف خود گمراہ ہوں گے بلکہ اکثریت کو بھی اپنے پیچھے گمراہ کریں گے جو آج تک ان لوگوں نے کیا۔

قرآن کی اس آیت کو جس طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے جو معنی لیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ

اور نہیں قتل کیا انہوں نے اس کو اور نہیں مصلوب کیا انہوں نے اس کو یعنی عیسیٰ ابن مریم کو۔

یعنی دونوں ''مَا'' کو نہیں کے معنی میں لیا جاتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کو علم ہے کہ عربوں کی زبان میں ما نہ صرف نہیہ بلکہ موصولہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مطلب یہ کہ عربی میں ''مَا'' کے دو معنی ہیں ایک معنی ''جو'' اور دوسرے معنی ''نہیں'' کے ہیں۔ اس لیے ''مَا'' کو عربی میں موصولہ اور نہیہ کہا جاتا ہے۔ مَا موصولہ اور مَا نہیہ۔

اس آیت میں دونوں مَـا کو نہیہ کے معنوں میں لے لیا جاتا ہے جو نہ صرف بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ ایسا کرنے سے کچھ سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے جوابات نہیں دیئے جا سکتے۔ مثلاً سب سے پہلا سوال جو لا جواب کر دیتا ہے وہی جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ جب دونوں مَـا کو نہیہ کے معنی میں لیا جائے گا تو قرآن سے بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کے دو دعوؤں کی نفی ثابت ہو جاتی ہے۔

پہلا۔ وَمَا قَتَلُوْہُ . اور اسے نہیں قتل کیا۔ یعنی کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔

دوسرا۔ وَمَا صَلَبُوْہُ. اور نہیں مصلوب کیا اسے۔ یعنی ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا۔

قرآن کی اس آیت میں دونوں ''مَـــا'' کو نہیں کے معنوں میں لینے سے پہلا دعویٰ کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے ما میں مصلوب کرنے کا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کے مطابق انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا تو پھر وہ دوسرا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا انہوں نے قتل کرنے کے بعد مصلوب یعنی صلیب پر بھی قتل کیا؟ جو کہ ناممکن ہے۔

مثلاً آپ یہ دعویٰ کریں کہ آپ نے فلاں شخص کو قتل کر دیا تو کیا آپ اس کے بعد دوسرا دعویٰ کریں گے کہ آپ نے اسے دوسری بار قتل کر دیا؟

یقیناً نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے جب آپ نے کسی کو اپنی طرف سے یقینی طور پر قتل کر دیا تو پھر دوسری بار قتل کرنے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ہاں البتہ ایک صورت ہوسکتی ہے آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ اپنے پہلے دعوے میں غلط ہیں کہ وہ شخص زندہ ہے تو آپ اسے دوسری بار قتل کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن تب بھی آپ کا ایک ہی دعویٰ ہوگا جو دوسری بار آپ نے اسے قتل کیا نہ کہ آپ کے دو دعوے ہوں گے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا پس منظر کیا ہے؟ اگر اس پس منظر کو سامنے رکھا جاتا ہے تو حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ آیا دونوں ما نہیں کے معنی میں آئے ہیں یا پھر ان میں سے ایک نہیں اور دوسرا جو کے معنی میں آیا ہے یعنی ایک نہیہ اور دوسرا موصولہ آیا ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور پھر قتل کرنے کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں جیسے کہ زہر دیکر قتل کرنا، چاقو یا چھری سے قتل کرنا، اونچی جگہ سے گرا کر قتل کرنا، پانی میں ڈبو کر قتل کرنا، پھانسی سے قتل کرنا، صلیب کے ذریعے قتل کرنا یا ایسے ہی کسی بھی طریقے سے قتل کرنا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کس طریقے سے قتل کیا؟ تو بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مصلوب کیا یعنی صلیب کے ذریعے قتل کیا۔

اب دیکھیں اللہ نے ان کے اس دعوے کے برعکس قرآن میں کیا کہا۔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تو ان کے اس دعوے کے ردعمل میں اللہ کا کہنا ہے ''وماقتلوہ'' اور نہیں اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پائے۔

بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا تو اسی کا جواب آگے اللہ نے دیا ''وماصلبوہ'' اور جو تم نے صلیب کے ذریعے قتل کرنے کی کوشش کی یعنی اللہ نے کہا ''وماقتلوہ وماصلبوہ'' جس کے معنی ہیں اور نہیں اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر پائے جو اسے بذریعہ صلیب تم نے قتل کیا۔

جب صلیب دینے کا ذکر آتا ہے تو اس کا ترجمہ سولی دیا جانا کر دیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے نہ صرف غلط بلکہ بہت بڑا دھوکہ اور دجل عظیم ہے کیونکہ سولی تو پھانسی کو کہا جاتا ہے اور صلیب اس کے بالکل برعکس ہے جس کا سولی یعنی پھانسی کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی دھوکے کی وجہ سے لوگ آسانی کیساتھ مان جاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا انہیں صلیب نہیں دیا گیا کیونکہ جب ان کے ذہن میں صلیب کا معنی سولی یعنی پھانسی ہوتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ظاہر ہے اگر پھانسی پر چڑھایا جاتا پھانسی پر چڑھنے والا عیسیٰ ابن مریم ہوتا تو اس کی موت ہو جاتی اس لیے ممکن ہی نہیں کہ پھانسی پر چڑھایا جانے والا عیسیٰ ہو یوں وہ ملاؤں کے دجل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں صلیب کو کھول کر واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ صلیب کیا ہوتی ہے اور مصلوب کرنا کیا ہوتا ہے۔

اکثریت اسے پھانسی سمجھتی ہے یعنی گلے میں رسی ڈال کر کسی شیئے سے لٹکا دیا جاتا ہے اور چند ہی لمحوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مصلوب کرنا نہیں کہلاتا بلکہ مصلوب کہتے ہیں ایک بڑی صلیب یعنی لکڑی کا بڑا سا کراس ہوتا ہے جس پر کسی کو لٹا کر اس کے بازو صلیب پر بچھا کر ہاتھوں پر میخیں رکھ کر گاڑھی جاتی ہیں جو نیچے لکڑی کی صلیب میں پیوست ہو جاتی ہیں اسی طرح اس کے دونوں پاؤں کو اوپر نیچے رکھ کر دونوں پاؤں پر ایک میخ رکھ کر گاڑھ دی جاتی ہے جو نیچے صلیب میں پیوست ہو جاتی ہے پھر اس صلیب کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔

جسم ہاتھوں میں پیوست میخوں کی وجہ سے ہاتھوں پر لٹک جاتا ہے اور جسم کا سارا بوجھ ہاتھوں اور نیچے پاؤں پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے انتہائی دردناک تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور صلیب پر موت واقع ہونے کے لیے ایک، دو، تین یا اس سے بھی زائد دن کا وقت لگ جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی کی موت چند گھنٹوں میں ہی واقع ہو جاتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے اور زیادہ تر کئی کئی دن بھی صلیب پر رہنے کے باوجود بھی موت نہیں آتی یوں کئی دن تک بھوک، پیاس اور درد کی شدت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مصلوب کرنے کو درج ذیل تصاویر میں دیکھیں تا کہ سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے۔

دین کے ٹھیکیداروں کی طرف سے جب اس واقعے کو بیان کیا جاتا ہے تو پھانسی اور مصلوب میں فرق واضح نہیں کیا جاتا بلکہ اُلٹا ایسا تاثر دیا جاتا ہے جس سے انسان کے ذہن میں پھانسی کا نقشہ وضع ہوتا ہے اور انسان فوراً یہ بات مان لیتا ہے کہ ہاں انہوں نے پھانسی پر نہیں چڑھایا کیونکہ اگر پھانسی پر کسی کو چڑھایا جائے تو چند ہی لمحوں میں نہ صرف موت واقع ہو جاتی ہے بلکہ گردن کی ہڈی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا ان کا ایک ہی دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا اور قرآن میں اللہ نے یہود کے اسی دعوے کی تردید کی ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ اور نہیں قتل کر سکے اس کو۔ اللہ نے ان کے اس دعوے کی یہ کہہ کر تردید کی کہ کفر کرنے والے عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کر سکے اور آگے قرآن یہ واضح کرتا ہے کہ ان کا جو دعویٰ ہے کہ انہوں نے کس طرح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا اور اسی کا اللہ نے آگے بالکل واضح رد کر دیا وَمَا صَلَبُوْهُ اور جو انہوں نے اسے مصلوب کیا یعنی صلیب پر قتل کیا۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا ان کے دعوے اور اس کے پس منظر کو سامنے رکھنے سے بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ''مَــا'' نہیہ ہے اور دوسرا ''مَا'' موصولہ ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور کوئی بھی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہ کیسے فیصلہ کیا جائے گا کہ کون سے ''مَا'' کو نہیہ اور کون سے کو موصولہ لیا جائے؟ تو اس کا جواب بھی بہت آسان ہے اللہ نے قرآن کو الحکیم کہا ہے۔ دونوں میں سے جس کو بھی موصولہ لیں یا نہیہ لیں آیت کے معنی میں رائی برابر بھی فرق نہیں پڑے گا بالکل ایسے ہی جیسے لفظ ''تبت'' کو جدھر سے بھی پڑھیں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ شروع سے پڑھیں تب بھی تبت اور آخر سے شروع کی طرف پڑھیں تب بھی تبت۔ بالکل اسی طرح قرآن کی اس آیت کو دونوں طرح سے پڑھ کر دیکھ لیتے ہیں۔ ''مَــا'' میں موصولہ کے معنی نہیہ پر غالب ہیں اس لیے ہم پہلے نہیہ کے بجائے موصولہ لیں گے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ

اور جو قتل کیا اس کو اور نہیں مصلوب کر سکے یعنی نہیں صلیب پر قتل کر سکے اس کو۔

کفر کرنے والوں کا ایک ہی دعویٰ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا تو قرآن ان کے اس دعوے کا جواب یوں دیتا ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ اور جو ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اسے قتل کیا وَمَا صَلَبُوْهُ اور نہیں وہ اسے بذریعہ صلیب قتل کر سکے۔

اب ہم پہلے ما کو نہیہ اور دوسرے کو موصولہ لیکر دیکھتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ

اور نہیں قتل کر سکے اسے اور جو انہوں نے بذریعہ صلیب قتل کیا۔

یعنی اللہ نے پہلے حصے میں ان کے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کے دعوے کی تردید کر دی اور دوسرے حصے میں یہ واضح کر دیا کہ ان کا جو دعویٰ ہے کہ انہوں نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا وہ بذریعہ صلیب عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کر سکے اپنی اس منصوبہ بندی میں ناکام رہے لیکن انہیں اس کا علم نہیں۔

یوں آپ نے جان لیا کہ جس طرح بھی پڑھیں گے ایک ہی معنی آئے گا کسی بھی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑے گا اور اس کے علاوہ اگر آپ اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے خود ساختہ معنی اخذ کریں گے تو لاتعداد لاجواب سوالات کا دروازہ کھل جائے گا۔

اور پھر قرآن کی یہی آیت بذات خود اس کی تصدیق کرتی ہے کہ دونوں میں ایک ''مَا'' نہیہ اور دوسرا موصولہ ہے اللہ نے اسی آیت کے آخر میں کہا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۔

اس آیت میں اللہ نے یقیناً کا لفظ صرف وَمَــا قَتَلُوْهُ کے ساتھ استعمال کیا ہے جس سے یہ نہ صرف واضح ہو گیا بلکہ ثابت ہو گیا کہ دونوں میں صرف ایک ہی

''مَا'' نہیہ ہے اور قرآن نے صرف ایک ہی دعوے کی تردید کی ہے جو کہ کفر کرنے والوں کا دعویٰ ہے۔ اور اس سے پہلے اللہ نے وَمَا صَلَبُوْہُ کا یَقِیْنًا کیساتھ ذکر نہ کرنے کی وضاحت اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ کہہ کر کر دی۔

ظن کہتے ہیں جو سنا، دیکھا یا پڑھا جائے لیکن اس کے بارے میں راسخ علم نہ ہو۔ جیسے آپ سورج کو اپنی آنکھوں کے سامنے زمین کے گرد سفر کرتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن یہ علم نہیں ہے بلکہ یہ ظن کہلائے گا کہ سورج زمین کے گرد سفر کر رہا ہے زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ علم یہ ہے کہ سورج نہیں بلکہ زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے سورج سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ لوگ جب قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے وہ پاگل تو نہیں ضرور انہوں نے اپنی طرف سے قتل کیا اور قتل ہوتا دیکھا اور آج جو بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہو گئی تھی یعنی انہیں بذریعہ صلیب قتل کر دیا گیا تھا یا جو بھی عیسیٰ ابن مریم کے حوالے سے اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں ان سب کی بنیاد اسی پر ہے جو انہوں نے اپنے کانوں سے سنا آنکھوں سے دکھا یا کہیں پڑھا اور اس میں غور و فکر کر کے راسخ علم حاصل نہیں کیا جسے عربی میں ظن کہا جاتا ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تب جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اپنے دیکھنے کی بنیاد پر ایسا دعویٰ کرتے تھے اس لیے اللہ نے وَمَا صَلَبُوْہُ یَقِیْنًا کی بجائے اس سے پہلے اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّن کا ذکر کیا جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کی غرض سے صلیب پر چڑھایا گیا تو جن جن لوگوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے سمجھا کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب ہو گئے یعنی صلیب پر ان کا قتل ہو گیا لیکن قرآن میں اللہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے حق واضح کر دیا کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب نہیں ہوئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی، بذریعہ صلیب ان کا قتل نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد کیا ہوا اس کا علم سب سے چھپا دیا گیا اور قرآن نے قطعاً یہ نہیں کہا اور نہ ہی کسی ایسی بات کی تائید کی کہ عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر نہیں چڑھایا گیا بلکہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب نہیں ہوئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی۔ جس سے قرآن تو بذات خود بار بار اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھایا گیا لیکن نتیجہ وہ نہیں نکلا جو کفر کرنے والے چاہتے تھے ان کی منصوبہ بندی تو یہ تھی کہ قتل کر دیا جائے لیکن وہ قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے حالانکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہی دیکھا کہ عیسیٰ کو انہوں نے بذریعہ صلیب قتل کر دیا۔

اس کے باوجود ہم اس آیت کو ایک اور پہلو سے کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہ جو آج تک دونوں ''مَا'' کے معنی ''نہیں'' میں لیے جاتے رہے یہ کتنا عظیم دجل و فریب کیا جاتا رہا اور حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو کر اتمام حجت ہو جائے کل کو کسی کے بھی پاس کوئی عذر یا بہانہ نہ رہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ قرآن کہتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کا کہنا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا اور اللہ کہہ رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو جسے تم قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو وہ المسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا ذرا غور کرو کیا اللہ کا رسول قتل ہو سکتا ہے؟ ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ اللہ جب رسول بعث کرتا ہے تو رسول میں اسوہ حسنہ قرار دیا یعنی رسول تو اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے عملی نمونہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بالکل اس بشر کی طرح بننا ہے اب اگر وہ قتل ہو جائے یا اپنی طبعی موت سے قبل دنیا سے چلا جائے تو پھر اس کے قتل ہو جانے یا دنیا سے چلے جانے کے بعد کی جو زندگی ہے اس کے لیے اس میں اسوہ حسنہ نہیں اخذ کیا جا سکتا یوں جس میں مکمل اسوہ حسنہ ہی نہیں وہ رسول کیسے ہو سکتا ہے اور کوئی بھی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے یعنی اللہ عملی نمونہ سامنے لائے اور کوئی اسے قتل کر دے یا اللہ خود ہی اسے زندگی پوری کیے بغیر ہی واپس لے جائے اور اگر ایسا ہوتا ہے یعنی کہ کوئی رسول ہونے کا دعویدار ہو اور وہ قتل ہو جائے یا غائب ہو جائے تو وہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ تو کذاب ثابت ہو جاتا ہے اس لیے اللہ ان کو کہہ رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو جسے تم قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہو وہ المسیح اللہ کا رسول تھا تو رسول کیسے قتل ہو سکتا ہے؟ اور یہی بات اللہ نے آگے واضح کر دی ''وَمَا قَتَلُوْہُ'' اور اسے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہیں کر سکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفر کرنے والوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کا جو دعویٰ کیا تو طریقہ قتل کیا تھا؟ کیا چھریاں مار کر قتل کیا؟ سر قلم کر کے قتل کیا؟ پھانسی دے کر قتل کیا، آگ میں جلا کر قتل کیا، پانی میں ڈبو کر قتل کیا، سانس بند کر کے قتل کیا، زہر دے کر قتل کیا یا پھر اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا؟ تو کفر کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا یوں اللہ ان کے اس دعوے کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے ''وماصلبوہ'' اور یہ جو ان کا

دعویٰ ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب کیا یعنی بذریعہ صلیب قتل کیا یہ عیسیٰ ابن مریم کو مصلوب نہیں کر سکے یعنی بذریعہ صلیب قتل نہیں کر سکے، عیسیٰ ابن مریم صلیب پر قتل نہیں ہوئے۔

"صلبو" صلیب پر موت ہونا۔ "ماصلبو" صلیب پر موت نہ ہونا۔

یعنی اللہ نے قرآن میں بالکل واضح طور پر یہ کہا کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اسے قتل کرنے کی غرض سے صلیب پر تو چڑھایا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم قتل ہو گیا لیکن حقیقت کیا ہے اس کا انہیں علم ہی نہیں کیونکہ اللہ نے علم ان سے چھپا دیا یوں انہوں نے جو دیکھا اسی کو حق و سچ مان رہے ہیں جو کہ حق نہیں ہے عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ یہ تو اللہ کی حکمت تھی اللہ کی منصوبہ بندی تھی جس کا یہ لوگ اپنے کفر کے سبب شکار ہوئے۔

وفات کیا ہے؟

اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ

جب بنی اسرائیل میں سے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کرنے والوں نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے قتل کرنے کے لیے صلیب پر چڑھایا یعنی عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف سے وفات دے رہے تھے تب کہا اللہ نے اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفات دوں گا یعنی یہ جو تجھے اپنی طرف سے بذریعہ صلیب وفات دینے کی کوشش کر رہے ہیں یہ لوگ تجھے وفات نہیں دے سکیں گے بلکہ میں تجھے وفات دوں گا کہ تُو اپنی زندگی گزار کر طبعی طور پر یعنی فطرتی طور پر موت کا ذائقہ چکھے گا۔

اس آیت میں مُتَوَفِّیْکَ کے دو طرح کے تراجم و معنی کیے جاتے ہیں ایک تو یہ کہا جاتا ہے کہ متوفی یہ مستقبل کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور مستقبل میں تجھے وفات دونگا یعنی ابھی میں تجھے اپنی طرف آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں اور قیامت سے پہلے تجھے آسمانوں سے زمین پر اتاروں گا تو تب تجھے بڑھاپے میں وفات دوں گا۔

اور دوسرا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ متوفی کے معنی ہیں پورا لے لینا اس لیے اللہ نے اس آیت میں کہا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا لے لوں گا یعنی تجھے جسم سمیت اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر کہا جاتا ہے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف اٹھا لیا پھر قیامت سے پہلے دوبارہ زمین پر اتارے گا اور عیسیٰ بڑھاپے میں وفات پائے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دونوں معنی ٹھیک ہیں؟ ان میں سے ایک ٹھیک ہے اور ایک غلط یا پھر دونوں کے دونوں غلط ہیں اور حق ان کے بالکل برعکس کچھ اور ہے؟ تو اس کا جواب انتہائی آسان ہے آیت میں توفی کا استعمال ہوا ہے یعنی بشر کا وفا ہونا۔ بشر کا وفا ہونا کیا ہے اس کو اس وقت تک نہیں جانا جا سکتا جب تک کہ بشر کے بارے میں علم نہ ہو یعنی آپ کا جو جسم ہے جب تک اس جسم کے بارے میں علم حاصل نہیں ہو جاتا تب تک توفی کو نہیں جانا جا سکتا۔

اب جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک بشری جسم کے بارے میں اس حد تک علم حاصل نہ کر لیا جائے جب تک کہ وفا سمجھ میں نہ آ جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے بھی توفی کے تراجم و معنی کیے کیا ان لوگوں کے پاس بشری جسم کے بارے میں مکمل علم تھا؟ کیا وہ بشر کے خالق تھے؟ یا خالق ہیں جو ان کے پاس اس کے بارے میں علم تھا اور ہے جس وجہ سے انہیں علم تھا اور ہے کہ توفی کے یہ معنی ہیں جو ان لوگوں نے کیے؟ اگر تو وہ خالق ہیں یا پھر خالق نے انہیں بشر کے بارے میں علم دیا پھر تو ممکن ہے کہ وہ جو معنی بیان کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہیں لیکن اگر وہ خالق نہیں اور نہ ہی خالق نے انہیں بشر کے بارے میں علم دیا تو پھر ان لوگوں نے کس طرح توفی یعنی وفات کے ایسے معنی کر دیئے؟ ان لوگوں کو کس نے حق دیا قرآن کو بیّن کرنے کا جبکہ اللہ نے خود قرآن میں کہا کہ قرآن کو اللہ

کے علاوہ کوئی بیّن کر ہی نہیں سکتا یعنی قرآن کو اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھول کر واضح کر سکتا اس لیے یہ حق صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے اور اللہ ہی قرآن کو کھول کر واضح کرتا ہے۔

آیت میں لفظ تُوَفِّیۡ کا استعمال ہوا ہے جس کو وفات کی بجائے جان بوجھ کر اپنے باطل عقائد کو زبردستی قرآن سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے من پسند تاویلات پہنائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ جس کی قرآن شدت سے نفی کرتا ہے اور ایسے تمام عقائد ونظریات کو باطل قرار دیتا ہے جس کی آگے مزید کھل کر صراحت کیساتھ وضاحت آجائے گی۔

یہاں آپ سے ایک سوال ہے کہ مثلاً اگر آپ کی گاڑی، کوئی مشین یا کوئی قیمتی شئے خراب ہو جاتی ہے تو آپ کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ آپ کی کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے مثلاً سلائی مشین تو کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ واشنگ مشین خراب ہوگئی تو کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ ٹی وی خراب ہوتا ہے تو کس کے پاس لے کر جائیں گے؟ فریج خراب ہوتی ہے تو کس کے پاس لیکر جائیں گے؟

تو آپ کا جواب یہ ہوگا کہ ظاہر ہے اسی کے پاس لیکر جائیں گے جو اس کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے اور نہ صرف علم رکھتا ہے بلکہ اس کے پاس حکمہ بھی ہے یعنی اس کو تجربہ حاصل ہے کہ اس علم کا کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کرنا ہے وہ علم کا صحیح استعمال بھی جانتا ہے یعنی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو شئے بھی خراب ہوگی اسی کے پاس لیکر جائیں گے جو اس شئے کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہو اور نہ صرف مکمل علم بلکہ اس کے پاس تجربہ بھی ہو۔ تو یہاں پھر آپ سے سوال ہے کہ کیوں؟ کیوں آپ اپنی خراب شئے کو صرف اور صرف اسی کے پاس لے کر جائیں گے صحیح کروانے کے لیے جس کے پاس اس کے بارے میں مکمل علم اور تجربہ بھی ہو؟

تو آپ یہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی قیمتی شئے کو ٹھیک کروانا چاہتے ہیں نہ کہ اسے تباہ کروانا چاہتے ہیں اس لیے ہم اپنی شئے کو صرف اور صرف اسی کے پاس لے کر جائیں گے جس کے پاس نہ صرف مکمل علم ہو بلکہ تجربہ بھی ہو کیونکہ صرف اور صرف وہی شئے کو ٹھیک کر سکتا ہے جس کے پاس اس شئے کے بارے میں نہ صرف مکمل علم ہو بلکہ تجربہ بھی ہو۔ مکمل علم اس لیے کیونکہ اگر اس کے پاس مکمل علم نہیں ہوگا اس شئے کے بارے میں تو نامکمل علم کی وجہ سے وہ اس شئے کو مزید بگاڑ کر رکھ دے گا اسے تباہ کر دے گا اس لیے صرف اور صرف اسی کے پاس لے جائیں گے جس کے پاس اس شئے کے بارے میں مکمل علم ہو۔ اور پھر جب آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ مکمل علم کی تو بات سمجھ میں آگئی لیکن تجربہ ہونا کیوں ضروری ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ تجربہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ اگر اس کے پاس تجربہ نہیں تو وہ ہماری شئے پر اپنے ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے اسے تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی نیا نیا عمل کرنا شروع کرتا ہے تو وہ بہت سی غلطیاں کرتا ہے جب تک اسے مکمل تجربہ حاصل نہیں ہو جاتا تب تک وہ اشیاء کو صحیح کرنے کی بجائے مزید بگاڑتا ہے۔

اب اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ ایسا کیوں کریں گے؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے تو آپ کا جواب یہ ہوگا تا کہ نقصان نہ ہو ہم نقصان سے بچ سکیں۔

اب ذرا آپ خود غور کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ جب آپ کوئی شئے کسی ایسے کے پاس نہیں لیکر جائیں گے جو اس کے بارے میں مکمل علم اور تجربہ نہیں رکھتا تو پھر اگر آپ کو بشر کے بارے میں کوئی معلومات درکار ہوں تو کون آپ کی بشر یعنی انسانی جسم کے بارے میں راہنمائی کر سکتا ہے؟ کیا کوئی ایسا آپ کی راہنمائی کر سکتا ہے جس کے پاس انسانی جسم کے بارے میں علم ہی نہ ہو؟ اور اگر علم ہو بھی تو نامکمل علم ہو کیا کوئی ایسا راہنمائی کر سکتا ہے جس کے پاس نامکمل علم ہو؟ نہیں بالکل نہیں۔

قرآن میں عیسیٰ ابن مریم پر بات کرتے ہوئے ایک جملے کا استعمال کیا گیا ''متوفیک'' جس میں اصل لفظ ''وَفَ'' ہے قرآن میں اور مقامات پر بھی اس لفظ کا انسانی جسم کے لیے استعمال کیا گیا تو اب آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا کوئی بھی ایسا جس کے پاس انسانی جسم کے بارے میں علم نہیں یا پھر نامکمل علم ہے کیا وہ اس موضوع پر راہنمائی کر سکتا ہے کہ انسانی جسم کا وفا ہونا یا وفا کیا جانا کیا ہے؟ جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں بالکل نہیں بلکہ صرف اور صرف وہی بتا سکتا ہے کہ انسانی جسم کا وفا ہونا کیا ہے جس کے پاس انسانی جسم کے بارے میں مکمل علم ہو یا وہ بتا سکتا ہے جس کو اس کی طرف سے علم حاصل ہوا ہو جس کے پاس مکمل علم ہے۔

انسانی جسم کل کائنات کی پیچیدہ ترین خلق ہے اس کے بارے میں مکمل علم صرف اور صرف اس کے خالق کے ہی پاس ہے یعنی اللہ کے پاس، جس سے یہ بات

بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی جسم کا وفا ہونا یا وفا کیا جانا کیا ہے اس بارے میں صرف اور صرف اللہ ہی بتا سکتا ہے یا وہ جس کو اللہ نے علم دیا ہو جس کا اللہ کیساتھ مضبوط تعلق ہو۔

اب آپ سے سوال ہے کہ جب انسانی جسم کے وفا ہونے یا کیے جانے کے بارے میں اللہ یا اللہ کے نمائندے کے علاوہ کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا یا جس کو اللہ نے اس بارے میں علم دے دیا ہو اس کے علاوہ کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا تو یہ ملّاں کس بنیاد پر انسانی جسم کے وفا ہونے یا کیے جانے پر راہنمائی کے دعویدار بنے پھرتے ہیں؟ ان کو کس نے یہ اختیار دیا؟ اور یہ راہنمائی کر بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ نہ تو یہ اللہ ہیں اور نہ ہی یہ اللہ کے نمائندے ہیں بلکہ ان کو تو اللہ ہی کا علم نہیں تو جن کو اللہ ہی کا علم نہیں وہ خاک راہنمائی کریں گے بلکہ اگر ایسوں کو اپنا راہنما بنا لیا جائے گا تو سوائے جہالت وذلت کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

اور دوسری بات کہ اسی قرآن کی سورۃ القیامہ میں تو اللہ نے خود یہ کہا ہے کہ اس قرآن کا جمع کرنا اور اس کا بیان کرنا یعنی اس کی آیات کو مکمل طور پر کھول کھول کر واضح کرنا یہ صرف اور صرف اللہ پر ہے اللہ کے علاوہ کوئی اسے بیّن نہیں کر سکتا۔ جب اس قرآن کو اللہ کے علاوہ کوئی بیّن نہیں کر سکتا اس کی آیات کو اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھول سکتا تو پھر جو ملّاں خود اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ وہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی اللہ کے رسول تو پھر وہ کس بنیاد پر کس کے کہنے پر قرآن کو بیّن کرنے کے عملاً دعویدار بنے ہوئے ہیں؟

جب اللہ کے علاوہ کوئی بیّن کر ہی نہیں سکتا تو پھر یہ ملّاں کس طرح قرآن کو بیّن کر رہے ہیں؟ جب یہ خود اپنی زبان سے اس بات کا اعلاناً اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کے رسول اور اس کے باوجود یہ قرآن کو بیّن کرنے کے عملی دعویدار بنے ہوئے ہیں تو اس کا مطلب کہ اللہ جھوٹا ہے اور یہ لوگ سچے ہیں؟ اللہ نے کہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی قرآن بیّن کر ہی نہیں سکتا اور یہ لوگ غیر اللہ ہونے کے دعوے کیساتھ قرآن کو بیّن کرنے کے بھی دعویدار ہیں تو اس کا مطلب بالکل صاف واضح ہے کہ ان کا عملاً دعویٰ ہے کہ اللہ جھوٹا ہے قرآن جھوٹا ہے اور یہ لوگ سچے ہیں انہوں نے اللہ اور قرآن کے دعوے کے برعکس قرآن کو بیّن کر کے دکھا دیا۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ لوگ سچے ہوں اور اللہ جھوٹا؟ قرآن جھوٹا؟ ایسا ممکن ہی نہیں اس لیے یہ لوگ جھوٹے مکار اور فراڈیئے ہیں یہ لوگ اللہ کے شریک بنے ہوئے ہیں ان کو اللہ نے جب قرآن کو بیّن کرنے کا اختیار دیا ہی نہیں حق دیا ہی نہیں تو پھر یہ قرآن کو بیّن کر ہی نہیں سکتے اس لیے اگر یہ قرآن کو بیّن کرنے کے عملاً دعویدار بنتے ہیں تو جو بھی یہ قرآن کے بیّن کرنے کے نام پر کہیں گے وہ سب کا سب بے بنیاد اور باطل ہو گا وہ سب کا سب ان کی اپنی خواہشات ان کا ظن اور شیاطین کا کلام ہو گا جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

اب کوئی بھی ملّاں یا قرآن کو بیّن کرنے کا دعویدار یعنی قرآن کی تفسیر کرنے کا دعویدار جو غیر اللہ ہے وہ خود اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ ہے اور نہ ہی اللہ کا رسول تو ایسا شخص کذاب اور اللہ کا شریک ہو گا۔

اور اگر کوئی زبان سے اقرار کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے اللہ کا رسول ہے تو پھر ایسے ہی آنکھیں بند کر کے اس کی بات نہیں مان لی جائے گی بلکہ اس سے اللہ کی ذات کے بارے سوال کیا جائے گا اور وہ جو بھی بات کرے گا اس کی باتوں میں اس کی دعوت میں تدبر کیا جائے گا اگر تو اس کی دعوت میں اس کی باتوں میں اختلاف ثابت نہیں ہوتا تو وہ واقعتاً اللہ ہو گا جو اس بشر کی صورت میں کلام کر رہا ہو گا وہ بشر اللہ کا رسول ہو گا اس سے کوئی بھی سوال کیا جائے تو وہ اس پر تمام تر شکوک وشبہات دور کر کے مطمئن کر دے گا اس میں اللہ کا رنگ نظر آئے گا۔

اب کوئی بھی ایسا ملّاں جو خود اقرار کرتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ ہے اور نہ ہی اللہ کا رسول تو پھر وہ جان لے کہ وہ جو بھی بات کرتا ہے اس کی کسی بھی بات کی کوئی بنیاد ہی نہیں جب اس کی کسی بھی بات کی کوئی بنیاد ہی نہیں تو اس کی بات کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں یوں اس کی بات کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے گا۔

متوفیک جو کہ ''وف یعنی وفا'' سے ہے اس کو آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں۔ ''وف یعنی وفا'' کے معنی ہیں پورا کرنا یا پورا ہونا۔ اسے بالکل آسان سی مثال سے آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں آپ ایک موبائل فون کی مثال لے لیجیے مثلاً آپ ایک نیا فون خریدتے ہیں تو کمپنی آپ کو پانچ سال کی گارنٹی دیتی ہے کہ یہ فون پانچ سال تک بالکل صحیح چلے گا بشرطیکہ دی جانے والی ہدایات پر عمل کیا جائے ورنہ اگر ہدایات کے خلاف اسے استعمال کیا گیا تو پھر ہو سکتا ہے ایک سال، ایک مہینہ یا ایک ہفتہ بھی نہ چلے یعنی پھر کسی بھی وقت خراب ہو جائے گا۔

اور دوسری بات کہ موبائل بجلی سے چلتا ہے جس کے لیے اس میں ایک بیٹری ہے اور بیٹری میں بجلی محفوظ کرنے کی محدود صلاحیت ہے اس لیے ایک ہی بار بیٹری پوری کرنے پر موبائل پانچ سال تک نہیں چلے گا بلکہ جب ایک بار بیٹری کو پورا کیا جائے گا تو کچھ گھنٹے تک موبائل چلے گا اس کے بعد جب بیٹری کم ہو جائے گی تو پھر سے بیٹری کو پورا کرنا پڑے گا یوں جب تک کہ موبائل کی اجل مسمیٰ یعنی اس کے خاتمے کا وقت نہیں آ جاتا تب تک اسے وفا کیا جاتا رہے گا یعنی اس کی بیٹری پوری کی جاتی رہے گی۔

بالکل یہی مثال آپ کے جسم کی ہے آپ کے جسم کے ہر ذرے میں نہ صرف ایسی بجلی پیدا ہوتی ہے جس بجلی کا آج ہر کوئی استعمال کر رہا ہے بلکہ جسم کے ہر ذرے میں ایسی بیٹریاں نصب ہیں جن میں یہ بجلی محفوظ ہوتی ہے اور اسی سے جسم کام کرتا ہے یعنی زندہ رہتا ہے۔ جسم میں بجلی کی پیداواری مقدار استعمال کی نسبت کم ہے آپ کے جسم میں کوئی بھی عضو کوئی بھی حرکت کرتا ہے تو اسی بجلی یعنی قوت کو ہی استعمال کرتا ہے جس سے بیٹری میں بجلی کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے یوں جیسے جیسے بیٹری میں بجلی کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے تو جسم میں کام کرنے یعنی اعضاء میں حرکت کرنے کی صلاحیت اتنی ہی کم ہوتی چلی جاتی ہے جسے آپ تھکاوٹ کا نام دیتے ہیں اور جب جسم کے ہر ذرے میں نصب بیٹریوں میں بجلی کی مقدار اتنی کم ہو جاتی ہے کہ جسم کو چلانے کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے تو بالکل ایسے ہی پورا جسم آف ہو جاتا ہے جیسے آپ بٹن بند کرنے سے پنکھا یا کوئی مشین بند کرتے ہیں۔ جسم کے ہر ذرے میں نصب بیٹریوں میں جب بجلی کی مقدار اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ جسم کو چلانے کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے تو اسے آپ نیند کا نام دیتے ہیں۔

جیسے آپ کو مثال میں بتایا تھا کہ آپ جب موبائل خریدیں تو آپ کو اگر پانچ سال کی گارنٹی دی جاتی ہے بالکل اسی طرح بشر کو جب خلق کیا گیا تو اس بشر کے ہر ذرے میں نصب بیٹریوں کی زیادہ سے زیادہ زندگی ایک ہزار سال طے کی گئی یعنی کوئی بھی بشر ایک ہزار سال سے ایک لمحہ بھی زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب انسان نے آسمانوں و زمین میں فساد کیا تو اسی فساد کے نتیجے میں ان بیٹریوں کی زندگی کم ہوتے ہوتے آج اتنی کم ہو گئی کہ اب وہ بیٹریاں اوسطاً ستر سے اسی سال تک کارآمد رہتی ہیں اور جب تک بیٹریاں کارآمد رہتی ہیں جسم زندہ رہتا ہے اور جیسے ہی بیٹریوں کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو جسم زندہ نہیں رہتا۔

پھر جیسا کہ مثال میں بتایا تھا کہ موبائل کی گارنٹی تو پانچ سال کی دی گئی بشرطیکہ وہ دی جانے والی ہدایات کے مطابق استعمال کیا جائے اگر ہدایات کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو اس کی زندگی کم سے کم ہوتی چلی جائے گی اور پھر اس میں نصب بیٹری میں بجلی محفوظ کرنے کی صلاحیت محدود ہے جس وجہ سے ایک ہی بار اسے پورا کرنے سے موبائل پانچ سال نہیں نکالے گا بلکہ بیٹری کم ہونے پر اسے بار بار پورا کرنا پڑے گا بالکل ایسے ہی جسم میں نصب بیٹریوں میں بجلی محفوظ کرنے کی صلاحیت محدود ہے جیسے ہی بیٹریوں میں بجلی کم ہوتی ہے تو اسے پورا کیا جاتا ہے اور تب تک پورا کیا جاتا ہے جب تک کہ جسم کی اجل مسمیٰ نہیں آ جاتی یعنی اس کی زندگی پوری نہیں ہو جاتی۔

رات کو آپ کے جسم میں نصب بیٹریوں کو پورا کیا جاتا ہے جسے عربوں کی زبان میں وفا کہتے ہیں اور تب تک پورا کیا جاتا ہے یعنی وفا کیا جاتا ہے جب تک کہ اجل مسمیٰ نہیں آ جاتی یعنی زندگی پوری نہیں ہو جاتی۔

وفات کیا ہے اسے آج کے دور میں سمجھنا بالکل آسان ہو چکا ہے جیسا کہ آپ پر واضح کیا جا چکا ہے کہ وفا کیا ہے۔ آپ کے جسم کو زندہ رہنے کے لیے انرجی یعنی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جسے آپ بجلی کا نام دیتے ہیں جسم کے ہر ذرے میں جنریٹرز نصب ہیں یعنی مسلسل بجلی پیدا ہو رہی ہے اس بجلی کو محفوظ کرنے کے لیے پورے جسم میں بیٹریاں نصب ہیں جن میں بجلی کو محفوظ کرنے کی محدود صلاحیت ہے جسم ان بیٹریوں سے اپنی بجلی کی ضرورت کو پورا کرتا ہے جیسے جیسے جسم کام کرتا ہے تو بجلی استعمال ہوتی ہے جس سے بیٹریوں میں بجلی کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے جسے آپ تھکاوٹ کا نام دیتے ہیں اور جب بجلی اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ جسم کو چلانے کے لیے ناکافی ہو جاتی ہے تو پورا جسم سوائے دماغ کے ایک اضافی حصے کے بند ہو جاتا ہے اور اس وقت تک دوبارہ آن نہیں ہوتا جب تک کہ اسے زبردستی آن نہ کیا جائے یا پھر بیٹریاں فل یعنی پوری نہ ہو جائیں یوں رات بھر آپ کے جسم میں نصب بیٹریوں کو پورا کیا جاتا ہے جو آپ کی زندگی ہے اور اس وقت تک پورا یعنی وفا کیا جاتا رہتا ہے جب تک کہ زندگی پوری نہیں ہو جاتی یعنی اجل مسمیٰ نہیں آ جاتی۔

یوں آپ پر حق بالکل کھول کر واضح کیا جا چکا کہ وفا کے معنی کیا ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت حق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی کوئی اپنے ہی جسم میں غور کر لے تو اس پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ اس کے جسم کو زندہ رہنے کے لیے ایک انرجی کی ضرورت ہے جو کہ وہی انرجی ہے جسے بجلی کا نام دیا جاتا ہے فرق صرف اور

صرف یہ ہے آپ کے جسم میں یہ انرجی اللہ یعنی فطرت وجود میں لا رہی ہے اور انسان اللہ کا شریک بنتے ہوئے مصنوعی طریقے سے اس بجلی کو پیدا کر رہا ہے۔ اور آپ پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ آپ کے جسم کے ہر ذرے میں نہ صرف بجلی پیدا ہو رہی ہے یعنی جنریٹ ہو رہی ہے جنریٹرز کام کر رہے ہیں بلکہ جسم کے ہر ذرے میں بجلی محفوظ بھی ہو رہی ہے جسے بیٹری کا نام دیا جا سکتا ہے اور انہی بیٹریوں سے جسم بجلی کو استعمال کر کے زندہ رہتا ہے۔ جسم کے ہر ذرے میں ایک محدود مدت تک بجلی پیدا کرنے اور محفوظ کرنے کی صلاحیت ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو جسم میں تمام ذرات بجلی کی پیداوار کو روک دیتے ہیں جس سے جسم کام کرنا بند کر دیتا ہے یعنی جنریٹرز اپنی مدت پوری کر چکنے پر مزید بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جس سے جسم کام کرنا بند کر دیتا ہے جسے وفات یعنی اس کی زندگی کا پورا ہونا کہتے ہیں جسم کی موت ہو جاتی ہے۔

وفا کو آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا اس کے باوجود ایسا کرتے ہیں کہ نہ صرف قرآن سے بھی اس کے معنی کو کھول کر واضح کرتے ہیں بلکہ پورا کرنے کے معنی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں جو کہ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے اور پھر دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن اس معنی کو قبول کرتا ہے یعنی قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا کیا ان تمام مقامات پر قرآن اس معنی کو قبول کرتا ہے اگر تو قبول کرتا ہے تو قرآن نے تصدیق کر دی کہ یہی حق ہے اور اگر قبول نہیں کرتا تو اس کا مطلب کہ یہ حق نہیں ہے۔

جو بھی وفا کا کوئی بھی معنی کرے اس کا حق و باطل ہونے کا معیار نہ تو اکثریت ہے اور نہ ہی انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں بلکہ معیار ایک ہی ہے اور وہ ہے کہ اسے قرآن پر پیش کیا جائے اگر تو قرآن اس معنی کو قبول کرتا ہے تو حق ورنہ وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اب قرآن سے ہی تُوَفِّی جس میں اصل لفظ ''وفا'' ہیکے معنی آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن پیچھے واضح کردہ معنی کی تصدیق کرتا ہے یا پھر ملاؤں کے تراجم و معنوں کی تصدیق کرتا ہے۔

قرآن میں اللہ نے اس لفظ کا استعمال اس آیت کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر کیا ہے اس لیے کوئی بھی اس مقام پر جو معنی اس لفظ کا لے گا تو لامحالہ وہی معنی باقی تمام مقامات پر بھی لینا پڑے گا اور ہم نے اس لفظ کا معنی پورا کرنا کیا تو دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن بھی اس لفظ کا یہی معنی کرتا ہے اور قرآن کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہیں؟ قرآن میں درج ذیل مقامات پر اس لفظ کا استعمال کیا گیا

البقرة. أوفوا، أوف ۴۰، الموفون ۱۷۷، یتوفون ۲۳۴، یتوفون ۲۴۰، یوف ۲۷۲، توفی ۲۸۱.

آل عمران. وفیت ۲۵، متوفیک ۵۵، فیوفیهم ۵۷، أوفی ۷۶، توفی ۱۶۱، توفون ۱۸۵، توفنا ۱۹۳.

النساء. یتوفاهن ۱۵، توفاهم ۹۷، فیوفیهم ۱۷۳.

المائده. أوفوا ۱، توفیتنی ۱۱۷.

الانعام. یتوفکم ۶۰، توفته ۶۱، اوفوا ۱۵۲.

الاعراف. یتوفونهم ۳۷، فاوفوا ۸۵، توفنا ۱۲۶.

الانفال. یتوفی ۵۰، یوف ۶۰.

التوبه. اوفی ۱۱۱.

یونس. نتوفینک ۴۶، یتوفکم ۱۰۴.

هود. نوف ۱۵، اوفوا ۸۵، موفوهم ۱۰۹، یوفینهم ۱۱۱.

یوسف. اوفی ۵۹، فاوف ۸۸، توفنی ۱۰۱.

الرعد. یوفون ۲۰، نتوفینک ۴۰.

النحل. تتوفهم ۲۸، تتوفهم ۳۲، یتوفکم ۷۰، اوفوا ۹۱، توفی ۱۱۱.

الاسراء. اوفوا ۳۴، اوفوا ۳۵، موفورا ۶۳.

الحج. يتوفی ۵، یوفوا ۲۹.

النور. یوفیهم ۲۵، فوفه ۳۹.

الشعرا. اوفوا ۱۸۱.

السجده. يتوفكم ۱۱.

فاطر. یوفیهم ۳۰.

الزمر. یوفی ۱۰، یتوفی ۴۲، وفیت ۷۰.

غافر. یتوفی ٦٧، نتوفینک ۷۷.

الاحقاف. یوفیهم ۱۹.

محمد. توفتهم ۲۷.

الفتح. اوفی ۱۰.

النجم . وفی ۳۷، اوفی ۴۱.

الدهر. یوفون ۷.

النبا. وفاقا ۲٦.

المطففين. يستوفون ۲.

قرآن میں یہ جتنے بھی جملے آئے ہیں ان میں اصل لفظ ''وف یعنی وفا'' ہے اور قرآن کے بعض مقامات ایسے ہیں جو بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں کہ وفا کے معنی ہیں پورا کرنا اور تمام کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے اس کے حق ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اس کے علاوہ کوئی ایک بھی معنی ایسا نہیں جس کی قرآن تصدیق کرے جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ وفا کے معنی ہیں پورا کرنا۔

حق اس قدر کھول کھول کر واضح ہوجانے کے باوجود بھی اگر کوئی شک وشبہ رہے یا کوئی ابہام رہے تو ایسا کرتے ہیں کہ وفا کے معنی کو ایک اور پہلو سے بھی کھول کر واضح کردیتے ہیں۔ ایک عام اصول ہے کہ اگر کسی بات، شئے یا لفظ کی سمجھ نہ آئے تو اسے سمجھنے کے لیے سب سے آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی ضد کو سمجھ لیا جائے اگر اس کی ضد کو سمجھ لیا جائے تو اس کی خود بخود وضاحت ہوجائے گی۔

اسی طرح بالفرض اگر آپ کو اس لفظ کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو آپ اس کی ضد کو سمجھ لیں قرآن میں اس لفظ کی ضد کے لیے لفظ ''ظلم'' آیا ہے اور ظلم کہتے ہیں کمی کو یا کمی کرنے کو۔ کب، کہاں، کیسے اور کس میں کمی کرنے کا ذکر ہے تو اس کی وضاحت آیات کا پس منظر کردیتا ہے۔ جب ظلم کے معنی کمی کرنے کے ہیں تو پھر ظاہر ہے یہ پورا کرنے کی ضد ہے۔ قرآن میں موضوع بحث لفظ ایک ہی معنی کے طور پر استعمال ہوا ہے اور وہ معنی ہے پورا کرنا۔ کس کو، کب، کہاں یا کیسے پورا کرنے یا نہ کرنے کی بات ہورہی ہے تو اس کی وضاحت آیت یا بات کا پس منظر کردیتا ہے۔ قرآن میں آپ کے اس بشری وجود کی ذات کے لیے یہ لفظ نیند پوری کرنے کے لیے یعنی سونے کے لیے اور موت کے ضمن میں آیا ہے۔ لیکن معنی وہاں بھی یہی رہے گا یعنی پورا کرنا، البتہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کیا پورا کرنے کا ذکر کیا جارہا ہے جس سے مراد سونا یعنی نیند پوری کرنا یا موت لیا جاتا ہے۔

اللہ نے بشری جسم کا نظام ایسا بنایا ہے کہ اسے دن بھر کام کرنے کے لیے یا تندرست رہنے کے لیے ایک مخصوص قسم کی قوت درکار ہوتی ہے جو دن بھر جاگنے سے کم ہوجاتی ہے اگر اس قوت کو پورا نہ کیا جائے تو نہ صرف جسم پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں بلکہ دماغ بھی متاثر ہوتا ہے اور اگر وہ قوت جسم سے مکمل طور پر ختم ہو جائے تو جسم موت کا شکار ہوجاتا ہے۔ جب بشر دن بھر جاگتا ہے تو اس کے جسم سے اس قوت میں کمی واقع ہوجاتی ہے اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے بشر اور جانداروں کے لیے نیند خلق کی ہے۔ انسان جب رات کو سوتا ہے تو دراصل اس کا سونے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ جسم میں اس کمی کو پورا کیا جائے جس کمی کی وجہ سے جسم کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ تو اللہ رات کو جسم میں اس قوت کو پورا کرتا ہے جس کی کمی کو نیند کہا جاتا ہے لیکن آپ آسان ترین

الفاظ اور فقرے کا استعمال کرنے کی غرض سے اس کو سونا یا نیند پوری کرنا کہہ دیتے ہیں۔

اسی طرح بشر کے لیے قرآن میں اس لفظ کا دوسرا استعمال جو ہوا ہے اسے موت کے معنی میں لیا جاتا ہے لیکن دراصل وہاں بھی اس لفظ کا یہی معنی ہے کہ پورا کرنا۔ اللہ نے ہر بشر کو دنیا میں رہنے کے لیے ایک مدت دی جب بشر کو دی گئی وہ مدت جو کہ اس کی زندگی ہے پوری کر دی جاتی ہے تو اس کے لیے اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ یا معنی موت کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ یا معنی موت نہیں موت تو بذات خود عربوں کی زبان کا لفظ ہے وفا کا معنی پورا کرنا ہی ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ روزانہ رات کو زندگی کو پورا کیا جاتا ہے تب تک جب تک کہ اجل مسمیٰ نہیں آجاتی جس وجہ سے رات کو وفات کے بعد بشر پھر تر و تازہ ہو جاتا ہے اور جب زندگی پوری کر دی جاتی ہے جتنی متعین تھی تو اس کے بعد دوبارہ نہیں اٹھتا بلکہ موت ہو جاتی ہے جس کا معنی ہے جن ذرات اور مراحل سے گزار کر وجود میں لایا گیا دوبارہ انہی مراحل سے گزرتے ہوئے ذرات میں تحلیل ہونے کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان مراحل سے گزرتا ہوا موت یعنی ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس معنی کو اب ہم اس آیت میں استعمال کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا یہ آیت اس معنی کو قبول کرتی ہے؟ اگر تو آیت اس معنی کو قبول کرتی ہے تو حق ہے اور اگر آیت معنی کو قبول نہیں کرتی تو حق نہیں بلکہ باطل ہے۔

''اِذۡقَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰٓى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ'' بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے جب عیسیٰ ابن مریم کو وفات دینے کی غرض سے یعنی عیسیٰ کی زندگی کو پورا کرنے کی غرض سے صلیب پر چڑھایا کہ ہم اسے قتل کر رہے ہیں یعنی اس کی زندگی کو پورا کر رہے ہیں اب مزید اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تب اللہ نے کہا اِذۡقَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰٓى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ متوفیک مستقبل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے آگے چل کر مستقبل میں تجھے پورا کروں گا یعنی تیری زندگی کو پورا کروں گا۔ تب اللہ نے کہا اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفا کروں گا یعنی یہ لوگ جو تجھے وفا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ تجھے وفا نہیں کر سکیں گے یعنی یہ تیری زندگی کو پورا نہیں کر سکیں گے تجھے قتل نہیں کر سکیں گے بلکہ میں تجھے وفا کروں گا مطلب یہ کہ تُو فطرتی طور پر اپنی زندگی گزار کر بڑھاپے میں وفات پائے گا۔

یہ تھا متوفیک کے بارے میں حق جسے دنیا کی کوئی طاقت غلط ثابت نہیں کر سکتی اور جس قدر حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کوئی چاہ کر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا ہر ایک کو اپنی موت سے پہلے اسے تسلیم کرنا ہی ہوگا خواہ وہ خوشی سے تسلیم کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں فلاح کا سودا کرے یا پھر وہ آل فرعون اور جوان سے پہلے قومیں ہلاک کی گئیں ان کی مثل عذاب عظیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور یوں نہ صرف اسے حق کو تسلیم کرنا پڑے بلکہ تسلیم کرنا اسے کوئی نفع نہ دے اور وہ دنیا و آخرت میں ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

اور یہ بات کان کھول کر سن لیں حق کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے جب حق سامنے لے آیا جائے تو ہر کسی کو ماننا ہی پڑتا ہے اس لیے آج آپ کو اختیار حاصل ہے کہ حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے پر حق کو تھام لیں ورنہ ماننا تو آپ کو پڑے گا یہ اللہ کا آپ سے وعدہ ہے جو کہ بالکل سر پر آچکا ہے۔

رفعک الیه

اب بات کرتے ہیں رفع پر جس سے نہ صرف مراد لیا جاتا ہے بلکہ یہ عقیدہ و نظریہ عام ہے کہ اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اپنی طرف اٹھا لیا۔ آیت میں الفاظ ہیں وَرَافِعُكَ اِلَىَّ اور رفع کر رہا ہوں تجھے اپنی طرف لیکن اس کا ترجمہ و معنی کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا کیونکہ یہ عقیدہ و نظریہ پایا جاتا ہے کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر ہے اس لیے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھا لیا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ پر پیچھے ہر لحاظ اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو ان کے عقائد و نظریات کے مطابق کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ جب اللہ کیا ہے حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ ایسا کوئی اللہ ہے ہی نہیں تو پھر عیسیٰ ابن مریم کو

چاہے زندہ یا پھر مردہ آسمانوں پر اٹھانا بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس میں رفع کی ع پر پیش ہے جس سے یہ حال کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں رفع ہو رہا ہے یا یوں کہیں کہ رفع کر رہا ہوں۔

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے عیسیٰ ابن مریم کا کفر کیا انہوں نے اپنی طرف سے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کرنے کے لیے صلیب پر چڑھایا تو عیسیٰ ابن مریم کو موت اپنی آنکھوں سے نظر آنا شروع ہو گئی ظاہر ہے جب صلیب پر چڑھا دیا گیا تو اب پیچھے کیا رہ جاتا ہے۔ قانون کے مطابق تو اب صلیب سے وفات ہونے پر ہی لاش کو اتارا جائے گا لیکن یہ سب تو اللہ کی منصوبہ بندی تھی تب اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو کہا کہ اے عیسیٰ اس میں کچھ شک نہیں میں تجھے وفات دوں گا یعنی تُو اپنی زندگی گزار کر بڑھاپے میں فطرتی طور پر موت کا ذائقہ چکھے گا نہ کہ یہ لوگ تجھے وفات دے سکیں گے تب آگے سے عیسیٰ نے کہا کہ اے اللہ پھر یہ کیا ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے؟ یہ جو مجھے صلیب پر چڑھایا جا چکا ہے اتنی سخت آزمائش کا سامنا ہے یہ جو مجھے اذیت دی جا رہی ہے یہ کیا ہے پھر؟ تو اسی کا اللہ نے آگے سے جواب دیا وَرَافِعُکَ اِلَی اور یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا ہوا ہے اتنی سخت آزمائش کا سامنا ہے یہ تُو رفع ہو رہا ہے تیری اپنی ہی ذات کی طرف یا یوں کہیں اپنے نفس جو کہ اپنی حقیقی ذات ہے اس کی طرف جو کہ اللہ ہی کی ذات ہے۔

اب اگر اسے کوئی یہ کہے کہ اللہ نے یہ کہا کہ میں تجھے اپنی طرف آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں تو ایسا کہنے والا کوئی شیطان ہی ہو سکتا ہے نہ کے اللہ کا غلام کیونکہ دنیا عمل کی جگہ ہے دنیا امتحان گاہ ہے جو یہاں آپ کمائیں گے وہی آپ کو آخرت میں ملے گا دنیا میں رفع ہونا یعنی بلند ہونا عملی طور پر نہیں بلکہ دنیا میں درجات میں بلند ہوتے ہیں اور جو درجہ کوئی دنیا میں کما لیتا ہے آخرت میں وہ درجہ اسے دیا جائے گا۔ اپنی ہی ذات جو کہ اللہ ہے اس کی طرف رفع ہونے کا مطلب ہے کہ مجموعی طور پر سات درجے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے اس بشری وجود میں سات درجے ہیں اس بشری وجود میں اصل ذات جو کہ نفس ہے وہ دماغ ہے دماغ مکمل وجود ہے جو کہ ساتویں درجے میں سب سے اوپر ہے اور باقی جتنے بھی درجات ہیں ان میں جو کچھ بھی آتا ہے وہ سب کا سب دماغ کا ہی ہے اسی کا وجود ہے اور اسی کے لیے ہے بالکل یہی مثال اللہ کی ہے اللہ نے بشر کو اپنی صورہ پر خلق کیا اس لیے ایسے ہی اللہ کی ذات میں سات درجات ہیں جب آپ کو اس دنیا میں وجود میں لایا گیا تو آپ سب سے نیچے ہوتے ہیں گویا کہ آپ پاؤں کی ہتھیلی ہیں اب آپ کو اس دنیا میں جو مدت دی گئی اور جو کچھ دیا گیا اگر آپ ان سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس مقصد کے لیے سب کا سب دیا گیا تو آپ درجات میں بلند ہوتے جائیں گے یوں جو درجہ آپ دنیا میں کمائیں گے وہی درجہ آپ کو آخرت میں ملے گا اگر آپ دنیا میں اپنی ہی ذات جو کہ آپکی حقیقت ہے اللہ اسے پہچان کر خود کو اللہ ثابت کر دیتے ہیں تو آخرت میں آپ کی حقیقت اللہ ہے اور اس کے لیے اسوہ حسنہ رسول میں رکھ دیا یعنی رسول دنیا میں تو آپ کو آپ ہی کی طرح بشر نظر آتے ہیں لیکن وہ آپ کی طرح انسان نہیں بلکہ وہ اللہ ہی کی ذات ہے ظاہر و باطن میں آخرت میں ان کا درجہ اللہ ہے جیسے آپ کے وجود میں دماغ۔ یہی اللہ نے عیسیٰ کو کہا کہ یہ جو تجھے اتنی سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ تُو اپنی ہی ذات کی طرف بلند ہو رہا ہے آخرت میں تُو سب سے اوپر والے درجے پر ہو گا کُل کا کُل تیرا ہی تو وجود ہو گا۔ اسے مزید تفصیل کیساتھ آگے چل کر واضح کریں گے لیکن یہاں مختصراً بیان کر دیا گیا کہ دنیا میں کوئی بھی بشر درجات میں بلند ہوتا ہے نہ کہ جسمانی طور پر اور جو درجہ دنیا میں کما لیا جائے گا وہی درجہ آخرت میں ملے گا یہ ہے وَرَافِعُکَ اِلَی کی حقیقت۔

اسی کو ایک اور پہلو سے مزید تفصیل کیساتھ کھول کر واضح کرتے ہیں

وَرَافِعُکَ اِلَی

اور یہ جو تجھے صلیب پر چڑھایا ہوا ہے اتنی سخت آزمائش کا سامنا ہے یہ تُو رفع ہو رہا ہے تیرے اپنے ہی نفس کی طرف یعنی جو تیری اپنی اصل ذات ہے اس کی طرف رفع ہو رہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی رفع کیسے ہوتا ہے؟ یعنی کیا اس دنیا میں جسمانی طور پر رفع ہوتا ہے یا پھر دنیا تو امتحان گاہ ہے اس دنیا میں ہر بشر درجات میں رفع ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی اللہ نے قرآن میں دے دیا۔

نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ. الانعام ۸۳

ہم رفع کر رہے ہیں درجات جو ہمارا قانون ہے۔

اس آیت میں اللہ نے بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ بات واضح کر دی کہ اللہ کسی کو بھی جو رفع کر رہا ہے ایک تو درجات میں رفع کیا جاتا ہے اور دوسرا رفع کیا جا رہا ہے جو اللہ نے قانون بنا دیا اس کے مطابق۔

یعنی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ اس دنیا میں اگر کوئی بھی رفع ہوتا ہے تو درجات میں رفع ہو گا نہ کہ جسمانی طور پر اور دوسری بات کہ رفع ہونے کے لیے اللہ نے جو قانون بنا دیا اس قانون پر عمل کرنے سے ہی رفع ہوا جا سکتا ہے دنیا میں درجات بلند ہو سکتے ہیں ورنہ کسی بھی صورت نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ کا قانون کیا ہے جس قانون کے مطابق ہی اللہ رفع کرتا ہے اور پھر یہ بھی ذہن میں ہونا چاہیے کہ اللہ نے ہر شئے سے اسی کا جوڑا خلق کیا ہے اس لیے اگر اللہ رفع کر رہا ہے تو جو قانون پر عمل نہیں کرتے اس کے خلاف چلتے ہیں تو اللہ ان کو درجات میں بلند کرنے کی بجائے ذلت کا شکار کرتا ہے نیچے سے نیچے لے جاتا ہے درجات میں۔

رفع ہونے کا اللہ کا قانون کیا ہے اس کا جواب بھی اللہ نے قرآن میں دے دیا

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَـكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰٮكُمْ ۔ الانعام ۱۶۵

وَهُوَ اور جو بھی موجود ہے اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا یعنی حد نہیں آ جاتی جب حد آ جائے یعنی جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِىْ یہی ذات ہی ہے یعنی یہ اللہ ہی کی ذات ہے جَعَلَـكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اسی ذات نے یعنی اسی وجود نے جسے تم کائنات کہو یا فطرت کہو اس نے تمہیں کیا زمین کے بعد والے یعنی تم سے پہلے بھی اس زمین پر بہت سے بشر آباد تھے جو سلف ہو گئے اس طرح آج تم آباد ہو جو ان کے بعد والے ہو وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور رفع کیا تمہیں بعض کو بعض پر فوقیت تھی دَرَجٰتٍ درجات میں یعنی درجات میں بعض کو بعض پر رکھا لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰٮكُمْ تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا یعنی جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا اسی لیے دیا گیا کہ تمہیں آزمائش میں ڈالا جائے اور اس کے بدلے میں تمہیں بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی جائے درجات میں بلند کیا جائے۔

اس آیت میں اللہ نے رفع کرنے کا قانون بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ نے تمہیں جو کچھ بھی دیا خواہ وہ مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، صحت ہو، کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوں، کوئی عہدہ یا رتبہ ہو یا کچھ بھی دیا تو بغیر کسی مقصد کے نہیں دیا بلکہ سب کے سب کو جس نے دیا نہ صرف اسی کا ہے بلکہ اسی کے لیے ہے اور تم میں سے جو بھی ان سب کا یا ان میں سے کسی کا بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کرے گا تو دنیا میں اس پر سخت سے سخت آزمائشیں آئیں گی اسے سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور جو ان آزمائشوں میں ڈٹ جائے گا تو اسے درجات میں بلند کیا جائے گا یعنی رفع کیا جائے گا یہ ہے اللہ کا قانون رفع کرنے کا۔

جو کچھ بھی دیا گیا اگر کوئی ان میں سے کسی کا بھی اس کے علاوہ اور مقاصد یعنی اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کرتا ہے دنیا میں آسائشوں و سہولتوں کے مزے لوٹنے کے لیے استعمال کرتا ہے دنیا کی عارضی و چھوٹی موٹی آزمائشوں و سختیوں سے بچنے کے لیے استعمال کرتا ہے تو ایسے کو رفع نہیں کیا جاتا بلکہ وہ مزید نیچے سے نیچے چلا جاتا ہے اسی کو اللہ نے قرآن کے ایک اور مقام پر ایک اور پہلو سے واضح کر دیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَ فَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْتَتْرُكْهُ يَلْهَثْ.

الاعراف ۱۷۶

وَلَوْ شِئْنَا یعنی اور اگر ہم نے تمہیں سننے دیکھنے جو سنتے دیکھتے ہو اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں دیں یا جو کچھ بھی دیا تو یہ سب کا سب کیوں دیا؟ لَرَ فَعْنٰهُ بِهَا جس کو بھی ہم نے سننے دیکھنے، سمجھنے اور کرنے کی صلاحیتیں دیں یا ان کے علاوہ بھی جو کچھ بھی دیا تو سب کا سب اس لیے دیا کہ اس کو اس کیساتھ رفع کیا جائے۔ مطلب یہ کہ وہی بات آپ کو جو سننے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ اور پھر اس کے عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی گئی یعنی آسمانوں و زمین پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ اگر آپ میں تھوڑی سی بھی عقل ہو تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ظاہر ہے سننے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ جو بھی آوازیں اپنا وجود

رکھتی ہیں انہیں سنا جائے اور دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ جو کچھ بھی موجود ہے جو نظر آ رہا ہے اسے دیکھا جائے اور پھر سمجھنے کی صلاحیت بھی دی گئی تو اسی لیے کہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھا جائے کہ وہ کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور پھر عمل کرنے یعنی آسمانوں وزمین پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے جس سے آسمانوں وزمین میں قائم توازن برقرار رہے گا کہیں بھی کوئی خرابی نہیں ہوگی اور پھر ظاہر ہے آسمانوں وزمین یہی وجود ہی تو ہے جس نے آپ کو وجود دیا اور جو کچھ بھی ہے اسی وجود نے ہی تو آپ کو دیا تو ظاہر ہے یہ سب نہ صرف اسی کا ہے بلکہ اسی کے لیے ہے اس لیے اسی کے لیے ان سب کا استعمال کرنا ہے تو جو ایسا کرے گا تو اسے دنیا میں سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا لوگوں کی دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑے گا یعنی اس پر آزمائشیں آئیں گی اور اگر وہ ان میں ڈٹ جاتا ہے تو پھر اس کو رفع کیا جا رہا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا مومن ہے اور اللہ کا اسم المومن ہے یعنی ایسا تو اللہ ہی کر سکتا ہے یوں ایسا بشر دنیا میں درجات میں رفع ہو رہا ہے اپنے نفس یعنی اپنی اصل ذات جو کہ اس وجود کا دماغ ہے اس کی طرف۔ لیکن انسان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے انسان عجلت پسند ہے یعنی جو سامنے ہے اسی کے پیچھے بھاگتا ہے جو جلد ہے اسی کے پیچھے بھاگتا ہے اس لیے انسان کے بارے میں اللہ نے کہا وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ اور لیکن یہ جو انسان ہے اس نے کیا کیا؟ اس کو یہ جو سب دیا گیا تو یہ جھک گیا زمین کی طرف یعنی درجات میں رفع ہونے کی بجائے نیچے کو اپنا رخ کر لیا اور اس کا نیچے کو رخ کرنا کیا ہے اس کو بھی اللہ نے آگے واضح کر دیا وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ اور اتباع کی یعنی پیچھے پڑا اپنی خواہشات کے جو اس کے خواہشات ہیں مطلب یہ کہ اس کو جو سننے دیکھنے سمجھنے اور کرنے کی صلاحیتیں دی گئیں اس کو جو کچھ بھی دیا گیا تو اس کو یہ جو اور پر سارا وجود نظر آ رہا ہے اس وجود میں دماغ کا درجہ پانے کے لیے ان سب کا اسی وجود جو کہ اس کا اپنا اصل وجود ہے کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کے پیچھے ان سب کا استعمال کیا، دنیا حاصل کرنے کے لیے ان سب کا استعمال کیا یوں یہ رفع نہ ہوا اس نے دنیا کی پرواہ کرتے ہوئے دنیاوی آزمائشوں سے بچنے کے لیے ان سب کا استعمال کیا فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الۡکَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡہِ یَلۡہَثۡ اَوۡ تَتۡرُکۡہُ یَلۡہَثۡ پس یہ کتے کی مثل ہے یعنی یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ کتا ہو کہ اس پر چڑھ دوڑا جائے تب بھی وہ ہانپ رہا ہے اور کیا ہے چھوڑ بھی دیا جائے تو ہانپتا ہے یعنی جو جو بھی سننے دیکھنے سمجھنے اور کرنے کی جو صلاحیتیں دی گئی یا جو کچھ بھی دیا گیا ان کا دنیا کے حصول کے لیے استعمال کر رہا ہے اپنی خواہشات کے پیچھے استعمال کر رہا ہے اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا دنیا کا لالچ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کا لالچ بڑھتا ہی جائے گا وہ بالکل کتے کی مثل ہے

آپ نے جان لیا کہ اس آیت میں اللہ نے بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ کیسے رفع کرتا ہے یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ رفع کرتا ہے درجات میں اور جیسے اس کا قانون ہے اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ کو اللہ نے دیا تو جس مقصد کے لیے دیا اگر اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو دنیا میں آپ پر آزمائشیں آئیں گی انسان آپ کے دشمن بن جائیں گے اگر آپ ان آزمائشوں پر ڈٹ جاتے ہیں تو بدلے میں آپ رفع ہوتے ہیں اس دنیا میں درجات میں اور جو درجہ آپ اس دنیا میں کما لیں گے آخرت میں آپ کو وہ درجہ مل جائے گا۔

یہ ہے اللہ کا قانون اور اسی قانون کے مطابق ہی اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو رفع کیا نہ صرف عیسیٰ ابن مریم بلکہ ہر رسول اسی قانون کے مطابق ہی رفع ہوا۔ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے الکتاب دی یعنی آسمانوں وزمین کا علم دیا اور الحکمہ بھی دی اب ظاہر ہے اللہ نے الکتاب والحکمہ دی ہے تو بغیر کسی مقصد کے تو نہیں دی اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچایا جائے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا بھیجا ہوا بننا تھا اب اگر عیسیٰ اللہ کا بھیجا ہوا یعنی رسول بنتا ہے تو ظاہر ہے اس وقت وہ لوگ ہوتے ہی سو فیصد گمراہیوں میں ہیں جن میں رسول بھیجا جاتا ہے اور وہ رسول کا دروازہ تو بند کر کے بیٹھے ہوتے ہیں اب اگر عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول بنتا تو اسے انتہائی سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا یعنی انسان اس کے دشمن بن جاتے اور اس کو قتل تک کرنے کی پوری کوشش کرتے اور اگر عیسیٰ ابن مریم ڈٹ جاتا تو ایسے میں وہ اپنی اصل ذات اللہ کی طرف اس دنیا میں درجات میں بلند ہوتا اور آخرت میں وہ وہی ہوگا جو اس نے دنیا میں درجہ کمایا۔ یوں اس طرح عیسیٰ ابن مریم رفع ہوا۔

اور دوسری بات کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور رسول میں اسوہ حسنہ ہوتا ہے یعنی رسول کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے کہ نہ صرف جن میں رسول بعث کیا جا رہا ہے ان کی اپنی زبان میں حق کھول کھول کر ہر لحاظ سے واضح کر دیا جائے بلکہ ان کو عملی طور پر عمل کر کے بھی دکھا دیا جائے کہ یہ تھا دنیا میں آنے کا مقصد اس طرح اس مقصد کو پہچانا جاتا ہے پھر اس طرح اس پر پورا اترا جاتا ہے اور جب اس مقصد پر پورا اترو گے تو تمہیں ایسے ہی سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر تم ڈٹ گئے تو

تمہیں اسی طرح رفع کیا جائے گا یعنی تم اللہ کی طرف رفع ہو گے اس لیے تم نے جو بھی کرنا ہے وہی کرنا ہے جو رسول نے کیا اسی طرح کرنا ہے جیسے رسول نے کیا اسی طرح رفع ہو گے جیسے رسول رفع ہوا۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جو رفع ہوا اس کا مطلب ہے کہ اسے زندہ یا مردہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو ایسا بشر اللہ کا رسول ثابت ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ رسول میں اسوہ حسنہ ہوتا ہے اور جس میں اسوہ حسنہ ہی نہ ہو وہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ رسول ہو ہی نہیں سکتا اس لیے اگر کوئی کہتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو زندہ یا مردہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو عیسیٰ ابن مریم میں اسوہ حسنہ ثابت ہی نہیں ہوتا اور یوں وہ اللہ کا رسول ہی ثابت نہیں ہوتا۔

اپنے کان کھول کر سن لیں وہ لوگ جو ایسا کہتے ہیں یا عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ یا پھر مردہ آسمانوں پر چلا گیا وہ اپنے عمل سے دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا ہی نہیں اب اگر وہ زبان سے لاکھ دعوے کریں لیکن جان لیں زبان سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن عمل سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ عمل اپنے آپ میں اٹل حقیقت ہے۔

پھر اس کے علاوہ آپ درج ذیل آیت میں دیکھیں اللہ کا کیا کہنا ہے عیسیٰ ابن مریم کے رفع ہونے کے بارے میں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ . البقرة ۲۵۳

اللہ نے رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہیں وہ رسول فضیلت دی یعنی ترجیح دی ہم نے بعض کو بعض پر، ان میں سے جو بھی ہیں کلمہ تھے یعنی ان کے والدین طیب تھے اور وہ خلق ہی طیب ہوئے تھے اس لیے اللہ ہے اور رفع کیا ان بعض کے درجات اور عیسیٰ ابن مریم کو دیں ہم نے البیّنات یعنی آیات کو کھول کھول کر واضح کرنے کا علم دیا اور کیا دیا ہم نے عیسیٰ کو؟ ہمارا ید یعنی جو کام کرنے کے لیے بھیجا اسے کرنے کی قوت روح القدس کیساتھ۔

اس آیت میں اللہ نے رائی برابر بھی شک کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو جو دیا تھا اس کا ذکر بھی کر دیا اور ظاہر ہے عیسیٰ ابن مریم کو جو دیا تھا اسی لیے دیا تھا کہ اسے رفع کیا جائے وہ رفع ہوا اس کیساتھ اور عیسیٰ ابن مریم اس کیساتھ رفع ہوا یعنی اس کو جو کچھ بھی دیا گیا تو جس مقصد کے لیے دیا گیا اس نے اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس کی وجہ سے اس کو انتہائی سخت ترین آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جس پر ڈٹنے سے عیسیٰ ابن مریم رفع ہوا درجات میں جو درجہ اس نے دنیا میں کمایا آخرت میں وہی درجہ اسے حاصل ہو گا۔ اس آیت میں دوٹوک واضح کر دیا گیا کہ عیسیٰ ابن مریم سمیت ان تمام رسولوں کے درجات رفع یعنی بلند کیے تھے نہ کہ کسی ایک کو بھی جسم سمیت زندہ یا مردہ آسمان پر اٹھا لیا گیا جیسا کہ آج مشہور کر دیا گیا۔

اسی طرح اللہ نے ہر رسول کو رفع کیا ہر رسول کو جو دیا گیا اس نے اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس مقصد کے لیے دیا گیا جس کی وجہ سے ہر رسول کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا جس پر وہ ڈٹ گئے اور یوں ہر رسول رفع ہوا اس دنیا میں درجات میں اور ایسے ہی ابراہیم کو بھی رفع کیا گیا جس کا ذکر اللہ نے قرآن کی درج ذیل آیات میں کر دیا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. البقرة ۱۲۴

اور جب آزمائش میں ڈالا ابراہیم کو اس کے ربّ نے ساتھ کلمات کے پس پورا کیا انہیں، کہا اس میں کچھ شک نہیں میں کر رہا ہوں تجھے لوگوں کے لیے امام۔

اس آیت میں اللہ ایک واقعے کا ذکر کر رہا ہے کہ جب ابراہیم کو لوگوں کے لیے امام بنایا گیا تو اس کا پس منظر کیا تھا۔ ابراہیم کو اللہ نے جو کلمات یعنی الکتاب کا علم دیا تھا جب ابراہیم نے لوگوں پر حق واضح کیا تو لوگ ابراہیم کے دشمن بن گئے یہاں تک کہ ابراہیم کے خلاف آگ جلائی گئی مطلب کہ پورا معاشرہ ہی آگ بگولہ ہو کر ابراہیم کے خلاف نہ صرف اکٹھا ہو گیا بلکہ ابراہیم کو پکڑ لیا جو کہ انتہائی سخت آزمائش تھی۔ آپ خود تصور کریں کہ اگر آپ آج انڈیا کے کسی بڑے مندر میں جا کر بتوں کو توڑ دیں اور شور مچ جائے تو کیا ہو گا؟ نہ صرف عوام مشتعل ہو کر اکٹھی ہو جائے گی بلکہ آپ کو تلاش کیا جائے گا اور اگر آپ ان کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں تو آپ کی حالت کیا ہو گی؟ وہ جو پورا مجمع آگ بگولہ ہو رہا ہے وہ آپ کیساتھ کیا کرے گا اور اس وقت آپ کس قدر سخت آزمائش کا شکار ہوں گے؟ ابراہیم کے خلاف ایسے ہی آگ جلائی گئی یعنی مشتعل ہجوم اکٹھا ہو گیا اور ابراہیم ان کے ہتھے چڑھ گئے تو ابراہیم نے وہاں لچک کا مظاہرہ نہیں کیا نہ ہی ابراہیم

اپنے موقف سے پیچھے ہٹے ان سے ڈر کر بلکہ ابراہیم ڈٹ گیا اور پھر نہ صرف اللہ نے حالات ایسے بنا دیے کہ اس آگ یعنی مشتعل ہجوم کو ٹھنڈا کر دیا بلکہ ابراہیم کو وہاں اس آگ سے نکال لیا اس آزمائش کے بدلے ابراہیم رفع ہوئے جس کا درج ذیل آیت میں ذکر کیا گیا۔

وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ۔ الانعام ۸۳

آج اس وقت جو اللہ کا رسول موجود ہے اسے اللہ کہہ رہا ہے کہ یہ جو تجھے الکتاب دی گئی جو تجھے البیّنات دی گئیں یہ وہ حجت تھی جو دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر یعنی اِس وقت اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہہ رہا ہے جسے محمد کی قوم کے آخرین میں بھیجا گیا کہ یہ جو تجھے الکتاب یعنی آسمانوں وزمین کا علم دیا گیا جو تُو آج حق ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ رہا ہے جو کہ ان لوگوں پر حجت ہے یعنی تیری طرف سے حق اس قدر کھول کھول کر واضح کیے جانے کے باوجود بھی یہ نہ ماننے اور کفر ہی کیا تو کل کو ان کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا بالکل ایسے ہی ابراہیم اپنی قوم پر حجت تھے اور جو آج یہ لوگ تیرے ساتھ کر رہے ہیں تیرے خلاف کر رہے ہیں بالکل ایسے ہی ابراہیم کی قوم نے بھی ابراہیم کے خلاف کیا، تو جیسے آج تُو آگے سے اس آزمائش پر ڈٹ گیا ہے ایسے ہی ابراہیم ڈٹ گیا تھا اور بدلے میں ہم رفع یعنی بلند کر رہے ہیں درجات جو ہمارا قانون ہے یعنی اس طرح ہم درجات بلند کرتے ہیں ایسے ہی ابراہیم کے درجات بلند کیے۔

یہ ہے رفع کی حقیقت اس طرح اللہ رفع کرتا ہے اس طرح کوئی بھی بشر رفع ہوتا ہے اللہ کی طرف جو کہ انسان کی اپنی ہی ذات ہے جسے وہ بھولا ہوا ہے اور اس پانچ چھ فٹ کے جسم کو اپنی اصل ذات سمجھ رہا ہے۔

اس کے علاوہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا ایک اسم ہے ''الرافع'' جس کے معنی ہیں مخصوص رفع ہو رہا ہے اللہ ہے یعنی جو جو بھی رفع ہو رہا ہے تو ان میں دیکھیں کون ہے جو مخصوص ثابت ہوتا ہے جو مخصوص ثابت ہو جائے وہ اللہ ہے۔ الرافع کا ترجمہ کیا جاتا ہے رفع یعنی بلند کرنے والا اگر یہ ترجمہ بھی لے لیں تو آپ خود غور کریں اگر رفع کا معنی ہے جسمانی طور پر آسمانوں پر اٹھا لینا ہے تو کیا صرف اور صرف واحد عیسیٰ ابن مریم ہی ایسا بشر تھا جو رفع ہوا؟ نہیں بلکہ ہر رسول رفع ہوا اور جو رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح رفع ہوتے ہیں جیسے رسول رفع ہوا اس لیے یوں بھی ان شیاطین کے گھڑے ہوئے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کی حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔

قرآن میں اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں رفع کی وضاحت موجود ہے لیکن اس موضوع پر مزید بات کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ یہ جو بات کی یہ بھی اضافی بات کر دی گئی تا کہ جو نہ ماننے والے ہیں ان کے پاس کل کو کسی بھی قسم کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر ایک بار صرف رفع کیے جانے کی حقیقت کو الگ سے واضح کر دیا جاتا تو ہم مان جاتے یوں آیت میں رافعک الی کی حقیقت بھی آپ پر ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دی گئی۔

واقعہ صلیب کی حقیقت

عیسائیوں کے پاس ایک ایسا کپڑا پچھلے دو ہزار سال سے محفوظ ہے جس کی لمبائی تقریباً چودہ فٹ ہے اور اسے عیسیٰ ابن مریم کا کفن قرار دیا جاتا ہے۔ نہ صرف اس کپڑے کو عیسیٰ ابن مریم کا کفن قرار دیا جاتا ہے بلکہ یہ وہ کپڑا ہے جس میں لوگوں کی نظروں میں عیسیٰ ابن مریم کو مردہ سمجھ کر صلیب سے اتارنے کے بعد لپیٹ کر ایک غار نما قبر میں رکھا گیا جس کے تیسرے دن وہاں سے عیسیٰ ابن مریم اپنے حواریوں کیساتھ نکل گئے اور بعد میں جا کر جب اس راز پر سے پردہ اٹھا تو اس

کپڑے کو محفوظ کرلیا گیا جسے آپ درج ذیل تصویر میں دیکھ رہے ہیں۔

عیسیٰ ابن مریم نے جب حق کھول کھول کر واضح کیا تو بنی اسرائیل کے ملاّ وں کی حقیقت کھل کر سامنے آنے لگی کہ انہوں نے دین الاسلام کیساتھ کیا کھلواڑ کیا ہے یوں بنی اسرائیل کے ملاّ وں کو اپنی دکانداری جب خطرے میں نظر آئی تو وہ عیسیٰ ابن مریم کی جان کے دشمن بن گئے اور انکے قتل کے منصوبے بنانا شروع کردیئے لیکن انہیں خوف تھا کہ اگر وہ عیسیٰ کو قتل کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری ان پر آسکتی ہے اور اس سے بچنے کے لیے ملاّ وں نے عیسیٰ ابن مریم پر طرح طرح کے

الزامات لگانا شروع کر دیئے اور ان کی طرف طرح طرح کے جھوٹ منسوب کر کے عوام کو گمراہ اور مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جو عیسیٰ کیساتھ علمی میدان میں بات کر کے خود کو حق اور عیسیٰ کو باطل ثابت کر سکتا اس وجہ سے ملاّؤں نے پہلے پہل تو خاموشی اختیار کیے رکھی کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر کوئی بھی عیسیٰ کے مقابلے پر آئے گا تو اس کی حقیقت ہر کسی پر چاک ہو جائے گی لیکن جب عیسیٰ ابن مریم نے خود اپنی زبان سے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو یہ بات ملاّؤں کے لیے عیسیٰ ابن مریم کے خلاف بطور ہتھیار ثابت ہوئی، اس وقت چونکہ بالکل آج والے ہی حالات تھے کہ کوئی رسول و نبی نہیں آئے گا جو کوئی بھی دعویٰ کرے تو اس کی صرف اور صرف ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے قتل اس لیے ملاّؤں نے اس بات کو لیکر عیسیٰ ابن مریم کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا جب عوام کی اچھی خاصی تعداد کو گمراہ کر چکے تو اس وقت کی رومن حکومت پر عیسیٰ ابن مریم کے خلاف فساد فی الارض کا مقدمہ درج کر کے گرفتار کرنے اور مصلوب کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جس پر حکومت کی طرف سے مقدمہ درج کر کے عیسیٰ ابن مریم کو گرفتار کر لیا گیا اور عدالت نے انہیں مصلوب یعنی بذریعہ صلیب قتل کرنے کی سزا سنا دی۔

ریاست کا دستور یہ تھا کہ جس شخص کو فساد فی الارض کے جرم میں مصلوب کیا جاتا اس کو پہلے کوڑے بھی مارے جاتے یوں عیسیٰ ابن مریم کو کوڑے بھی مارے گئے۔ اس وقت کی رومن ریاست میں استعمال ہونے والے کوڑے کو تصاویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے جسم پر سے ان کے کپڑے اتار لیے گئے اور بھرے مجمع میں ان پر کوڑے برسائے گئے اور بنی اسرائیل کے ملاّؤں کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ اگر تم اپنے دعوے سے منحرف ہو جاؤ یعنی یہ کہہ دو کہ تم اللہ کے رسول ہو نہ ہی وہ المسیح جس کا بنی اسرائیل سے وعدہ کیا گیا ہے بلکہ تم نے جھوٹا دعویٰ کیا تو تمہاری جان بچ سکتی ہے لیکن کوڑے کھانے والا بشر اتنی اذیت کے باوجود اپنے دعوے سے منحرف ہونے کی بجائے اللہ کو پکارتا رہا اور اپنے اس دعوے پر قائم رہا کہ وہ اللہ کا رسول اور وہی المسیح ہے جس کا بنی اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ بالآخر عیسیٰ ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور یہ جمعہ کا دن تھا اور وقت ظہر سے ڈھل چکا تھا مغرب میں چند ہی گھنٹے باقی تھے۔ یہودیوں کے ہاں یہ بھی دستور تھا کہ سبت یعنی ہفتے کے دن نہ ہی کسی کو مصلوب کیا جاتا اور نہ ہی کسی کا جسم صلیب پر رہنے دیا جاتا بلکہ اس کی لاش کو صلیب سے اتار لیا جاتا اس لیے سبت یعنی ہفتے کا دن شروع ہونے سے قبل موت دے کر لاش کو صلیب سے اتارنا لازم ہوتا تھا۔ عیسیٰ ابن مریم کیساتھ ان کے دائیں اور بائیں دو ڈاکوؤں کو بھی مصلوب کیا گیا جب وقت مغرب میں داخل ہونے والا تھا تو سبت کا دن شروع ہونے سے پہلے تینوں افراد کے اجسام کو صلیب سے اتارنا بھی تھا جس کے لیے صلیب پر موت ہونا لازم تھی۔ عام طور پر پانچ پانچ دن تک بشر صلیب پر زندہ رہتا ہے اور اگر سبت کا دن شروع ہونے تک کوئی زندہ رہے یعنی اس کی موت نہ ہو تو اس کو بھالوں یعنی نیزوں سے مار مار کر اس کی پسلیاں توڑ کر مار دیا جاتا اس کے بعد لاش اتار لی جاتی یہاں بھی ایسا ہی ممکن تھا لیکن ہوا یوں کہ عیسیٰ ابن مریم کو ایک شخص نے سپاہی کے روپ میں نیزے پر لگا کپڑے کا ٹکڑا سونگھا یا جس سے وہ ایسی حالت میں

چلے گئے کہ سب کو یہی لگا کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت ہوگئی۔

جب سبت کا دن شروع ہونے کو تھا تو سپاہیوں نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو تو زندہ ہیں لیکن عیسیٰ ابن مریم کی موت ہوچکی تو انہوں نے ڈاکوؤں کو پھالے مار مار کر ان کی پسلیاں توڑ دیں جس سے ان کی موت ہوئی اور جب وہ عیسیٰ ابن مریم کی طرف آئے تو یہ یقین کرنے کے لیے کہ کیا ان کی موت ہوچکی ہے ایک سپاہی نے عیسیٰ ابن مریم کی پسلیوں کی جگہ پھالا مارا جس سے عیسیٰ ابن مریم کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی اور اس پھالا مارنے سے ان کے جسم سے خون بہنا شروع ہو گیا۔

جج نے موت کی تصدیق کرتے ہوئے جسم کو صلیب سے اتار کر عیسیٰ کے حواریوں کے حوالے کرنے کا حکم دے دیا اور عیسیٰ ابن مریم کے حواری ان کا جسم لیکر صلیب کے مقام کے قریب ہی پہلے سے ہی ایک چٹان میں غار خرید رکھا تھا جسے وفات شدہ کو رکھنے کے لیے قبر کے نام پر استعمال کیا جاتا تھا وہاں لے گئے جہاں انہوں نے پہلے سے ہی سب انتظام کر رکھا تھا یعنی وہاں انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کے جسم پر مرہم لگانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جس قبر کے نام پر غار میں عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو صلیب سے اتارنے کے بعد رکھا گیا اس کو درج ذیل تصویر میں دیکھیں جو کہ آج بھی موجود ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو اس غار میں لا کر چودہ فٹ لمبے کپڑے کی ایک طرف کو بچھا کر اس پر لٹا دیا گیا اور سارے جسم پر لوبان اور مر سے تیار کردہ مرہم مل کر جسم کو باقی کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا جیسا کہ ذیل میں دی گئی تصویر میں واضح کیا گیا ہے۔

عیسیٰ ابن مریم کا جسم بغیر کسی حرکت کے کئی گھنٹے تک ساکت پڑا رہا اور زخموں کی کثرت کی وجہ سے جسم بخار میں مبتلا ہو گیا۔ بخار کی وجہ سے جسم کا درجہ حرارت بڑھنے سے جو پسینہ آیا اور بھاپ بن کر اٹھا اس میں اس مرہم کے اجزاء بھی شامل ہوتے گئے اور اس بھاپ سے قدرتی طور پر اس کپڑے پر جسم کے دونوں طرف عیسیٰ ابن مریم کے پورے جسم کا خاکہ چھپ گیا۔

تیسرے دن عیسیٰ ابن مریم کو رات کے وقت وہاں سے نکال کر شہر سے دور غیر گنجان آباد علاقے میں دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا لیکن اس کپڑے کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں عیسیٰ ابن مریم وہاں سے اس مقام کی طرف ہجرت کر گئے جہاں بنی اسرائیل کے باقی دس گمشدہ قبائل آباد تھے تا کہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں اور یہی اللہ کی حکمت تھی۔

وہاں اس کپڑے کا چھوڑ نا یہ خالصتاً اللہ کی حکمت ہی تھی اور پھر اس کپڑے کو آج تک محفوظ کر دینا یہ بھی خالصتاً اللہ ہی کی حکمت تھی تا کہ عیسیٰ ابن مریم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے ذریعے سے وہ پورا کیا جا سکے یعنی جو الزامات بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں نے لگائے اور جو کچھ بعد میں عیسائیوں نے کیا اس سب سے عیسیٰ ابن مریم کو بری کیا جائے۔

درج ذیل تصویر میں آپ اس کپڑے کو دیکھ سکتے ہیں جس میں عیسیٰ ابن مریم کے جسم کو صلیب سے اتار کر لپیٹا گیا۔

اس کپڑے کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ایک حصہ ۱۳۹۰عیسوی سے پہلے کی تاریخ اور دوسرا ۱۳۹۰ عیسوی سے آج تک کی تاریخ۔ ۱۳۹۰ عیسوی سے پہلے کی تاریخ موجود ہونے کے باوجود جان بوجھ کر مشکوک بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ایسا موجودہ دور میں کیا جارہا ہے نہ کہ اس سے پہلے ایسا تھا لیکن ۱۳۹۰ عیسوی کے بعد کی تاریخ مکمل سامنے لائی جاتی ہے اس کی کیا وجوہات ہیں اس کی حقیقت آگے جا کر خود ہی کھل جائے گی۔

یہ کپڑا ۱۵۷۸ عیسوی میں فرانس سے اٹلی کے شہر ٹیورن کے ایک چرچ میں لایا گیا جو اب تک یہیں موجود ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام ''شراوڈ آف ٹیورن'' یعنی ٹیورن کا کفن پڑ گیا۔ پہلی بار ۱۸۹۸ عیسوی میں سائنسی تحقیقات کے لیے اس کپڑے کی تصاویر لینے کی اجازت دی گئی اور تین ٹیموں نے ان تصاویر کے ذریعے اس کپڑے پر تحقیقات کیں۔ اس کے بعد ۱۹۰۲ عیسوی میں بھی تصاویر کے ذریعے دوبارہ تحقیقات کی گئیں جس میں یہ ثابت ہوا کہ کپڑے پر موجود ہلکی سی نظر آنے والی تصویر قدرتی طریقے سے وجود میں آئی ہے نہ کہ کسی نے بنائی لیکن یہ تحقیقات اس مقصد کے لیے ناکافی تھیں جس مقصد کے لیے تحقیقات کی اجازت دی گئی تھی۔

اس کے بعد تیسری بار ۱۹۳۶عیسوی میں بھی اس پر تحقیقات کی گئیں اور اس کے بعد بالآخر ۱۹۶۹ تا ۱۹۷۳ عیسوی تک یہ کپڑا گیارہ رکنی اعلیٰ سطح کے سائنسدانوں کی ٹیم کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ اس پر تحقیقات کریں اور اپنی رپورٹ پیش کریں۔

اللہ کی حکمت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ اس گیارہ رکنی ٹیم میں ایک انتہائی قابل سائنسدان کو بھی شامل کیا گیا جو کہ یہودی تھا۔ جب اسے ٹیم میں شمولیت اور پروجیکٹ کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں تو ایک یہودی ہوں اور میری اس میں کوئی دلچسپی نہیں اس کے باوجود اس ٹیم میں یہ سوچ کر شمولیت کی حامی بھر لی کہ جائیں گے اور جب اس کپڑے کو دیکھیں گے تو لازمی اس پر ایسے اثرات نظر آئیں گے کہ جس سے یہ واضح ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا خود سے کیا ہوا کام ہے یوں ہم اسے یہیں رد کر دیں گے یعنی فرضی اور جعلی قرار دیں گے لیکن ہوا یوں کہ اس نے کہا جب ہم نے پہلی بار اس کپڑے کو دیکھا تو ہمیں ایسا کوئی اثر نہ ملا کہ جس سے یہ شک بھی ہوتا کہ یہ کسی کی بنائی ہوئی تصویر ہے جس وجہ سے میری دلچسپی اس میں بڑھ گئی ،نہ صرف میری بلکہ پوری ٹیم کی۔

یوں Shroud of Turin Research Project ''STURP'' نامی پروجیکٹ سے اس پر تحقیقات کا آغاز ہوا۔ اس ٹیم میں زیادہ تر امریکی سائنسدان تھے اور اس ٹیم نے مسلسل پانچ ماہ تک اس کپڑے پر بنی تصویر پر تحقیقات کیں جس کے لیے مختلف جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا اور تمام تر تجربات، تجزیات وتحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نہ صرف کپڑے پر بنی تصویر جسم پر لوبان اور مر کے لگے ہونے اور جسم کے درجہ حرارت کی وجہ سے قدرتی طور پر بنی ہے بلکہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے اور جس وقت ان کے جسم کو صلیب سے اتارا گیا اس وقت وہ زندہ تھے اور جب ان کا جسم اس کپڑے میں ڈھانپا گیا تب بھی وہ زندہ تھے کیونکہ مردہ جسم سے حرارت خارج نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسا کوئی عکس وجود میں آسکتا ہے اور پھر اس کپڑے پر خون کے دھبوں پر کیے گئے تمام تجربات وتحقیقات سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جب عیسیٰ ابن مریم کو صلیب سے اتار کر اس کپڑے میں ڈھانپا گیا تب خون کا بہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اس وقت زندہ تھے کیونکہ کسی بھی وفات شدہ کے بدن سے خون نہیں بہہ سکتا کیونکہ خون دل کے دھڑکنے کی وجہ سے بہتا ہے جب دل کی دھڑکن بند ہو جائے تو خون کا بہاؤ مکمل طور پر رک جاتا ہے یوں کسی بھی مردہ بدن سے خون نہیں بہہ سکتا۔ اس کے علاوہ بذات خود بائبل عیسیٰ ابن مریم کے صلیب پر سے زندہ اتارے جانے کی گواہی دیتی ہے کہ جب ان کا جسم صلیب سے اتارنے سے قبل ان کی موت کی تصدیق کے لیے ان کی پسلیوں میں پھالا گھونپا گیا تو خون بہنا شروع ہو گیا حالانکہ مردہ جسم سے خون نہیں بہتا یہ آج میڈیکل سائنس سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی سال تک ہر لحاظ سے اس پر تحقیقات جاری رہیں اور کئی سالوں بعد ۱۹۸۱ عیسوی میں ان تحقیقات کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا کہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے اور وہ صلیب پر سے زندہ اتار لیے گئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی تھی۔

ان نتائج کے سامنے آنے سے چرچ کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں اور چرچ نے اپنا سارا زور اس پر لگانا شروع کر دیا کہ ان نتائج کو چھپایا جائے تاکہ دنیا پر حقیقت نہ کھل سکے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی صلیب پر موت نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ صلیب سے زندہ اتار لیے گئے تو دین عیسائیت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ دین عیسائیت کی بنیاد ہی یہی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب کیے گئے یعنی ان کی موت صلیب پر ہوئی اور ان کی موت ان پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

جب یہ نتائج کسی حد تک دنیا کے سامنے آئے تو ایک اور فیصلہ کیا گیا اور وہ یہ تھا کہ اس کپڑے کا کاربن فورٹین ٹیسٹ کروایا جائے جس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ آیا یہ کپڑا کتنا پرانا ہے اگر کاربن فورٹین ٹیسٹ سے پہلی صدی عیسوی کی تاریخ نکلتی ہے تو بلاشبہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن تھا اور اگر ایسا نہیں ہوتا تب بھی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور یہ نتائج بے معنی ہو جائیں گے جو پہلے کی گئی تحقیقات سے سامنے آئے۔

۱۹۸۸ عیسوی میں اس کپڑے کے ایک کونے سے چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا اور آزادانہ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیسٹ کے لیے ایک ٹکڑا آکسفورڈ یونیورسٹی، دوسرا یونیورسٹی آف اریزونا امریکہ اور تیسرا سوئیس فیڈرل انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں بھیج دیا گیا۔

''STURP'' Shroud of Turin Research Project کی پوری ٹیم کو یقین تھا کہ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹ پہلی صدی عیسوی کی ہی آئے گی لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس آیا۔ ٹیسٹ میں جو تاریخ سامنے آئی وہ ۱۲۶۰ سے ۱۳۹۰ عیسوی کے درمیان وہ کپڑا بنا تھا۔ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ سے پچھلی تمام تر کی گئی تحقیقات کو رد کر دیا گیا لیکن جس ٹیم نے تحقیقات کی تھیں وہ ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیسٹ کو ماننے کو تیار نہیں تھی لیکن ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس ٹیسٹ کے سامنے اپنی تحقیقات کو سچ ثابت نہیں کر سکتے تھے یوں چرچ کو اطمینان ہو گیا اور دین عیسائیت کی جڑ کٹتے کٹتے بچ گئی۔ جو کپڑا کئی سالوں سے موضوع بحث اور توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا اچانک وہ بے معنی ہو گیا لیکن اس کے باوجود چرچ اپنے پیروکاروں کو یہی کہتا رہا کہ یہ عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے۔

''STURP'' Shroud of Turin Research Project ٹیم میں یہودی سائنسدان نے ہار تسلیم نہ کی اس کا کہنا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہے کہ یہ کفن عیسیٰ ابن مریم کا نہیں ہے۔ وہ اس ٹیم کا حصہ تھا اور جو علم انہیں حاصل ہوا، جو ثبوت تجربات وتحقیقات سے سامنے آئے ان کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ کپڑا ۱۲۶۰ سے ۱۳۹۰ کے درمیان بنایا گیا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تب کس کو مصلوب کیا گیا؟ کیونکہ تاریخ میں اس دوران ایسا کوئی واقعہ ملتا ہی نہیں۔ تاریخ میں ایسا ایک ہی واقعہ ملتا ہے اور وہ ۲۰۰۰ سال پہلے عیسیٰ ابن مریم کا واقعہ صلیب ہے۔ اس کے علاوہ ایک ایسی پینٹنگ تھی جس نے ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیسٹ پر بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔ وہ عیسیٰ ابن مریم اور اسی کپڑے کی پینٹنگ تھی یعنی ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک تصویر جس میں اس کپڑے کو دکھایا گیا ہے درج ذیل تصویر اسی پینٹنگ کی ہے۔

تصویر میں نظر آنے والا کپڑا عیسیٰ ابن مریم کا قرار دیا جانے والا یہی کفن ہے کیونکہ جس طرز پر اس کفن پر انگلش کے حرف ایل کی مثل سوراخ ہیں اس پینٹنگ میں بالکل انہی جگہوں پر ایسے ہی سوراخ موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پینٹنگ بنانے والا شخص نہ صرف اس کپڑے سے واقف تھا بلکہ اس وقت بھی اس کپڑے کو عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن مانا جاتا تھا۔

پینٹنگ میں عیسیٰ ابن مریم کے جسم پر لوبان اور مر کا مرہم ملتے اور انہیں اسی کفن میں ڈھانپتے ہوئے دیکھا جاسکتا اور یہ پینٹنگ ۱۲۶۰ جو کہ ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ سے سامنے آنے والی تاریخ سے بھی ۷۰ سال پہلے ۱۱۹۰ عیسوی میں بنائی گئی تھی۔ یہ پینٹنگ نہ صرف اس ٹیم کے لیے تسلی کا باعث بنی بلکہ اس نے ریڈیو کاربن فورٹین ڈیٹنگ پر سوالیہ نشان لگا دیا۔ یہودی سائنسدان نے دنیا میں مختلف جگہوں پر اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی جدو جہد کردی کہ شراوڈ آف ٹیورن عیسیٰ ابن مریم کا ہی کفن ہے۔

اچانک ۱۹۹۲ عیسوی میں دو جرمن مصنفوں کی ایک کتاب منظر عام پر آئی جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ بالکل ٹھیک تھا لیکن اس کا شراوڈ آف ٹیورن یعنی عیسیٰ ابن مریم کے کفن سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے کتاب میں بتایا کہ جب عیسیٰ ابن مریم کے کفن سے ٹکڑا کاٹ کر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ٹیسٹ کے لیے بھجوایا جارہا تھا تب ان ٹکڑوں کو بدل دیا گیا تھا یوں اصل کے بجائے نقلی ٹکڑے ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ کے لیے چلے گئے اور انہوں نے کتاب میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ عیسیٰ ابن مریم کا کفن بالکل اصل ہے۔ ان کے اس دعوے کی بنیاد پر جب اس پر تحقیقات کی گئیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ ان کا دعویٰ سچ تھا۔ جو ٹکڑے ٹیسٹ کے لیے بھیجے گئے ان کا وزن بھی مختلف تھا اور ان کی تصاویر بھی بالکل مختلف تھیں جن کا عیسیٰ ابن مریم کے کفن سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ بعد میں یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ سب چرچ کی جانب سے کیا گیا کیونکہ چرچ کو خطرہ تھا کہ اگر ریڈیو کاربن فورٹین ٹیسٹ ہو جاتا ہے تو پچھلی تمام تر تحقیقات سچ ثابت ہو جائیں گی کہ عیسیٰ ابن مریم کی موت صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ بچا لیا گیا یوں دین عیسائیت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ دین عیسائیت بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جائے گا اور چرچ نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو جس وجہ سے یہ قدم اٹھایا گیا۔

آج یہ ثابت ہو چکا کہ عیسیٰ ابن مریم مصلوب نہیں ہوئے یعنی ان کی موت صلیب پر نہیں ہوئی۔ مصلوب کہتے ہیں صلیب پر موت ہونا اور اگر صلیب پر موت نہ ہو تو وہ مصلوب نہیں کہلاتا۔ یہی حقیقت اللہ نے آج سے چودہ صدیاں پہلے قرآن میں بیان کردی تھی لیکن خود کو امت محمد کہلوانے والوں کے علمائے یہود نے نہ صرف قرآن کی تکذیب کی بلکہ دین عیسائیت کو بنیاد فراہم کی اور اس کے علاوہ دین الاسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کیا۔ اللہ نے کہا تھا کہ اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ کی حکمت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ اس کپڑے کو کیسے صدیوں تک محفوظ رکھا اور آج خود انہی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں ساری حقیقت کھول کر رکھ دی اور عیسیٰ ابن مریم کو اِن کے ان اعمال سے بری ثابت کر دیا جو یہ آج تک عیسیٰ ابن مریم کے نام پر کرتے آئے انہیں من دون اللہ الٰہ بنائے رکھا۔ اور یہودیوں کے گھر سے ہی ایک یہودی نے اس کام میں سب سے بڑھ کر کام کیا اور اس حق کو کھولنے میں رات دن ایک کیے رکھا۔

اب وہ لوگ جن کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے ایک حواری کو اس کی شکل عیسیٰ ابن مریم سے چھومنتر کر کے بدل دی گئی اور مصلوب کیا گیا تو ان لوگوں سے سوال ہے کہ پھر تم لوگ اپنے اس دعوے کو سچا ثابت کرو کیونکہ جسے صلیب پر چڑھایا گیا اس کی تو موت ہی نہیں ہوئی تھی تو کیا عیسیٰ کے اس حواری کی موت نہیں ہوئی تھی؟ آج تمہارا دجل ہر لحاظ سے چاک کر کے رکھ دیا گیا اور حق کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اب آپ کو اپنے گریبان میں جھانکنا ہے کہ آیا آپ حق کو تسلیم کرتے ہیں یا پھر اندھوں کی طرح ان علماء نامی بدترین مخلوق کے پیچھے چلتے ہیں جو کہ الدجّال کے امام ہیں اور دین الاسلام کے بدترین دشمن ہیں جو اپنی

خواہشات کواللہ بنائے ہوئے ہیں، اپنے اپنے فرقے کوحق قرار دیتے ہوئے اسی کی طرف دعوت دینے میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں حالانکہ اگران سے کوئی سوال کیا جائے تو بجائے یہ کہ اس سوال کا علم کی روشنی میں جواب دیں بلکہ منافق کی طرح گالم گلوچ اور جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تھا عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں حق اب جس کا جی چاہے وہ اسے تسلیم کرے اور جس کا جی چاہے اس کا کفر کرے لیکن کفر کرنے والا جان لے کہ وہ مانے گا لیکن تب اسے ماننا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ تب اس کا ماننا آل فرعون اور جوان سے پہلے ہلاک کر دیئے گئے ان کے ماننے کی ہی مثل ہوگا۔ آج تمہاری صلیب توڑ کر رکھ دی گئی اور حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا۔

عقیدہ ختم نبوت نامی بت اور احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد رسول اللہ و خاتم النبیّن اور عقیدہ ختم نبوت

کیا محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی تھے؟ کیا ان پر رسالت و نبوت ختم ہو چکی؟

خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد علیہ السلام اللہ کے آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں محمد علیہ السلام پر رسالت و نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔ اگر محمد علیہ السلام کے بعد کوئی بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی یا رسول ہے تو ایسا شخص مرتد اور گستاخ رسول ہے اس کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی نرمی و معافی نہیں ایسے شخص کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔

عقیدہ لفظ کے معنی ہیں کہ ایک بات جسے آپ نے سچا مان لیا اس کو اپنے دماغ میں ڈال کر دماغ کے دروازوں جن کے ذریعے دماغ میں کوئی بات داخل کی جاتی ہے ان پر تالے لگا دینا کہ اب اس حوالے سے نہ ہی کوئی بات دماغ سے باہر لائی جائے گی اور نہ ہی کوئی اندر جانے دی جائے گی خواہ اس کے خلاف کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آ جائیں یہاں تک کہ اگر وہ بات غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف ایک حرف تک بھی سنا یا دیکھا نہیں جائے گا۔

اور مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کے نزدیک محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی ہیں انہوں نے اس بات کو اپنے دماغوں میں ڈال کر اس پر تالہ لگا دیا ہوا ہے۔

اس موضوع پر خواہ کوئی بھی بات ہو کوئی بھی دلیل ہو وہ سنی دیکھی نہیں جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ ہے مسلمان کہلوانے والوں کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت۔

آگے اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے اس بات کو جاننا بہت ضروری ہے کہ کیا اللہ یا قرآن عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ کیا دین الاسلام میں عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت ہے؟

لفظ عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقائد کے حامل لوگوں کو لسان العرب یعنی عربوں کی زبان میں اہل العقائد کہا جاتا ہے اور اہل العقائد ضد ہے اولی الالباب یا اولوا الالباب کی۔ اگر کسی ذات، شئے، بات یا لفظ کی سمجھ نہ آئے یا اسے سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو اس کی ضد کو سمجھ لینا چاہیے اگر اس کی ضد سمجھ آ جائے تو وہ ذات، شئے، بات یا لفظ خود بخود کھل کر واضح ہو جائے گا جسے سمجھنے میں رائی برابر بھی مشکل نہیں رہے گی۔ تو ہم ایسا کرتے ہیں کہ لفظ عقیدہ کی بجائے اس کی ضد اولی الالباب کو قرآن سے ہی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور کھول کر واضح کرتے ہیں۔

اولی الالباب۔ پہلے لفظ آتا ہے اولی جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف پر مشتمل ہے ''الف'' اور دوسرا لفظ ''ولی'' ہے۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں الف آ جائے جو کہ اس لفظ کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے جسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔

آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں ''اللہ اکبر''۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔

''اللہ اکبر'' میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اللہ۔ اللہ کی ہ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہُ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے۔ اکبر۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' اور دوسرا لفظ ''کبر'' ہے۔ ''کبر'' کی ضد ''صغر'' ہے جس کے معنی وجودی، صلاحیتوں و خصوصیات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور کبر کے معنی وجودی، صلاحیتوں و خصوصیات کے اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو

کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے تو بڑا درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں؟ نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود۔ یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہ اللہ ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے بالکل اسی طرح اولی الالباب ہے اس میں نہ صرف سوال ہے کہ اولی الالباب کیا ہے کون ہیں بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اگر الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اس کے کیا معنی بنیں گے یہ تو آپ نے جان لیا کہ وہ اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔

اگلا لفظ ہے ولی۔ اور ولی وَلَ سے ہے جس کے معنی ہیں اپنے مقصد، اپنے مشن، اپنے ٹارگٹ وغیرہ میں کسی کو اپنا معاونت کار بنانا۔ جس سے بھی کسی بھی سطح پر معاونت حاصل کی جائے گی اسے عربی میں ولی کہا جاتا ہے۔

''وَلَ'' کی ضد ''بَرَ'' ہے جسے عرف عام میں برأت کہتے ہیں مثلاً اگر کوئی آپ سے کسی بھی قسم کی معاونت طلب کرتا ہے تو آپ اس کی معاونت کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں یوں اگر آپ ''ولی'' کی ضد ''برا'' کو بھی جان لیتے ہیں تو لفظ ولی کے معنی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں کہ ولی کے معنی ہیں جسے اپنے مقصد و مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جائے۔

اب آتے ہیں پورے لفظ کی طرف۔ اولی جس کے معنی بنتے ہیں کیا ہے ولی یعنی کیا ہے وہ جسے اپنے مقصد میں اپنے مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جاتا ہے، بنایا جا سکتا ہے یا اولو کیا ہے جسے اپنے مقصد و مشن میں معاونت کار بنایا جا رہا ہے، اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لیے اپنے مطلوب کے حصول کے لیے کس سے معاونت حاصل کی جا رہی ہے کسے معاونت کار یا سہولت کار بنایا جا رہا ہے۔ آگے اسی سوال کا جواب آ جاتا ہے۔

الباب۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''ال'' اور دوسرا لفظ ''باب''۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں ''ال'' کا استعمال ہوتا ہے تو ''ال'' مخصوص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مخصوص شئے کا ذکر کیا جا رہا ہے نہ کہ عام شئے کا۔ اور باب کہتے ہیں داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کو، وہ مادی بھی ہو سکتا ہے، غیر مادی بھی اور شعوری بھی۔ کہاں مادی نکلنے اور داخل ہونے کے مقام کا ذکر ہے اور کہاں غیر مادی اور کہاں شعوری اس کا فیصلہ بات کا پس منظر کرتا ہے۔

باب کہتے ہیں دروازے یعنی نکلنے و داخل ہونے کے مقام کو، جو کہ بہت سے نکلنے و داخل ہونے کے مقامات ہیں یعنی دروازے ہیں تو آیا ان میں سے کن کا ذکر کیا جا رہا ہے تو لفظ کے شروع میں ال کے استعمال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں عام دروازوں یعنی داخلے وخروج کے مقامات کا ذکر نہیں کیا جا رہا بلکہ یہ خاص ایسے مقامات کا ذکر کیا جا رہا ہے، جتنے بھی ایسے مقامات ہیں ذرا غور کریں ان میں سے کون سے خاص ایسے مقامات ہیں اور انہیں آسانی سے سمجھنے کے لیے بات کا پس منظر یا سیاق و سباق بھی واضح کر دیتا ہے کہ آیا یہاں کن مخصوص باب کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ مثلاً اسے قرآن ہی کی آیات سے سمجھ لیتے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَاب. آل عمران ۱۹۰

اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں کی آیات ہیں اولی الالباب کے لیے یعنی کس کی آیات ہیں؟ جو اولی الالباب ہیں ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ آسمانوں و زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں کس کی آیات ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اللہ کی آیات ہیں ان کے لیے جو اولی الالباب ہیں۔

آیات جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد ہے آیت ۔ لفظ آیت ضد ہے بیّن کی اور بیّن کہتے ہیں کسی بھی بات ، ذات یا کسی بھی شیئے کا ہر پہلو سے بالکل واضح ہونا کھلم کھلا ہونا اس کا انگ انگ واضح ہونا یعنی اس کا رائی برابر بھی کوئی پہلو چھپا ہوا نہ ہونا اور اس کے برعکس اس کی ضد آیت کے معنی ہیں کہ بات ، ذات یا شیئے کا ہر لحاظ سے چھپا ہوا ہونا سوائے اس کے چھوٹے سے حصے یا پہلو کے جس میں غور کرنے یعنی جس کی گہرائی میں جانے سے اصل شیئے یا ذات جو کہ چھپا دی گئی تھی وہ سامنے آجائے۔

اس آیت میں اللہ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین کی خلق میں رات اور دن کا اختلاف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں یعنی کہ یہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی نظر آرہا ہے جو نظر آرہا ہے حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت چھپی ہوئی ہے جو تب ہی سامنے آسکتی ہے جب آپ ان میں غور کریں گے رات اور دن کا اختلاف جو کہ سورج کے گھومنے سے نظر آرہا ہے یہ اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت اس کے پردے میں اس کے پیچھے چھپی ہوئی ہے یہ آیات ہیں نہ کہ بیّنات اور اس آیت میں یہ بات بھی کھلم کھلا موجود ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں یہ صرف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں تو پھر ان کے لیے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے ان کے لیے آیات کی ضد بیّنات ہیں۔

جو اولی الالباب ہیں ان کا کہنا اور ان کا سمجھنا یہ ہے کہ جو وہ اپنی آنکھوں سے مناظر دیکھ رہے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سب مخلوقات ہیں لیکن اصل حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ تو آیات ہیں اصل حقیقت کیا ہے وہ چھپی ہوئی ہے جب تک کہ ان میں غور نہیں کیا جاتا یعنی ان کے پیچھے پڑتے ہوئے ان کی گہرائی میں نہیں جایا جاتا تب تک اصل حقیقت سامنے نہیں آسکتی، رات اور دن کے بارے میں اصل حقائق یہ نہیں ہیں جو نظر آرہا ہے کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے زمین ساکت ہے اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے جس سے رات اور دن آجا رہے ہیں بلکہ اصل حقائق کچھ اور ہیں جو کہ ان سے پیچھے پوشیدہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں جانے جا سکتے اس وقت تک سامنے نہیں آسکتے جب تک کہ ان آیات میں غور وفکر نہیں کیا جاتا ان کی گہرائی میں جا کر نہیں جان نہیں لیا جاتا اور اولی الالباب کے برعکس جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کا کہنا اور سمجھنا یہ ہے کہ رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہی کھلم کھلا حقیقت ہے اس کے خلاف وہ نہیں سوچتے نہ اس میں غور کرتے ہیں۔ اسی طرح آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی آیات ہیں یعنی اصل حقیقت اللہ ہے جو چھپا ہوا ہے یہ اللہ کی آیات ہیں اس لیے اگر ان کیساتھ دشمنی کی جائے گی تو یہ ان مخلوقات کیساتھ دشمنی نہیں بلکہ اللہ کیساتھ دشمنی ہے تو جو اولی الالباب نہیں ہیں وہ اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ یہ اللہ کی آیات ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ تو جو کچھ نظر آرہا ہے یہی حقیقت ہے یعنی یہ تو محض مخلوقات ہیں ان کیساتھ جو جی چاہے کرو یہ تو انسانوں کے لیے ہی بنائی گئی ہیں یہ اللہ کی آیات نہیں ہیں یعنی یہ جو کچھ بھی نظر آرہا ہے یہ اللہ کی ذات نہیں ہے بلکہ اللہ تو اس کائنات سے الگ آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔

یہاں اولی الالباب کا پس منظر آسمانوں اور زمین کی مخلوقات، رات اور دن کے اختلاف کی حقیقت کیا ہے اس کو سمجھنا ہے اور ظاہر ہے سمجھا تو دماغ سے جاتا ہے اور اس کے لیے کان، آنکھیں اور دل وہ باب ہیں جہاں سے معلومات دماغ تک جاتی ہیں۔ اگر ان ابواب کو بند کر لیا جائے کسی بھی معاملے کی حقیقت کو جاننے کے لیے کانوں، آنکھوں اور دل کا استعمال کرنے کی بجائے ان کا استعمال بند کر دیا جائے سنا ان سنا کر دیا جائے دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے دل مردہ اندھا ہو جائے تو پھر ایسے لوگ اولی الالباب کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب انہوں نے الباب یہ دروازے بند کر دیئے تو دماغ تک معلومات کیسے جائیں گی اور دماغ اصل نتیجے تک کیسے پہنچے گا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ باب بند کیسے کیے جاتے ہیں؟ یہ باب بند اس طرح کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی بات کو عقیدہ بنا لینا یعنی کسی بھی معاملے میں کسی بات کو دماغ میں ڈال کر اس پر تالے لگا دینا اس کے لیے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل کو بند کر لینا کہ اب اس معاملے پر اس کے خلاف کسی بھی قسم کی نہ تو کوئی بات سنی جائے گی نہ دیکھی جائے گی نہ دل کا استعمال کر کے غور کیا جائے گا۔ بات سنی ان سنی کر دی جائے گی دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے گا یوں اس میں غور کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو اپنے مشن میں اپنے مقصد میں جو کہ کسی بھی بات کو کسی بھی نکتے کو یا کسی بھی معاملے کو سمجھنا مقصد ہوتا ہے اسے سمجھنے کے لیے اپنے ان

رستوں کو ان باب کو بند نہیں کرتے بلکہ وہ ہر وقت ہر لمحے ان باب کو اپنے کانوں اور آنکھوں کو کھلا رکھتے ہیں دل سے اس بارے میں غور کرتے ہیں دماغ کو تفکر کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ان کا کہنا اور ماننا یہ ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بات کا کوئی پہلو پہلے ہم سے پوشیدہ رہ گیا ہو جس وجہ سے جو نتیجہ پہلے ہمارے سامنے آیا یا لایا گیا وہ حق نہ ہو اس میں کوئی خامی ہو کوئی نقص ہو اس لیے اگر اس معاملے میں کوئی نیا پہلو نئی بات نئی شئے سامنے آتی ہے جو پہلے سامنے نہیں آئی تو اس کو سننے دیکھنے اور اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہوسکتا ہے اگر کوئی سوال کھڑا ہو رہا ہے یا اٹھایا جا رہا ہے تو اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ لہذا اس میں غور کرتے ہیں اگر تو وہ بات وہ سوال غلط ثابت ہوتا ہے تو مزید اطمینان حاصل ہو جائے گا اور اگر وہ سچ ثابت ہو جائے تو اس حوالے سے پہلے نظریے کو دماغ سے نکال باہر کریں گے اور حق کو تسلیم کر لیں گے جس سے بعد میں خسارے اور پچھتاوے سے بچ کر فلاح کا سودا ہو گا۔

اب تک یہ بات بھی آپ پر واضح ہو چکی کہ اولی الالباب کی ضد اہل العقائد ہیں عقائد کے حامل لوگ۔ عقائد جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد عقیدہ ہے۔ عقیدہ کہتے ہیں کہ کسی بھی بات کو کسی بھی معاملے کو سچ سمجھ کر اپنے دماغ میں ڈال کر اس پر تالا لگا دینا کہ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سنا جائے گا اس کے خلاف سامنے آنے والی کسی بھی بات کو نہیں دیکھا جائے گا خواہ کچھ بھی ہو جائے اس پر خواہ کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آجائیں خواہ وہ غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں سنی دیکھی جائے گی یعنی ایک بات کو کُل سمجھ کر دماغ میں ڈال کر تالا لگا دینا اب نہ ہی اسے دماغ سے باہر نکالا جائے گا اور نہ ہی اس کے مقابلے پر کوئی دوسری بات دماغ میں آنے دی جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ایسے لوگوں کو اہل العقائد کہا جاتا ہے۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو کسی بھی بات یا معاملے کے بارے میں سامنے آنے والے نتیجے کو آخری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے فی الحال تو اپنے دماغ میں جگہ دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں گے دل سے کام لیتے رہیں گے اگر کل کو کوئی ایسی بات یا ایسی شئے سامنے آتی ہے جو اسے غلط ثابت کر دیتی ہے یا اس میں نقص ثابت کر دیتی ہے تو پہلی بات کو دماغ سے نکال باہر کیا جائے گا اور سامنے آنے والے حق کو تسلیم کیا جائے گا یوں کبھی بھی کسی بھی بات کو کسی بھی نتیجے کو آخر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے بارے میں راسخ علم نہ آجائے یعنی ایسا علم کے جو تمام کے تمام سوالات و اعتراضات کے دروازے بند کر دے کوئی چاہ کر بھی کوئی سوال کھڑا نہ کر سکے اور اگر کوئی سوال یا اعتراض اٹھانے کی کوشش کرتا بھی ہے تو وہ عاجز آجائے۔

قرآن میں اللہ نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر کہا کہ ہدایت صرف اور صرف اولی الالباب کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے جو عقیدے بنا لیتے ہیں جو اہل العقائد ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت عقیدے والوں کو ہدایت نہیں دے سکتی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

جیسا کہ آپ تفصیل کیساتھ یہ بات جان چکے ہیں کہ نہ تو قرآن اور نہ ہی اللہ کی ذات اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ عقیدہ اخذ کیا جائے بلکہ اللہ نے بہت ہی سختی کیساتھ اس سے منع کیا ہے۔ جب اللہ نے اس سے منع کیا ہے اس سے روکا ہے تو پھر کس طرح کسی بھی قسم کا کوئی عقیدہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟ اور اس قدر وضاحت ہو جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عقیدہ اخذ کرتا ہے تو پہلی بات یہ کہ وہ اللہ کے حکم کا کفر کرتے ہوئے کھلم کھلا بغاوت پر اتر رہا ہے اور دوسری بات کہ ایسے شخص کا دین کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوسکتا ایسا شخص صرف اور صرف اپنی خواہشات کی ہی اتباع کر رہا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی تو پھر اکثریت نے یہ عقیدہ کیسے اخذ کر لیا کہ محمد آخری رسول و نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے یا نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ نہ صرف توہین رسالت کے زمرے میں آئے گا بلکہ اس کی سزا ہر حال میں قتل ہی ہوگی اسے قتل ہی کیا جائے گا؟

اور پھر چونکہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے یعنی خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کے نزدیک محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی ہیں اس لیے ہر کسی پر یہ فرض ہے کہ وہ اس عقیدے کو اختیار کرے ورنہ وہ کافر، مرتد، گستاخ رسول اور واجب القتل قرار پائے گا۔

یعنی چونکہ اکثریت اس بات کی قائل ہے اس لیے اس بات کو ماننا اس عقیدے کو اختیار کرنا لازم ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی بات کے حق ہونے یا اس کے تسلیم کیے جانے کا معیار اکثریت ہے اکثریت کا متفق ہونا ہے اکثریت کا اسے تسلیم کرنا ہے تو پھر یہ جان لیں کہ یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے بھی خو بخو یہی عقیدہ اخذ کیا تھا جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَازِلْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ. غافر ۳۴

یہ موسیٰ نے اس وقت بنی اسرائیل کو کہا تھا جب موسیٰ کو بعث کیا گیا اور بنی اسرائیل رسولوں کا دروازہ بند کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور تحقیق کہ یعنی تم اپنے گھوڑے دوڑا لو اپنی تحقیق کر لو جو قدر میں کر دیا گیا وہی ہو گا اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ آ گیا تم میں تمہی سے یوسف اس سے پہلے البیّنات کیساتھ یعنی اس سے پہلے بھی نہ صرف یوسف تمہارے عقائد ونظریات کے برعکس تم میں تمہی سے آیا بلکہ جو تم کہتے ہو کہ رسول معجزات کیساتھ آتا ہے اس لیے معجزات کیساتھ آئے گا نہیں بلکہ رسول البیّنات کیساتھ آتا ہے اس لیے یوسف البیّنات کیساتھ آیا تمہاری توقعات اور خواہشات کے برعکس فَمَا زِلۡتُمۡ پس جو تم ذل ہوئے یعنی یوسف کے ذریعے تمہیں بلند مقام دیا تھا لیکن تم اس مقام سے آج اس مقام پر آ چکے جو کہ پستیوں کی اتھاہ گہرائیاں ہیں تم پر ذلت ومسکنت ڈال دی گئی تم عذاب مھین کا شکار ہو یعنی ایک دوسری قوم کو تم پر ایسے مسلط کر دیا گیا کہ تم انتہائی ذلیل اور حقیر ترین قوم بن چکے ہو اور یہ جو تم ذل ہوئے یعنی یہ جو تم بلند مقام سے آج اس ذلت ومسکنت والے مقام پر آ گئے تو یہ اس وجہ سے ہوا فِيۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ تم شکوک میں رہے تم نے شکوک ہی کیے جب بھی تم میں تمہی سے کوئی اللہ کا بھیجا ہوا آیا البیّنات کیساتھ یعنی جس نے بھی آ کر حق کھول کھول کر واضح کیا تمہاری حالت کی وجوہات کو تم پر کھول کھول کر واضح کیا تو تم لوگوں نے اس کی دعوت کو تسلیم کر کے اس پر عمل کر کے بلندیوں پر جانے کی بجائے شکوک ہی کیے اسے دشمنوں کا ایجنٹ قرار دیا ایسے جتنے بھی آئے ان کی تکذیب کیا انہیں قتل کیا حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ یہاں تک کہ تم ہلاک ہو گئے یعنی تم پر ذلت ومسکنت ڈال دی گئی تم ذلیل ترین قوم بن گئے قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا تم نے کہا کہ اللہ یوسف کے بعد ہرگز کوئی رسول بعث نہیں کرے گا یعنی یوسف اللہ کا آخری رسول تھا اس پر اللہ نے دروازہ بند کر دیا یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے تم ہلاک ہو گئے ذلت کا شکار ہو گئے تم ذلیل ترین قوم بن گئے جو تم اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور ظاہر ہے جب اللہ کی طرف سے راہنمائی کو ٹھکرا دیا جائے گا دروازہ بند کر لیا جائے گا تو کون ہے جو تمہیں بلندیوں کی طرف لے جائے اور ذلت ورسوائی سے بچا سکے؟ پھر ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے اللہ نے قدر میں کر دیا کہ جب اللہ کی بجائے شیاطین مجرمین کو اپنا راہنما بناؤ گے تو تمہارا یہی انجام ہو گا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ بالکل اسی طرح اللہ ضل کر رہا ہے یعنی گمراہیوں کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس امت کو آج کہا جا رہا ہے کہ جیسے بنی اسرائیل یوسف کے بعد ذل ہوئے بلندیوں سے پستیوں کی طرف جاتے جاتے یہاں تک کہ ہلاک ہو گئے بالکل اسی طرح اس امت کو بھی ضل کیا جا رہا ہے اور آج حقیقت آپ کے سامنے ہے مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ جو یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اب اللہ کا چہیتا ہے وہ جو چاہے کرے اللہ اس سے کچھ پوچھنے والا نہیں، جو اس کے دیئے ہوئے کا غلط استعمال کر رہا ہے مس یوز کر رہا ہے جو ذمہ داری دی اس سے لاپرواہی برت رہا ہے مُّرۡتَابُ جب ہم اپنے رسول کے ذریعے حق ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ دیں حق اس قدر واضح کر دیں کہ کوئی چاہ کر بھی اس کا رد نہ کر سکے اس پر واضح ہو جائے کہ یہ حق ہے لیکن اس کے باوجود وہ شکوک میں پڑا رہے اپنے بڑوں اپنے ملاؤں اپنے مفسروں اپنے آباؤاجداد کو سامنے لا رکھے کہ یہ اکیلا سچا اور باقی سب کے سب غلط ایسا کیسے ہو سکتا ہے اس اکیلے کو ہی حق سمجھ میں آ گیا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو بالکل ہماری ہی طرح ہے کھاتا پیتا ہے اس کے بیوی بچے ہیں اس کو وہی تمام حاجات لاحق ہیں جو ہمیں ہیں اس لیے یہ کس طرح رسول ہو سکتا ہے؟ رسول اور وہ بھی ہمارے درمیان؟ نہیں نہیں دل نہیں مان رہا تو جو بھی ایسا کر رہے ہیں جو حق ہر لحاظ سے کھل جانے کے باوجود بھی شکوک میں ہیں ان کو اللہ اس طرح گمراہ کر رہا ہے وہ لوگ حق اس قدر واضح ہو جانے کے باوجود خود گمراہی کا سودا کر رہے ہیں۔

اس آیت میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ موسیٰ کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل نے نہ صرف یوسف کو آخری رسول و نبی قرار دے کر رسالت ونبوت کا دروازہ بند کر لیا بلکہ اگر کوئی بھی اللہ کا بھیجا ہوا سامنے آتا تو اس کا کذب کرتے اسے قتل کر دیتے اور پھر تمام کے تمام بنی اسرائیل اس پر متفق تھے ان کا اس پر اجماع تھا اکثریت کا یہی عقیدہ ونظریہ تھا لیکن کیا اکثریت کا یہ عقیدہ اخذ کر لینا اور اس پر ڈٹ جانا کیا حق ثابت ہوا؟ کیا حق ہونے کی دلیل بن گیا؟

بنی اسرائیل نے بھی یہی کہا یہی عقیدہ اخذ کر لیا تھا کہ یوسف کے بعد اب کوئی رسول و نبی نہیں آئے گا رسالت ونبوت کا دروازہ بند ہو چکا اور پھر پورے کے پورے بنی اسرائیل اس پر متفق ہو گئے پورے کے پورے بنی اسرائیل نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا اور جو بھی ایسی شخصیت سامنے آئی یعنی اللہ نے جسے بھی ان کی راہنمائی کے لیے کھڑا کیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا یا اس کی تکذیب کی لیکن کیا سارے کے سارے بنی اسرائیل کے اس بات پر متفق ہونے سے یہ عقیدہ اخذ

کر لینے سے اللہ کا قانون بدل گیا؟

اکثریت کے ماننے کی وجہ سے اللہ نے اپنا قانون بدل دیا؟ اکثریت کا کسی بات پر متفق ہونا حق بن گیا؟ اللہ نے بھی اسے حق کا درجہ دے دیا اور ان کی خواہشات کی اتباع میں اللہ نے بھی دروازہ بند کر دیا اور پھر کوئی رسول و نبی نہ بھیجا؟ نہیں بالکل نہیں۔

تو پھر کسی بھی بات کے حق ہونے کا معیار کسی بھی بات کو تسلیم کیے جانے کا معیار اکثریت کا اس پر متفق ہونا یا اکثریت کا تسلیم کر لینا نہیں ہو سکتا اس لیے محض اس بنیاد پر یہ کہنا کہ اس عقیدے کو سچ مان لیا جائے کہ اکثریت اس بات پر متفق ہے اکثریت اسے تسلیم کرتی ہے اکثریت کا عقیدہ ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں یہ معیار کہاں سے آ گیا؟ یہ معیار کس نے طے کیا؟ کیا اللہ نے یہ معیار طے کیا؟

اگر کسی بھی بات کے حق و سچ ہونے کا معیار اکثریت کا اجماع ہے اکثریت کا تسلیم کرنا ہے اکثریت کا عقیدہ بنانا ہے تو پھر جتنے بھی رسول آئے ان میں سے کوئی ایک بھی سچا نہیں تھا سب کے سب جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ محمد علیہ السلام بھی جھوٹے اور باطل ثابت ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک طرف پوری دنیا کے انسان تھے اور دوسری طرف اکیلے محمد علیہ السلام۔

جس جس موضوع پر بھی محمد علیہ السلام نے لب کشائی کی اس اس موضوع پر مشرکین مکہ ہوں یا یہودی و عیسائی وہ سب کے سب محمد علیہ السلام کے خلاف اس پر متفق تھے ان کے عقائد تھے اور محمد علیہ السلام کی بعثت سے بہت پہلے سے ان میں وہ سب عقائد چلے آ رہے تھے تو کیا وہ سب کے سب سچے اور محمد علیہ السلام جھوٹے تھے غلط تھے کیونکہ اکثریت پہلے سے ہی ان کے خلاف عقائد و نظریات پر ڈٹی ہوئی تھی۔

اور پھر ظاہر ہے جب ان کے بھی مختلف موضوعات پر عقائد و نظریات تھے تو انہوں نے بھی کوئی نہ کوئی بنیاد اور دلائل تو ضرور گھڑ رکھے ہوں گے جن کی بنیاد پر وہ عقائد اخذ کر کے ان پر متفق اور ڈٹے ہوئے تھے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی اکثریت کو ہی معیار حق سمجھتا ہے تو پھر دیکھیں اللہ نے قرآن میں اکثریت کے حوالے سے کیا فیصلہ سنایا۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. البقرة ١٠٠

یہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت یعنی زیادہ سے زیادہ ایسے ہیں جو حق کو تسلیم نہیں کر رہے اکثریت حق سے کفر ہی کر رہی ہے اکثریت حق کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اسی طرح عمل نہیں کر رہی۔

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ. البقرة ٢٤٣

لوگوں کی اکثریت نہیں شکر کر رہی یعنی انہیں جو بھی دیا گیا سننے، دیکھنے، سمجھنے کی صلاحیتیں دی گئیں مال و اولاد دیا گیا، زمین میں اختیار دیا گیا یا جو کچھ بھی دیا گیا یہ ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہے جس مقصد کے لیے انہیں یہ سب دیا گیا بلکہ اس کے برعکس اپنی خواہشات کی اتباع میں ان کا استعمال کر رہے ہیں۔

اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ. آل عمران ١١٠

یہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت یعنی زیادہ سے زیادہ ایسے ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ کی بات کو اللہ کے کلام کو بدل رہے ہیں بات کو اس کے مقام سے بدل رہے ہیں اس میں ملاوٹ کر رہے ہیں حق کو بدل رہے ہیں۔

اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ. المائدہ ٥٩

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری اکثریت فسق کر رہی ہے یعنی حق کو بدل رہی ہے۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. المائدہ ١٠٣

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت نہیں سمجھ رہی یعنی ان کو سننے دیکھنے اور جو سن دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی لیکن یہ لوگ جو بھی سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ نہیں رہے بلکہ بغیر سمجھے ہی جو سنتے اور دیکھتے ہیں وہی کر رہے ہیں۔

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. الانعام ٣٧

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت غور وفکر نہیں کر رہی جس وجہ سے یہ علم نہیں رکھ رہے یعنی انہیں حق کا علم ہی نہیں ہے کیونکہ اکثریت غور وفکر نہیں کر رہی۔

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ. الانعام ۱۱۱

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت جہل کر رہی ہے یعنی اکثریت جو بھی اعمال کر رہی ہے بغیر علم کے ہی کیے جا رہی ہے کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہے بغیر سوچے سمجھے ہی اعمال کیے جا رہے ہیں کسی کو حق کا علم نہیں جسے یہ علم کا نام دے رہے ہیں وہ علم نہیں بلکہ سو فیصد جہالت ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. الاعراف ۱۸۷

اکثریت لوگوں کی غور وفکر نہیں کر رہی جس وجہ سے علم نہیں رکھ رہی یعنی اکثریت کو حق کا علم نہیں ہے۔

اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ. النحل ۸۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت حق کا انکار کر رہی ہے۔

اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا. الاسراء ۸۹

لوگوں کی اکثریت جو کچھ بھی انہیں دیا ان کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے انکار کر رہی ہے جس مقصد کے لیے انہیں سب دیا اور اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کر رہی ہے یعنی انہیں سننے دیکھنے اور جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی اور عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی تو اسی لیے کہ سنیں دیکھیں اسے سمجھیں اور سمجھنے کے بعد ہی کوئی عمل کریں اس وقت تک عمل کے قریب بھی نہ جائیں جب تک کہ اطمینان حاصل نہ ہو جائے لیکن زیادہ سے زیادہ لوگ ان صلاحیتوں کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کر رہے ہیں اس کے علاوہ جو بھی انہیں دیا گیا سب کے سب کا اپنی خواہشات کے پیچھے استعمال کر رہے ہیں۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. الشعراء ۸

اور یہ تو اللہ کے قانون میں ہو چکا کہ اکثریت ان لوگوں کی جو اس وقت دنیا میں آباد ہے مومن نہیں ہے یعنی اکثریت مومنین نہیں ہیں اور جب مومنین نہیں تو پھر ظاہر ہے مشرکین ہیں۔

اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ. الشعراء ۲۲۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت کذب کر رہی ہے اکثریت جھوٹوں کی ہے جو جھوٹ بول رہی ہے۔

اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ . الروم ۴۲

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت مشرکین کی ہے یعنی اکثریت مشرک ہے۔

اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ. الزخرف ۷۸

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں اللہ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ تمہاری اکثریت کے لیے حق کراہت والا ہے یعنی اکثریت کو حق ناگوار گزر رہا ہے کہ حق کے سامنے آنے پر اسے تسلیم کرنے کی بجائے پھدک رہے ہو گالم گلوچ کر رہے ہو تمہیں حق تکلیف دے رہا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا. الفرقان ۴۴

کیا تم جو انہیں دیکھ رہے ہو اور یہ گمان کر رہے ہو کہ اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں یہ تیری بات کو سن رہے ہیں یعنی آج جب حق کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق کو سن رہے ہیں اور کیا ہے کہ حق کو سمجھ رہے ہیں؟ نہیں ہیں یہ مگر بالکل ایسے کہ جیسے پالتو جانور ہیں جن کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ یہ تو ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں یعنی ان کا جانوروں سے موازنہ کرنا جانوروں کی توہین ہے کیونکہ انہیں جس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ تو اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ تو گمراہ ہیں انہیں علم ہی نہیں کہ انہیں کس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اس لیے یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں کیونکہ جو حق ہے اس کا کفر کر رہے ہیں اور جو باطل ہے اسے حق کا نام دے کر جہل کر رہے ہیں یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ یہ گمراہ

ہیں اور ظاہر ہے جو خود کو ہدایت یافتہ کہے اور حقیقت میں وہ گمراہ ہو تو اسے ہدایت کیسے مل سکتی ہے ہدایت تو اسے ملے گی جو ہدایت کا طالب ہو اس لیے یہ ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں۔

جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ. المومنون ٧٠

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں آ گیا ان کے پاس حق یعنی ان میں انہی سے ایک بشر رسول کو بعث کیا جو ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اور ان کی اکثریت کے لیے حق کراہت والا ہے اکثریت کو حق ناگوار گزر رہا ہے اکثریت کو حق تکلیف دے رہا ہے کہ حق کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. الانبياء ٢٤

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت کو حق کا علم ہی نہیں پس آج جب ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق سے اعراض کر رہے ہیں یعنی حق کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہے حق کو کوئی توجہ ہی نہیں دے رہے حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْن. يوسف ١٠٦

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت نہیں مان رہی جو اللہ سے ہے مگر ان کی اکثریت مشرکوں کی ہے اکثریت شرک کر رہی ہے یعنی اللہ جو کہ فطرت ہے کیساتھ اس کے کاموں میں اکثریت مداخلت کر رہی ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا. يونس ٣٦

اور نہیں اتباع کر رہی ان کی اکثریت جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں مگر ظن کی اتباع کر رہے ہیں۔ ظن کہتے ہیں اسے جو سنائی دے رہا ہے دکھائی دے رہا ہے اور جو سنائی اور دکھائی دے رہا ہے اسے بغیر سمجھے تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کو ظن کی اتباع کرنا کہتے ہیں تو اللہ اکثریت کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ اکثریت ظن کی اتباع کر رہی ہے یعنی یہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسی کو حق تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہے ہیں حالانکہ انہیں جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی اور بار بار یہ واضح کر دیا کہ اس وقت تک کسی بھی عمل کے قریب مت جاؤ جب تک کہ اس کے بارے میں مکمل علم حاصل نہ کر لو یعنی جو سن اور دیکھ رہے ہو پہلے اسے مکمل طور پر سمجھو اس کے بعد عمل کرو لیکن اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ اکثریت جو سن اور دیکھ رہی ہے بغیر سمجھے اسکو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہی ہے اور ظن کی اتباع تو صرف مشرک ہی کرتے ہیں اس لیے اکثریت ہے ہی مشرکین کی۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. الانعام ١١٦

اللہ اپنے رسول کو کہہ رہا ہے اور رسول مومنوں کو کہہ رہا ہے جو اس کی دعوت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ اگر تم نے بات مان لی اکثریت کی جو زمین میں ہیں تو تجھے گمراہ کر رہے ہیں اللہ کی راہ سے۔ نہیں اکثریت اتباع کر رہی مگر ظن کی یعنی اکثریت جو کچھ بھی کر رہی ہے جس کے پیچھے بھی چل رہی ہے ظن کے پیچھے چل رہی ہے اکثریت جو سن اور دیکھ رہی ہے اسے بغیر سمجھے نہ صرف تسلیم کر رہی ہے بلکہ وہی کر رہی ہے اور نہیں ہیں یہ یعنی جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں جو بھی زمین میں ہیں مگر ان کی اکثریت جھوٹی ہے اور جھوٹوں کو ہی پسند کرتی ہے غلط و بے بنیاد باتیں کرنے والے اور ایسی باتیں کرنے والوں کو ہی پسند کرتے ہیں۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن بھرا پڑا ہے ایسی آیات سے اور آپ نے دیکھ لیا کہ اکثریت کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کس طرح کھول کھول کر ہر پہلو سے اپنا فیصلہ سنا دیا جس سے ان مشرکین کا ختم نبوت کے نام پر عقیدہ بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو گیا اور اگر حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی یہ اپنے بے بنیاد و باطل عقیدہ و نظریے پر محض اس لیے ڈٹے رہتے ہیں کہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے تو پھر ان کا شمار بھی اللہ کے ہاں اکثریت میں ہے جس کے بارے میں اللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ حق اکثریت کے لیے ہے ہی کراہت والا اس لیے ظاہر ہے جو مشرکین ہیں ان کو حق ناگوار ہی گزرے گا ان کو حق تکلیف ہی دے گا۔

یعنی آپ کسی بھی لحاظ سے غور کر لیں یہ کہنا چونکہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے تو مان لیا جائے یہ بات بے بنیاد کھوکھلی اور باطل ہے۔ آپ کچھ بھی کہیں ہم ماننے کو تیار ہیں لیکن اس وقت جب آپ اسے حق ثابت بھی کریں اس کے خلاف اٹھنے والے ہر سوال کا جواب دیکر مطمئن کر دیں۔

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہی بات اللہ نے بیان کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دل کے اطمینان کے لیے یہ جاننا چاہا کہ جو حیات وجود میں آ رہی ہے اس کی موت کیسے وجود میں آئی تو ربّ نے کہا کیا تم مانتے نہیں یعنی تم تسلیم نہیں کر رہے ابراہیم علیہ السلام نے جواباً کہا کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے بلکہ دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے آگے سے سختی کی کہ نہیں میں اللہ ہوں میں تیرا ربّ ہوں جو کہہ رہا ہوں بس وہ آنکھیں بند کر کے ماننا پڑے گا یا پھر اللہ نے وہ سب دل کی آنکھوں سے دکھا کر ابراہیم کو مطمئن کر دیا؟ جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ. البقرة ۲۶۰

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ اور تب کہا تھا جس نے کہا تھا ابراہیم ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب کہا تھا تو اس کا جواب اسی قرآن میں اس سے پچھلی آیات میں موجود ہے کہ جب ابراہیم کا نمرود سے آمنا سامنا ہوا تھا کہ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا ربّ موت کو حیات کر رہا ہے تو نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر رہا ہوں یعنی میں بھی پانی برسا رہا ہوں زمین سے نباتات اگا کر مخلوقات کو وجود میں لا رہا ہوں اس کے علاوہ دیکھو میں طرح طرح کی مخلوقات کو وجود میں لا رہا ہوں اس میں کون سی بڑی بات ہے اگر ربّ ہونے کی یہی دلیل ہے تو میں ہی تو ربّ ثابت ہوتا ہوں تو اس وقت ابراہیم لاجواب ہو گئے وہ اس سے آگے اسے کوئی جواب نہ دے سکے تب ابراہیم نے کہا تھا رَبِّ میرے ربّ یعنی فطرت کو کہا تھا اور کیسے اور کیا کہا تھا یہ بھی آگے واضح کر دیا گیا اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی میں کیا کر رہا ہوں؟ میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کس طرح موت وجود میں آئی یعنی وہ مواد وجود میں آیا جسے حیاء کیا جا رہا ہے یعنی یہ جو زمین پر مخلوقات وجود میں آ رہی ہیں جس مواد سے یہ مخلوقات وجود میں آ رہی ہیں آخر یہ مواد کہاں سے اور کیسے وجود میں آیا۔ ابراہیم اپنے ربّ سے سوال کر رہے تھے اور ربّ فطرت ہے فطرت سے کچھ بھی پوچھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی زبان سے سوال کیا جائے بلکہ فطرت سے اسی کی زبان میں یعنی عملی زبان میں بات کی جاتی ہے۔ ابراہیم فطرت کی زبان میں یعنی عملی طور پر فطرت سے پوچھ رہے تھے یعنی فطرت میں آسمانوں و زمین میں غور و فکر کر رہے تھے کہ یہ جو زمین پر حیات وجود میں آ رہی ہے جہاں تک آنکھوں سے نظر آ رہا ہے یہاں تک تو پتہ چل گیا لیکن اس سے پیچھے کے جو مراحل ہیں جنہیں آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا وہ کون سے مراحل ہیں یہ مواد کیسے وجود میں آیا؟ یوں ابراہیم آسمانوں و زمین میں غور و فکر کر رہے تھے لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے یعنی حق واضح نہیں ہو رہا تھا بہت جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی گویا کہ آگے سے فطرت یہ کہہ رہی ہے یعنی ربّ یہ کہہ رہا ہے کہ کیوں تُو جاننا چاہتا ہے کیا جو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے تُو اسے تسلیم نہیں کرتا؟ کیا اصل ربّ جو کہ فطرت ہے کی پہچان کے لیے اتنا کافی نہیں ہے؟ کیا تجھے اب بھی فطرت کے ربّ ہونے پر شک ہے؟ تو ابراہیم نے اپنے عمل سے یہ جواب دیا یعنی عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہوئے غور و فکر جاری رکھا کہ نہیں ایسا نہیں ہے کہ جب میری نمرود سے بحث ہوئی تو لاجواب ہونے پر میں حق سے کفر کر رہا ہوں بلکہ میں حق کو تسلیم کر رہا ہوں لیکن میں اپنے دل کے اطمینان کے لیے جاننا چاہتا ہوں جیسا کہ یہی بات آیت میں بطور تاریخ اتاری گئی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ یعنی آگے سے فطرت نے عملی طور پر یہ کہا کہ کیا نہیں تُو تسلیم کر رہا؟ یعنی اب تک جو حق تیرے سامنے آ چکا ہے کیا تُو اسے تسلیم نہیں کر رہا؟ کیا تجھے اس میں شکوک ہیں کہ یہی تیرا ربّ نہیں ہے؟ تو آگے سے ابراہیم نے بھی اپنے عمل سے ہی یہ جواب دیا کہ نہیں ایسی بات نہیں، جو حق اب تک سامنے آ چکا میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ یہی میرا ربّ ہے جو ہر طرف نظر آ رہا ہے لیکن میں جو آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا اسے دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں یعنی میرا دل دیکھنا چاہتا ہے۔ ابراہیم آسمانوں و زمین میں غور و فکر کر رہے تھے یہ جو زمین پر حیات وجود میں آ رہی ہے جہاں تک کانوں آنکھوں اور دماغ تک جایا جا سکتا ہے وہاں تک تو حق واضح ہو چکا تھا لیکن جہاں دماغ کی رسائی نہیں جہاں صرف دل سے ہی سفر کیا جا سکتا ہے وہاں تک نہیں جا پا رہے تھے اور پھر بالآخر جب غور و فکر جاری رکھا تو ربّ نے یعنی فطرت نے اسی وجود نے وہ حق بھی کھول کر واضح کر دیا قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ کہا پس اخذ کر چار ان میں سے جو مخصوص خلاء میں تیر رہے ہیں۔

ابراہیم نے جب اپنی ہی ذات میں غور و فکر کیا کہ میں کیسے خلق ہوا تو دیکھا کہ میں جو کھاتا ہوں اسی سے بنتا ہوں یہ زمین پر جو بھی جاندار مخلوقات ہیں وہ اسی سے وجود میں آ رہی ہیں جو ان کا رزق ہے اور رزق زمین سے نباتات کی صورت میں وجود میں آ رہا ہے۔ اب نباتات جس مواد سے وجود میں آ رہی ہیں وہ مواد

کہاں ہے اور کیسے وجود میں آیا یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا لیکن بالآخر فطرت نے یہ راز بھی کھول دیا کہ اپنی ہی ذات میں غور کرو یہ جو جسم پر بالوں کی صورت میں نائیلون ہے یہ کہاں سے وجود میں آیا؟ ناخنوں کی صورت میں پلاسٹک ہے یہ کہاں سے آیا؟ ایسے ہی جسم جن جن عناصر سے وجود میں آیا جن میں تیل وغیرہ بھی ہے تو غور وفکر کرنے پر یہ راز کھل گیا کہ زمین میں ان کا خام مال طین یعنی خام تیل کی صورت میں موجود ہے وہ طین یعنی خام تیل چٹانوں میں وجود میں آیا اور چٹانوں میں وہ عناصر پہاڑوں سے گئے، پہاڑوں میں وہ تمام عناصر موجود ہیں اور پہاڑ اور یہ زمین کی تہیں خلاء سے آنے والے شہابیوں جو کہ الطیر ہیں یعنی خلاء میں تیر رہے ہیں ان کی بارشوں سے وجود میں آئیں تو یہ ربّ یعنی فطرت نے کہا کہ یہ جو زمین وجود میں آئی تھی تو کیسے وجود میں آئی تھی؟ خلاء میں جو الطیر ہیں یعنی جو خلاء میں تیر رہے ہیں ان کے صرررررر صرررررکر کے زمین پر آنے سے زمین کی تہیں وجود میں آئیں تو کہا ان خلاء میں تیر رہے شہابیوں میں سے چار اخذ کر یعنی زمین پر جو آخری چار مراحل میں شہابیے آئے ان میں ان تمام مخلوقات کی موت تھی وہ چار اقسام کے شہابیے زمین پر جو حیات کا نظام چل رہا ہے اس کی موت ہیں فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ پس وہ چار الطیر یعنی خلاء میں تیر رہے چار اقسام کے شہابیے صرررررر ہوئے تیری طرف یعنی تُو کہاں موجود ہے؟ زمین پر تو اس وقت تُو جہاں موجود ہے وہ اس طرف یعنی زمین کی طرف صرررررر کر کے آئے جیسے کوئی شہابیہ گرتا ہے یا جیسے کوئی میزائل آ کر گرتا ہے ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا جب خلاء سے آخری چار اقسام کے شہابیے زمین پر صرررر صرررر کر کے آئے تو پھر کر دیا تمام کے تمام پہاڑوں پر ان سے اجزاء یعنی یہ جو زمین پر مخلوقات وجود میں آ رہی ہیں جن اجزاء یعنی عناصر سے وجود میں آ رہی ہیں وہ عناصر پہاڑوں کی صورت میں ذخیرہ کر دیئے ان عناصر کو فراہم کرنے کی ذمہ داری پہاڑوں پر عائد کر دی ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا پھر جہاں اس وقت تُو کھڑا ہے یعنی یہ جو زمین پر حیات کا نظام چل رہا ہے یہاں تک وہ مختلف مراحل طے کرتے کرتے جو کہ ان کی سعی ہے کرتے کرتے آئے اور آ رہے ہیں یعنی پہاڑوں سے وہ عناصر چٹانوں میں جاتے ہیں چٹانوں میں نیچے پانی کی شکل میں آگ ہے یعنی لاوا ہے اور اوپر برف یعنی ٹھنڈ ہے اور ان میں یہ عناصر پک پک کر خام تیل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جسے قرآن میں ''من صلصالٍ من حماءٍ مسنون'' کہا گیا پھر وہ خام تیل زمین کی اسی چٹانی تہہ میں پوری زمین میں پھیلتا ہے نیچے لاوا ہونے کی وجہ سے وہ خام تیل یعنی طین گیسوں میں بدلتا ہے اور زمین کی اوپر والی تہوں کی طرف سفر کرتا ہے اور بالآخر ان عناصر پانی اور سورج کی توانائی سے نباتات وجود میں آئیں اور دوسری طرف جب انہیں چار اقسام کے شہابیوں سے پانی وجود میں آیا جس سے سمندر وجود میں آئے اور بارشوں کا نظام وجود میں آیا اس پانی میں انہی عناصر سے زندگی وجود میں آئی جو سعی کرتے کرتے یعنی آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنے کی کوشش کرتے کرتے یہ حیات وجود میں آئی یہ بشر وجود میں آیا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور یہ کیا علم دیا؟ اس میں کچھ شک نہیں یہی اللہ تھا اللہ عزیز حکیم ہے یعنی جو عزیز حکیم ہے وہی اللہ ہے۔ یوں ربّ یعنی فطرت نے ابراہیم کو اس کے تمام تر سوالات کے جوابات دیکر ابراہیم کے دل کو مطمئن کر دیا۔

اب حقیقت آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کریں کہ اللہ کا قانون کیا ہے؟ کیا اللہ سختی کیساتھ اپنی بات منواتا ہے یا پھر سامنے والے کو مطمئن کرتا ہے اس کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ سامنے والے کے پاس کوئی سوال نہیں رہتا اور حق اس قدر واضح ہو جاتا ہے کہ ماننا اس کی مجبوری بن جاتا ہے وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتا اس کے باوجود بھی وہ انکار کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں رہتا بلکہ اس پر حجت ہو جاتی ہے۔

بالکل اسی طرح آپ ایک بات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق ہے تو پھر آپ پر فرض ہے کہ آپ اسے حق ثابت کریں آپ ہمیں اس حوالے سے مطمئن کریں ہمارے ہر سوال کا جواب دیں یہاں تک کہ ہم لاجواب ہو جائیں اور اس بات کا حق ہونا ہم پر اس قدر واضح ہو جائے کہ ہم چاہ کر بھی اس کا انکار نہ کر سکیں۔

یہی بات آپ قرآن میں بار بار دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ کی سنت اللہ کا طریقہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اللہ جب بھی کوئی بات کرتا ہے تو اپنی بات سامنے رکھنے سے پہلے قد، لقد، ولقد کے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ. البقرة ۹۹

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ . آل عمران ۱۳۷

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ آل عمران ۱۶۴

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ۔ النساء ۸۰

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۔النساء ۱۷۰

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا ۔ الاسراء ۸۹

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلاً ۔ الکھف ۵۴

یہ چند آیات آپ کے سامنے ہیں اوران میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے جب بھی اپنی بات پیش کی اپنا دعویٰ پیش کیا تو پہلے تحقیق کرنے کی دعوت دی کہ اگر اس کے مقابلے پر کہیں سے حق ملتا ہے یا کوئی اور حق ثابت ہوتا ہے تو اپنے گھوڑے دوڑا کر دیکھ لو اپنی تحقیق کر کے دیکھ لو بالآخر تم پر واضح ہو جائے گا کہ جو ہم کہہ رہے ہیں یہی حق ہے۔ یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔

یعنی تم اپنی طرف سے جتنی چاہے تحقیق کرلو اپنے گھوڑے دوڑالو اگر کوئی ہمارے مقابلے پر حق کا دعویٰ کرتا ہے کوئی بھی حق کا دعویدار ہے تو اس کی بات سن لو اسے دیکھ لو پرکھ لو بالآخر تم پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔

جب اللہ کی سنت یہ ہے تو پھر کیا اللہ کا اسم المومن نہیں ہے؟ اللہ مومنوں کو یہی حکم نہیں دیتا کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو؟ جیسا کہ آپ سورت البقرۃ کی درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ۔ البقرۃ ۱۳۸

رنگ تھا جو اختیار کرنا تھا اللہ کا رنگ ہے اور کون ہے جو احسن ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی غلامی کر رہے ہیں۔

اب اگر آپ مومن ہیں اور اپنی بات میں سچے ہیں تو لامحالہ آپ کو اللہ کا رنگ اختیار کرنا ہوگا آپ کو اپنی بات کو حق ثابت کرنا ہوگا آپ کو سامنے والے کو ببانگ دہل یہ کہنا ہوگا کہ اگر آپ کے مقابلے پر کوئی حق کا دعویٰ کرتا ہے تو اپنی تحقیق کرلو اگر تم سمجھتے ہو کہ ہم غلط ہیں ہماری بات غلط ہے تو تمہیں اسے غلط ثابت کرنا ہوگا ورنہ اگر یہ حق ثابت ہو جائے تو تمہیں ماننا ہوگی۔ اگر آپ یہ رنگ اختیار کرتے ہیں تو نہ صرف آپ مومن ثابت ہو جاتے ہیں بلکہ آپ کی بات کو کوئی غلط ثابت کر ہی نہیں سکتا وہ بات غلط ثابت ہو ہی نہیں سکتی جس کے حق ہونے کا آپ دعویٰ کریں اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو جان لیں کہ اور شرک کیا ہے؟ آپ نے اللہ کے مقابلے پر ایک الگ وجود ہونے کا دعویٰ کر دیا اللہ نے حکم دیا کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو لیکن آپ اللہ سے کفر کرتے ہوئے اس کے شریک بن رہے ہیں۔

یہاں تک آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ اگر عقیدہ ختم نبوت جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول اور نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں ،اس عقیدے کے حق ہونے کی بنیاد اور دلیل اکثریت کا اس پر متفق ہونا یا اکثریت کا اسے تسلیم کرنا ہے تو اس بنیاد پر یہ حق ثابت نہیں ہوتا بلکہ بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے اور نہ ہی اسے حق تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اگر آپ اپنے اس عقیدے میں سچے ہیں تو آپ کو اسے حق ثابت کرنا ہوگا جو کہ ہے ہی ناممکن۔

پھر اس کے علاوہ اللہ قرآن میں ایک اور حکم دیتا ہے اور حق کیا ہے اس کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت آپ دیکھ رہے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰىھُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ الزمر ۱۸

ایسے لوگ جو خود ہی سن رہے ہیں جو بھی بات سامنے آتی ہے جو بھی حق کا دعویدار ہے ہر ایک کی بات سن رہے ہیں پس اس کے پیچھے چل رہے ہیں جس سے حسن کوئی نہیں یعنی وہ جو نہ صرف احسان کر رہا ہے کسی بھی قسم کا اجر نہیں طلب کر رہا کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کر رہا بلکہ مجھ پر تو کھول کھول کر پہنچا دینا ہے بلکہ اس سے بہتر کسی کی دعوت ہے ہی نہیں اس سے بہتر کسی کی بات ہے ہی نہیں تو جو اس کے پیچھے چل رہے ہیں اس کی اتباع کر رہے ہیں ایسے لوگ ہیں کہ ان کی راہنمائی اللہ کر رہا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں وہ جو اپنے مقصد و مشن یعنی حق کو پانے کے لیے دنیا میں جس مقصد کے لیے آئے ہیں اسے سمجھ کر پورا کرنے کے لیے اپنے الباب یعنی کانوں، آنکھوں اور دل سے معاونت حاصل کر رہے ہیں جو کسی بھی بات کسی بھی شیئے کو کسی بھی نکتے کو حرف آخر سمجھ کر اسے دماغ میں ڈال کر تالا نہیں لگا لیتے بلکہ ہر لمحے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل کو کھلا رکھتے ہیں اگر پہلے والی بات یا نظریے میں کوئی خامی، نقص و غلطی سامنے آتی ہے یا وہ غلط ثابت

ہو جاتا ہے تو اسے فوری دماغ سے نکال کر حق کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے برعکس جو اہل العقائد ہیں ان کی راہنمائی اللہ نہیں کر رہا بلکہ ان کی راہنمائی اللہ کے دشمن اللہ کے شریک شیاطین مجرمین کر رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ جو بھی حق کا دعویدار ہو کہیں سے بھی کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو ایسا نہیں کہ اپنے کان اور آنکھیں بند کر لو بلکہ ہر کسی کی بات کو سنو جہاں سے بھی حق کا دعویٰ بلند ہو تو سنو اسے دیکھو اسے پرکھو اس میں غور کرو اور جس کی بات سب سے بہتر ہے اس کی اتباع کرو ایسا کرنے والوں کی اللہ ہدایت کر رہا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے ان کی ہدایت اللہ نہیں بلکہ اللہ کے دشمن اللہ کے شریک مجرمین شیاطین کر رہے ہیں۔

اب آپ خود غور کریں کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ آیا کہ آپ نے اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا ہے یا پھر اللہ کے حکم کا کفر کرتے ہوئے اندھوں کی طرح اکثریت کے پیچھے چلنا ہے، اپنی خواہشات کو ہی حق کا نام دیکر اپنے آباواجداد سے جو نسل در نسل منتقل ہوا اس کی ہی نقل کرنی ہے اسی کی اتباع کرنی ہے؟ آیا آپ نے اولوا الالباب میں سے ہونا ہے یا پھر اہل العقائد میں سے؟

اگر آپ خود کو مومن کہتے ہیں اور اللہ کا حکم نہیں مانتے، زبان سے تورات دن قرآن قرآن کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عمل سے قرآن کو قرآن کی ہر بات کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں تو جان لیں یہ آپ اللہ کو نہیں بلکہ خود اپنے ہی آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں آج تکبر میں آپ یہ کر تو رہے ہیں اور آپ کو کوئی فکر ہی نہیں لیکن کل کو آپ کے ہاتھ میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں رہے گا۔

اگر آپ واقعتاً مومن ہیں تو آپ کو اپنے عمل سے بھی اس کو ثابت کرنا ہوگا اللہ آپ کو جو حکم دے رہا ہے اسے ماننا ہوگا اہل العقائد کی بجائے اولوا الالباب بننا ہوگا غور و فکر کرنا ہوگا جہاں سے بھی حق کا دعویٰ بلند ہو تو بغیر سنے دیکھے اس پر فتوے لگانے کی بجائے اس پر الزامات لگانے کی بجائے اس کی مکمل بات کو سننا ہوگا اسے سمجھنا ہوگا اور پھر جو احسن ہو جس سے بہتر کسی کی دعوت نہ ہو کسی کی بات نہ ہو اس کی اتباع کرنا ہوگی۔ آج وقت ہے اور یہ فیصلہ آج آپ کے اپنے اختیار میں ہے اگر آج آپ نے تکبر کیا تو کل کو دوبارہ یہ موقع آپ کو نہیں ملنے والا اس لیے انتہائی ٹھنڈے دماغ سے سوچیں غور و فکر کریں اگر آپ اللہ کی بات ماننے کی بجائے اللہ سے کفر کرتے ہوئے اندھوں کی طرح اکثریت کے پیچھے چلیں گے اندھوں کی طرح ملاّؤں کے پیچھے چلیں گے تو کل کو آپ کا انجام کیا ہوگا؟ آخر یہ آپ کس کو دھوکہ دیں گے؟ یہ آپ کس کا نقصان کریں گے؟

عقیدہ ختم نبوت یعنی محمد کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اس عقیدے کی بنیاد دو دلائل پر کھڑی ہے ان میں سے ایک تو یہ تھی جسے پیچھے اکھاڑ دیا گیا کہ امت محمد کی اکثریت کا اس پر اجماع ہے اکثریت کا عقیدہ ہے اس لیے اسے ماننا ہر ایک پر لازم ہے اور دوسری دلیل قرآن کی سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کے من گھڑت تراجم و تفاسیر ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. الاحزاب ۴۰

ان دو دلائل کی بنیاد پر ان کا یہ عقیدہ کھڑا ہے اگر ان دونوں بنیادوں کو اکھاڑ دیا جاتا ہے ان کو غلط ثابت کر دیا جاتا ہے تو ان کے اس عقیدے کی خود بخود موت واقع ہو جاتی ہے بے بنیاد اور باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ان میں سے ایک دلیل کی حقیقت تو بالکل کھول کر واضح کی جا چکی اس کی تو بنیاد ہی ختم ہو چکی یعنی ان کی پہلی دلیل جس کی بنیاد پر اس عقیدے کے سچ و حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی بنیاد تو ہم نے اکھاڑ کر رکھ دی اس دلیل کی حقیقت آپ کے سامنے چاک کر کے رکھ دی اب آتے ہیں دوسری دلیل کی طرف اور اس کی حقیقت بھی آپ کے سامنے کھول کر رکھتے ہیں اور ہر لحاظ سے ہر پہلو سے اس عقیدے کی حقیقت چاک کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے آتے ہیں قرآن کی سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کی طرف جو کہ قرآن کی صرف یہی ایک آیت ان کے اس عقیدے کی بنیاد ہے قرآن سے صرف یہی ایک آیت ہے جس کی بنیاد پر یہ اس عقیدے کو اخذ کیے ہوئے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. الاحزاب ۴۰

اس آیت کے جو تراجم کیے جاتے ہیں جن تراجم کی بنیاد پر یہ عقیدہ اخذ کیا جاتا ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول اور نبی ہیں سب سے پہلے وہ تراجم آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ آپ پر بالکل کھل کر یہ بات واضح ہو جائے کہ کس قدر دھوکے کیساتھ اپنے باطل عقائد و نظریات کو تقویت فراہم کرنے کے لیے تراجم و تفاسیر کی صورت قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے اس کے من چاہے تراجم و تفاسیر کر کے اپنے باطل عقائد و نظریات کو بنیادیں فراہم کی جاتی ہیں۔

تراجم۔

تمام مکاتب فکر کے نزدیک معتبر ترین اور متفقہ ترجمہ جو کہ فتح محمد جالندھری کا ہے کا کہنا ہے۔

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ فتح محمد جالندھری

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ احمد رضا خان بریلوی

(لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

تین تراجم آپ کے سامنے رکھے ان کے علاوہ جتنے بھی تراجم ہیں تمام کے تمام تراجم کا مرکز ومحور اور معنی یہی بنتے ہیں جو ان میں آپ کو نظر آ رہے ہیں یعنی ہر ترجمے میں صرف الفاظ کے چناؤ میں فرق نظر آئے گا مفہوم ایک ہی ہوگا اور الفاظ کا چناؤ آپ کو اس لیے الگ الگ نظر آئے گا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ تمام کے تمام مترجمین نے ایک دوسرے کا ترجمہ نقل کر کے ہی اپنے نام سے پبلش کروایا ہے جس سے مترجم قرآن کے لقب سے محروم رہ جائیں گے۔ الفاظ کے چناؤ میں فرق کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مترجم قرآن کا لقب حاصل کیا جا سکے ورنہ تمام کے تمام تراجم کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے ایک ہی مرکز ومحور ہے۔

تراجم میں لفظ ابا کا ترجمہ والد یا باپ یعنی جنم دینے والا کیا گیا، خاتم کا معنی مہر یا آخری اور النبیّن کا ترجمہ تمام کے تمام نبی کیا گیا یعنی النبیّن جمع کا صیغہ ہے۔

سب سے پہلے آتے ہیں لفظ ابا کی طرف کہ کیا لفظ ابا کے معنی والد، باپ یعنی جنم دینے والے کے ہیں؟ کیونکہ والد اور باپ ان دونوں الفاظ کے معنی جنم دینے والے کے ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کے قائل تمام کے تمام مترجمین و مفسرین نے اس آیت میں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ جس کے معنی ہیں جنم دینے والا کے کیے ہیں تو کیا لفظ ابا کے معنی یہی ہیں؟

سب سے پہلے قرآن ہی سے کچھ اعتراضات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جو ان کے لفظ ابا کے معنی و تراجم کی حقیقت چاک کر دیتے ہیں اور ان کے تراجم و معنی کو بے بنیاد، باطل اور غلط ثابت کر دیتے ہیں۔

مثلاً خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اللہ اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام یعنی گفتگو کرتا ہے انسانوں سے خطاب، بات کرتا ہے۔ تو اسی بنیاد پر ہم ایک اعتراض آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ کیا اللہ کو علم نہیں تھا کہ محمد کی وفات کے بعد بھی وہ اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام کرے گا تو جب محمد کی وفات ہو گئی اس کے بعد بالخصوص آج چودہ صدیاں بعد اللہ موجودہ انسانوں کو اس قرآن کے ذریعے یہ کہہ رہا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں یعنی جنم دینے والے نہیں ہیں کیا ہر انسان کو نہیں علم کہ ظاہر ہے وہ والد ہو بھی کیسے سکتے ہیں جو شخص چودہ صدیاں قبل وفات پا چکا ہو وہ آج کسی کا والد کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ایسی صورت میں کیا اللہ ایسا کہے گا؟

اگر اس کے باوجود یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ ایسا کہہ رہا ہے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ اگر ایک شخص چودہ صدیاں قبل وفات پا گیا اور چودہ صدیاں بعد کوئی آپ سے کہے کہ وہ شخص جو آج سے چودہ صدیاں قبل وفات پا چکا وہ تم میں سے کسی مرد کا والد نہیں کیا یہ انتہائی بے وقوفانہ و جاہلانہ بات نہیں ہے؟ کیا ایسا کہنے والے کا ذہنی توازن ٹھیک ہو سکتا ہے؟

ایسا تو صرف اور صرف وہاں کہا جا سکتا ہے جہاں ممکنات ہوں یعنی ممکن ہو تو۔ جب محمد علیہ السلام چودہ صدیاں قبل وفات پا چکے آج ان کا کسی کو جنم دینا ہے ہی ناممکنات میں سے تو پھر ایسا کہنے والا تو کوئی پاگل ہی ہو سکتا ہے جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

اور پھر اگر یہ کہا جائے کہ جی اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں تھے یعنی ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو اس بنیاد پر

بھی یہ بات یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہر مسلمان کہلوانے والا اس بات کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے کہ محمد علیہ السلام نے تین مردوں کو جنم دیا تھا۔
اور پھر اگر یہ بھی کہا جائے کہ جی بات بالغ مردوں کی ہو رہی ہے رجال بالغ مردوں کو کہتے ہیں تو پھر بھی یہ بات واضح ہے کہ کیا آج تک کسی نے ایسا دعویٰ کیا کہ محمد علیہ السلام کسی بالغ مرد کے والد تھے جو قرآن اس دعوے کی نفی کر رہا ہے؟ جب آج تک ایسا کسی نے دعویٰ کیا ہی نہیں، ہر کسی کو علم ہے کہ تین لڑکے ہوئے لیکن بلوغت سے قبل ہی وفات پا گئے تو قرآن ایسا کیوں کہے گا؟ آخر کوئی وجہ تو ہونی چاہیے نا؟ یا پھر اللہ نے قرآن میں یہ بات بغیر کسی وجہ کے بیان کر دی؟ اگر ایسا ہے تو اللہ کا قرآن میں یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے کیونکہ اس میں اختلافات سامنے آ جائیں گے اور اللہ نے کہا کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں اختلافاً کثیرا پاتے۔ ایک طرف اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ اللہ جو بھی کرتا ہے حق کیساتھ کرتا ہے یعنی بغیر کسی مقصد کے نہیں کرتا جو بھی کرتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور یہاں ایک بات بغیر مقصد کے کی جا رہی ہے یوں تو قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر قرآن ہی غیر اللہ کا کلام ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ یہ اعتراضات تو تب اٹھائے جا سکتے ہیں کہ ماضی کا صیغہ ہے یا بالغ مردوں کی بات ہو رہی ہے جب آپ کے تراجم میں یہ بات کی گئی ہو؟ آپ کے تراجم میں تو حال کی بات ہو رہی ہے یعنی جب جب دنیا میں جو جو لوگ موجود ہیں قرآن ان سے خطاب کر رہا ہے جیسے آج جو موجود ہیں تو قرآن کا خطاب ان سے ہے۔

آپ کے تراجم میں تو بالکل واضح دوٹوک الفاظ میں موجودہ انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں کہا جا رہا ہے محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔

اور پھر جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ محمد علیہ السلام نے تو تین لڑکوں کو جنم دیا یعنی تین مردوں کے والد تھے تو پھر کہتے ہیں کہ یہاں آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے جس کے معنی بالغ مرد کے ہیں اور محمد علیہ السلام کے تینوں لڑکے بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اس لیے وہ کسی بالغ مرد کے والد نہیں تھے اور اس آیت میں اللہ نے بالغ مرد کے والد ہونے کی نفی اس لیے کی کیونکہ اللہ نے محمد علیہ السلام پر رسالت ونبوت ختم کرنا تھی اور اگر محمد علیہ السلام کسی بالغ مرد کے والد ہوتے تو پھر نبوت ختم نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ نبی کا بیٹا بھی نبی ہوسکتا ہے جیسے ماضی میں دیکھیں ابراہیم کے بیٹے پھر ان کے بیٹے اس طرح نسل درنسل نبوت چلتی رہی۔ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا اس لیے اللہ نے محمد علیہ السلام کے بیٹوں کو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات دے دی۔
اگر ان کی اس بات کو اس دلیل کو مان لیا جائے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا اس لیے محمد علیہ السلام کے لڑکوں کو وفات دے دی تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا کہ کیا اللہ کو پہلے اس بات کا علم نہیں تھا؟ کیا بچوں کو خلق کرنے سے پہلے اللہ کو علم نہیں تھا کہ نبوت کا دروازہ بند کرنا ہے اس لیے محمد کو لڑکا نہ دیا جائے؟ اور بعد میں اللہ کو یاد آیا کہ اوہ غلطی ہوگئی لڑکوں کی پیدائش نہیں ہونی چاہیے تھی کیوں کہ نبوت کا دروازہ بند جو کرنا ہے اگر یہ زندہ رہے تو یہ بھی نبی بن سکتے ہیں اس لیے اب اس غلطی کو سدھار لیا جائے اور اس کے لیے ظلم کیا جائے ان لڑکوں کو موت دے دی جائے یعنی اسطرح ایک تو اللہ سبحان نہیں یہ ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری بات کہ اللہ ظالم بھی ہے؟

اور جب لڑکوں کی پیدائش اور موت پر یہ بات کی جائے تو ایک نئی منطق سامنے لے آتے ہیں کہ اللہ کو علم تھا لیکن اللہ نے لڑکے اس لیے دیئے تا کہ دشمن محمد علیہ السلام کو کوئی طعنہ نہ دے سکیں کہ محمد میں جنسی کمزوری ہے اس لیے اس کے ہاں کوئی لڑکا نہیں یا پھر لڑکا نہ ہونے کا طعنہ و ملامت نہ کر سکیں۔
اگر ان کی اس بات کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب کہ اللہ مشرکین کی ملامتوں کی پرواہ کرتا ہے؟ اللہ مشرکین کی ملامتوں کی پرواہ کرتے ہوئے اپنا قانون ہی بدل لیتا ہے؟ اور اگر اللہ کو مشرکین کی ملامتوں کی اتنی ہی پرواہ تھی تو جب مریم پر اتنا بڑا الزام لگا جب مریم کو ملامت کیا گیا زانیہ کہا گیا عیسیٰ کو حرام زادہ کہا گیا کہ یہ حرام کی اولاد ہے تب وہ اللہ کہاں گیا تھا؟ تب اللہ کو ملامت کی پرواہ نہیں تھی؟

اور اگر اس سب کے باوجود بھی ان کی بات کو مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تینوں لڑکوں نے نبی ہونا تھا؟ موت تو اس کو دی جاتی جس کے نبی بننے کی امید تھی مگر موت تو تینوں کو دے دی گئی تو باقیوں کا کیا قصور تھا؟

حالانکہ خود محمد کے الفاظ ہیں اپنے ایک بیٹے کے بارے میں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ اس سے بھی کئی باتیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں اول تو یہ کہ اگر محمد علیہ

السلام کے بعد نبی آنا ہی نہیں تھا نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا تو پھر محمد علیہ السلام نے ایسا کیوں کہا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا؟ حالانکہ اس کے برعکس یہ کہنا چاہیے تھا کہ اگر زندہ رہتا تب بھی نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت کا دروازہ جو بند کر دیا گیا لیکن محمد نے ایسا نہیں کہا تھا بلکہ اس کے بالکل الٹ کہا جس سے نبوت کے بند ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

پھر دوسری بات محمد کے تین لڑکے تھے مگر صرف ایک کے بارے میں کہا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا اس کا مطلب باقی دو نبی نہیں بن سکتے تھے اور اگر لڑکوں کو موت محض اس لیے دی گئی تھی کہ کہیں زندہ رہے تو نبوت جاری رہ سکتی ہے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا تو پھر اس بنیاد پر صرف اسے ہی موت دی جاسکتی تھی جس کے نبی بننے کی امید تھی نہ کہ باقیوں کو بھی موت دے دی جاتی۔

پھر اگر لڑکے اس لیے دیئے تاکہ مشرکین یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ محمد میں جنسی کمزوری ہے اس کے ہاں لڑکا نہیں تو پھر تین تین لڑکے دینے کی کیا ضرورت تھی اس طعنے وملامت کا رد تو ایک ہی لڑکے سے ہوسکتا تھا اس کے باوجود تین لڑکے کیوں دیئے؟

یوں آپ نے جان لیا کہ آپ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے جتنے بھی جتن کرلیں نہ صرف وہ جھوٹ چھپ نہیں سکتا بلکہ اسے چھپانے کے لیے یا اسے حق ثابت کرنے کے لیے جو بھی جتن کریں گے وہ سب کا سب بھی باطل وخرافات ہی ہوں گی جن کو آپ اپنے بے بنیاد وباطل عقائد ونظریات کو حق ثابت کرنے کے لیے بطور دلائل پیش کرتے ہیں ان کی تو اپنی کوئی بنیاد نہیں تو وہ دلائل کیسے بن سکتے ہیں۔

بڑھتے ہیں آگے اور لفظ ابا کے ان کے تراجم پر قرآن سے ایک اور ایسا اعتراض سامنے لاتے ہیں جو نہ صرف لفظ ابا کی کھول کر وضاحت کر دیتا ہے بلکہ ان کی من گھڑت کہانیوں کی بنیادیں ہی اکھاڑ دیتا ہے۔

سورت الحج کی آیت نمبر ۷۸ میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بعد آنے والے ہر دور کے لوگوں کا ابا قرار دیا جیسا کہ آیت آپ کے سامنے ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی۔

اللہ انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا بنانے کا حکم دے رہا ہے اور مومن وہ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا بناتے ہیں۔ اب ذرا غور کریں اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو آپ کا بھی ابا قرار دیا گیا تمام انسانوں کا ابا قرار دیا گیا تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانوں کو جنم دیا وہ تمام انسانوں کے والد باپ ہیں؟؟؟

اگر نہیں تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ابا کے معنی والد یا باپ یعنی جنم دینے والے کے نہیں ہیں ہاں البتہ والد کو بھی ابا کہا جاسکتا ہے لیکن تب جب وہ ابا ہوگا۔

اب اس کے باوجود اگر لفظ ابا کے معنی والد یا باپ یعنی جنم دینے والے کے کیے جاتے ہیں تو لامحالہ آپ کو یہی معنی یہاں اس آیت میں بھی کرنا ہوں گے اگر تو یہاں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ کے کیے جاسکتے ہیں تو پھر وہاں بھی یہی معنی لیے جائیں گے کسی کو بھی اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی اعتراض کر سکے گا لیکن اگر یہاں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ کے نہیں کیے جاسکتے تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لفظ ابا کے معنی والد، باپ یعنی جنم دینے والا نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔

یہی لفظ ابا قرآن میں مزید بہت سے مقامات پر آیا ہے آپ دیکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ اگر لفظ ابا کے معنی والد باپ یعنی جنم دینے والے کے ہیں تو کیا ان تمام مقامات پر بھی اس کے یہی معنی کیے جاسکتے ہیں اگر ممکن ہے تو پھر آپ خود بھی کوشش کر کے دیکھیں اور اگر ممکن نہیں تو پھر یہ بات جان لیں کہ کسی بھی صورت لفظ ابا کے معنی والد باپ یعنی جنم دینے والے کے نہیں ہیں۔

قرآن میں جن مقامات پر لفظ ''اب'' کا استعمال کیا گیا وہ آپ کے سامنے ہیں۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا. البقرة ۱۳۳

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ . البقرة ۱۷۰

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَ کُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا. البقرة ۲۰۰

وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. النساء ۲۲

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ. المائده ۱۰۴

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ . الانعام ۱۴۸

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ. الاعراف ۲۷

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَ نَا. الاعراف ۲۸

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ. الاعراف ۷۰

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ. الاعراف ۷۱

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ. الاعراف ۹۵

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. الاعراف ۱۷۳

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ. یونس ۷۸

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ. هود ۶۲

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ. هود ۸۷

فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ. هود ۱۰۹

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ. یوسف ۳۸

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ. ابراهیم ۱۰

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ. النحل ۳۵

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَ هُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ. الانبیاء ۴۴

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِیْنَ. الانبیاء ۵۳

قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. الانبیاء ۵۴

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَ هُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ. المومنون ۶۸

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ . المومنون ۸۳

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الشعراء ۲۶

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ. الشعراء ۷۴

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ. الشعراء ۷۶

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ. النمل ۶۷

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. النمل ۶۸

فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ. القصص ۳۶

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ. لقمان ۲۱

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ. سباء ۴۳

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ. یٰس ۶

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ. الصافات ۱۷

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَ هُمْ ضَآلِّيْنَ. الصافات ۶۹

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الصافات ۱۲۶

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ. الزخرف ۲۲

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ. الزخرف ۲۳

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ. الزخرف ۲۴

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ. الزخرف ۲۹

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الدخان ۸

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. الدخان ۳۶

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. الجاثیہ ۲۵

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى . النجم ۲۳

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ. الواقعہ ۴۸

یہ قرآن سے چند آیات ہیں ان تمام آیات میں لفظ ابا کا استعمال ہوا ہے ان میں سے کسی آیت میں بھی آپ لفظ ابا کے معنی والد یا باپ نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن ان معنوں کو قبول نہیں کرے گا یعنی یہ آیات اس معنی کو مسترد کر دیں گی اور جب آپ ان آیات میں غور کریں تو ان آیات میں مومنوں کے لیے جو صالحین ہیں انہیں ان کے ابا قرار دیا اور جو مشرکین ہیں جو فساد کرنے والے ہیں ان کے ابا ان قوموں کو ان لوگوں کو قرار دیا گیا جو الاولین تھے جو زمین میں فساد کرنے کے سبب ہلاک ہوئے جس سے یہ آیات خود ہی لفظ ابا کی وضاحت کر دیتی ہیں کہ جس کی ملت پر آپ چلیں گے وہی آپ کا ابا کہلائے گا یعنی جس کی سنت طریقے پر آپ چلیں گے اپنی زندگی گزاریں گے وہی آپ کا ابا کہلائے گا۔

اب آتے ہیں لفظ ابا کے اصل معنی کی طرف اور حقیقت آپ پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیتے ہیں۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ. الاحزاب ۴۰

مَا کَانَ اللہ نے قانون میں ہی نہیں کیا مُحَمَّدٌ محمد جب تک موجود تھا اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ ابا کسی ایک کا بھی تمہارے بالغ بااختیار مردوں سے وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور لیکن رسول تھا یعنی بھیجا ہوا تھا اللہ کا اور تمام کے تمام بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول خاتم النبیّن نہیں بعث کر دیا جاتا۔ یا بالکل آسان الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ نہیں تھے محمد ابا کسی ایک کے بھی تمہارے بااختیار بالغ مردوں سے اور لیکن اللہ کے رسول تھے اور خاتم النبیّن تھے۔

اس آیت میں انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ کیوں کہا کہ محمد تمہارے رجال یعنی بااختیار بالغ مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے؟ اللہ نے ایسا کیوں کہا؟ اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اسے تب تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ لفظ ابا کو نہ سمجھ لیا جائے۔ آج تک جتنے بھی تراجم وتفاسیر کیے گئے اور جن لوگوں نے بھی قرآن کو بیان کرنے کا دعویٰ کیا تو ان کی اکثریت ایسی ہے کہ انہوں نے لفظ ابا کا معنی والد یا باپ کر دیا۔

والد لفظ عربی کا ہے جو اردو میں استعمال ہوتا ہے اور باپ لفظ اردو کا ہے یہ دونوں الفاظ والد اور باپ اردو میں جنم دینے والے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اردو میں لفظ ابا بھی استعمال ہوتا ہے اور لفظ ابا کو بھی جنم دینے والے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ غلط العام ہے اسی وجہ سے قرآن میں اس آیت میں لفظ ابا کو والد، باپ کے معنی میں لے لیا گیا جس سے بہت بڑا نقصان ہوا۔

اللہ نے اسی قرآن میں قرآن کو الحکیم کہا جیسا کہ درج ذیل آیت میں واضح ہے۔

وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ. یٰس ۲

قرآن اللہ کا کلام ہے جب اللہ الحکیم ہے نہ صرف الحکیم بلکہ العزیز الحکیم تو پھر اللہ کا کلام کیسے العزیز الحکیم نہیں ہو سکتا؟ پھر لامحالہ اللہ کا کلام قرآن بھی العزیز الحکیم ہے۔

حکیم حکم سے ہے جس کے معنی ہیں کیا، کب، کہاں، کیوں، کیسے، کتنا اور کس لیے وغیرہ سمیت سوالات کے جوابات کا علم ہونے کو یعنی اگر کوئی کام کرنا ہے تو کب کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کیوں کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کس لیے کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کتنا کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا۔

حکیم کے معنی کیا ہیں ہم ایک مثال سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ نے کوئی مشین بنانی ہے تو اس کے لیے جو جو کچھ درکار ہوگا وہ علم کہلائے گا اور اس علم کا استعمال کب کتنا کہاں کیسے اور کیوں کیا جائے کہ بہترین مشین تیار ہو جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے یعنی علم کا کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کیا جائے کہ مطلوب حاصل ہو جائے اسے عربی میں حکمہ کہتے ہیں جس میں حکمہ ہو اور اسے استعمال کر رہا ہو تو اسے حکیم کہا جائے گا۔ جتنے بھی حکیم ہیں ان میں جو خاص ہو وہ الحکیم کہلائے گا۔

اسی طرح ایک اور مثال لے لیتے ہیں مثلاً آپ کو کھانا بنانا ہے تو کھانا بنانے کے لیے کیا کیا اور کتنا کتنا چاہیے یہ علم کہلائے گا اور اس علم کا ایسا استعمال کہ مطلوبہ بہترین کھانا تیار ہو جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے یعنی کب آگ جلانی ہے کب برتن رکھنا ہے کب گھی ڈالنا ہے اسی طرح کب کب کیا ڈالنا اور کتنا کتنا پکانا ہے یہاں تک کہ بہترین مطلوبہ کھانا بن جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے اور جس میں حکمہ موجود ہو وہ حکیم کہلاتا ہے اور اگر لفظ حکیم کے ساتھ الف لام کا استعمال ہو جائے جس سے الحکیم بن جاتا ہے عربی میں الف لام کسی شئے کو مخصوص کرنے یا منفردیت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن الحکیم ہے یعنی قرآن میں اللہ نے جو جو الفاظ استعمال کیے ان میں اور ان کی ترتیب وغیرہ میں انتہا درجے کی حکمت پوشیدہ ہے۔ جیسے اس آیت میں لفظ ابا استعمال کیا گیا تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر اس آیت میں جنم دینے والے کا ذکر کیا جاتا تو اس کے لیے لفظ ولد کا استعمال کیا جاتا مگر یہاں لفظ ولد کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ابا کا استعمال کیا گیا اگر قرآن کو پڑھتے، سمجھتے اور اس میں غور وفکر کرتے وقت ان باتوں کا خیال نہیں رکھیں گے الفاظ کے استعمال کو معمولی سمجھیں گے اور لاپرواہی کا مظاہرہ کریں گے الفاظ میں رائی برابر بھی تبدیلی کریں گے زیر زبر تک کے فرق کو نظر انداز کریں گے الفاظ کی ترتیب کو نظر انداز کریں گے تو بلاشک وشبہ یہ عمل قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر ہوگا قرآن اللہ کا کلام ہے تو لامحالہ عمل سے اللہ کے الحکیم ہونے کا بھی کفر ہوگا۔

جولوگ اللہ کے رکھے ہوئے فرق کونظرانداز کرتے ہیں اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں وہ فاسق کہلاتے ہیں اور فاسقوں کے لیے اللہ کے قانون میں ہدایت ہے ہی نہیں۔ظاہر ہے جب آپ بات کواس کے مقام سے بدل دیں گےاس میں تبدیلی کردیں گے یااس میں رائی برابر بھی فرق نظرانداز کریں گےتو آپ اصل نتیجے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ آپ کبھی بھی اصل نتیجے پرنہیں پہنچ سکتے۔

اللہ نے آیت میں لفظ ابا کا استعمال کیا مگرآج تک قرآن کے الحکیم ہونے کا کفرکرتے ہوئے اس کا معنی ہی بدل دیا گیا اور نہ ہی اس لفظ کوکوئی اہمیت دی گئی۔ ابھی تو ہم اس ایک لفظ کی بات کررہے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کی کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا گیا ہو۔ ہر لفظ اور ہرآیت میں قرآن کے الحکیم ہونے کا کفرکیا گیا ذرا برابر بھی اس بات پرتوجہ نہ دی گئی کہ اللہ نے اگرایسے الفاظ استعمال کیے ہیں تو ان کے استعمال کا آخرکوئی نہ کوئی مقصد توضرورہوگا۔

اس آیت میں یہ نکتہ انتہائی قابل توجہ اورغیر معمولی ہے کہ اللہ نے محمد علیہ السلام کے بارے میں یہ کیوں کہا کہ وہ تمہارے رجال یعنی بااختیار بالغ مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے؟

ابا کہتے ہیں جس کی تربیت پرچلا جائے مثلاً ایک شخص اس کوجنم دینے والا یعنی اس کا والد وفات پاجاتا ہے یا وہ اپنے بچے کی تربیت نہیں کرتا تو جوبھی شخص اس بچے کی تربیت کرے گا جس کی تربیت پر بچہ چلے گا وہ اس کے لیے اس کا ابا کہلائے گا۔اگرایک شخص نہ صرف بچے کوجنم دیتا ہے بلکہ اس کی تربیت بھی کرتا ہے تو وہ اس کا والد ہی نہیں بلکہ ابا بھی کہلائے گا۔

اورکوئی بھی شخص بچے کی وہی تربیت کرتا ہے جو وہ خود ہوتا ہے بچہ اس کے کردار کونقل کرتا ہے توکسی شخص کا کردار یعنی جس طرح وہ دنیا میں زندگی گزارتا ہے کیا کیا کیسے کیسے کرتا ہے اس کے زندگی گزارنے کا مکمل طریقہ عربی میں ملت کہلاتی ہے۔

جس کی ملت پرچلا جائے گا وہ آپ کا ابا کہلائے گا یعنی جسے آپ اپنے لیے رول ماڈل بناؤ گے عربی میں وہ آپ کا ابا کہلائے گا اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے یہ کہا کہ محمد تمہارے رجال یعنی بالغ خودمختار مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے یعنی تم میں سے کسی ایک مرد کے لیے بھی ایسا نہیں کہ وہ محمد کی ملت پر چلے یعنی محمد کواپنا ابا بنائے کیونکہ تمہارے ابا یعنی وہ شخصیت جس کی ملت پرچلنا ہے جسے تمہارے لیے رول ماڈل بنایا ہے وہ محمد نہیں کوئی اور ہے اور اللہ نے پورے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیا کہ وہ ہیں تمہارے ابا اور وہ شخصیت ہے ابراہیم علیہ السلام جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ رہے ہیں۔

مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جوتم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم ہیں۔

اوراسی لیے اللہ نے باربار ابراہیم کی ملت کی اتباع کا حکم دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ‌ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ‌ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. البقرة ۱۳۵

وَقَالُوۡا اورکہہ رہے ہیں یعنی آج جب آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو ہرکوئی آپ کو یہ کہتا ہوا نظر آئے گا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ کیا اور وہ جو ان کی نصرت کررہے ہیں اگرتم ان میں سے ہورہے ہو تو تم ہدایت پارہے ہو ورنہ تم ہدایت نہیں پارہے بلکہ گمراہ ہو۔

آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو آپ کوانسانوں میں دو بنیادی گروہ نظرآئیں گے ایک وہ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ اور دوسرے وہ ہیں جو اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل کران کی تعداد بڑھا کر اورانہیں چندے دیکر ان کی نصرت کررہے ہیں اور یہ دونوں طرح کے لوگ طرح طرح کے فرقوں میں تقسیم ہیں تو جومشرک ہوتا ہے وہ ان کا شکار ہوجاتا ہے اور جومومن ہوتا ہے وہ ان کی اتباع کرنے کی بجائے ان کی طرح فرقہ پرست مشرک بننے کی بجائے انہیں یہ جواب دیتا ہے جو اسے اللہ کہہ رہا ہے قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا کہہ نہیں تم سچے نہیں ہو یہ حق نہیں ہے یہ وہ ملت نہیں ہے جس پرتم چل رہے ہو اور مجھے بھی اس پرچلنے کا کہہ رہے ہو لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے رہے ہو بلکہ حق تو یہ ہے کہ ملت تھی ابراہیم کی ہر طرف سے ہر لحاظ سے کٹ کریک رخ ہوکرقائم

ہونا دین کے لیے اور دین تھا فطرت وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْن اور جو اس طرح ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ملت ابراہیم کی اتباع کرتا ہے تو وہ نہیں مشرکین میں سے کیونکہ ابراہیم مشرکین میں سے نہیں تھا۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. آل عمران ۹۵

کہہ سچ وہ ہے جو اللہ کہہ رہا ہے اور اللہ وہ نہیں کہہ رہا جو تم لوگ کہہ رہے ہو تم لوگ فرقہ درفرقہ تقسیم ہو اور اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چل رہے ہو جس پر تم لوگوں نے انہیں پایا اسی پر چل رہے ہو اور تم میں سے ہر کسی کا یہی دعویٰ ہے کہ ہمارے فرقے میں آ جاؤ یہی حق ہے اور باقی سب باطل ہے تو یہ حق نہیں ہے یہ سچ نہیں ہے تم لوگ سچے نہیں بلکہ اللہ سچ کہہ رہا ہے اللہ ہے جو سچا ہے اللہ کی بات سچی ہے اور اللہ کی بات یہ ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے پس اتباع کرو ابراہیم کی ملت کی ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر اور ابراہیم نہیں تھا مشرکین میں سے تو جو بالکل ابراہیم کی طرح اس کی ملت پر چلے گا تو وہ مشرکین میں سے نہیں اور جو ابراہیم کی بجائے کسی اور کی ملت پر چلے گا یا اپنا رخ دین جو کہ فطرت تھی سے اِدھر اُدھر کرے گا تو وہ مشرکین میں سے ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا. النساء ۱۲۵

اور کون سا دین احسن ہے اس دین سے کہ اپنے رخ کو الہٰ کے لیے کر کے خود کو مکمل طور پر جھکا دیا جائے اور جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یعنی جو کہ اللہ کا وجود ہے اس میں دیکھو ہر کوئی احسان کر رہا ہے تو جو بھی اپنا رخ الہٰ کے لیے کر کے خود کو مکمل طور پر جھکا دیتا ہے تو وہ محسن ہے اور اس نے اتباع کی ابراہیم کی ملت کی ہر طرف سے کٹ کر اور اخذ کیا اللہ نے ابراہیم کو خلیل یعنی جو بھی ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے ہر طرف سے کٹ کر تو اللہ اسے اپنا خلیل اخذ کر لیتا ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. الانعام ۱۶۱

کہہ اس میں کچھ شک نہیں میں جو بھی کر رہا ہوں جس دین پر چل رہا ہوں میری ہدایت میرا ربّ کر رہا ہے ان لائنوں کی طرف جو قائم کرنے والی ہیں ایک ہی دین ہے جس پر قائم ہونا ہے ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر وہ ملت تھی ابراہیم کی اور نہیں تھا ابراہیم مشرکین میں سے اور نہ ہی وہ مشرک ہو سکتا ہے جو ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر ملت ابراہیم پر چل رہا ہو۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. النحل ۱۲۳

پھر کیا کیا ہم نے؟ وحی کی ہم نے تیری طرف کہ جس کی اتباع کرنی ہے وہ ملت تھی ابراہیم کی، ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنی ہے اور نہیں تھا ابراہیم مشرکین میں سے یعنی ابراہیم نے اپنا رخ رائی برابر بھی اپنے ربّ سے نہیں ہٹایا اپنے دین سے نہیں ہٹایا تو جو بھی ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے تو وہ مشرکین میں سے نہیں اور جو بھی ابراہیم کی بجائے کسی اور کی ملت پر چل رہے ہیں تو وہ سب کے سب مشرکین میں سے ہیں۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ. البقرة ۱۳۰

اور جو چاہتا ہے، خواہش کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، طالب ہوتا ہے، حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اس کی طرف بڑھتا ہے، جو اسے دیا گیا اس کا استعمال کرتا ہے، اپنا رخ کسی کی طرف کرتا ہے ابراہیم کی ملت کے برعکس کسی کی بھی طرف مگر وہی ایسا کرتا ہے جس کا دماغ کام نہیں کرتا جو بے وقوف ہے اور تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو یہی بات تمہارے سامنے آئے گی جو ہم کہہ رہے ہیں جو کہ قدر میں کر دیا گیا کہ عالمین میں سے ان کو چن لیا گیا دنیا میں جو ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہر طرف سے کٹ کر ملت ابراہیم کی اتباع کرنے والا آخرت میں بھی اس کا مقام و مرتبہ درجہ صالحین میں سے ہوگا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ پورے قرآن میں اللہ نے کہیں پر بھی محمد کی ملت کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ اللہ نے تو ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنے کا حکم دیا کیونکہ ابا محمد نہیں بلکہ ابا ابراہیم کو بنایا گیا اور محمد تو محض رسول تھا یعنی محمد تو آ کر کھول کھول کر واضح کرنے آیا تھا کہ ابا ابراہیم کی ملت ہے کیا کیونکہ اس وقت ضلالِ مبینٍ تھیں کسی ایک کو بھی حق کا علم نہیں تھا تو اللہ نے محمد کو کھڑا کیا تا کہ محمد کے ذریعے ابا ابراہیم کی ملت کو کھول کھول کر واضح کر دیا جائے ان کے سامنے محمد کی صورت میں عملی طور

پر ابراہیم کی ملت کو واضح کر دیا جائے۔

اب حقیقت آپ کے بالکل سامنے ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان شیاطین مجرمین نے اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے کس طرح اس آیت کے پہلے حصے کیساتھ کھلواڑ کیا۔

اور اب آتے ہیں آیت کے اگلے حصے کی طرف جس میں لفظ خاتم النبیّن کا استعمال ہوا اور جو ان کے اس عقیدے کی سب سے بڑی اور اہم دلیل ہے جس کی بنیاد پر ان لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ محمد آخری رسول و نبی تھا اس کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

نہیں تھا جب تک محمد دنیا میں موجود تھا ابا کسی ایک کا بھی تمہارے خود مختار مردوں میں سے اور لیکن رسول تھا اور خاتم النبیّن تھا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. آیت کے اس حصے میں لفظ رسول کی ل پر زبر کا استعمال ہوا ہے جو کہ اس لفظ کو ماضی کا صیغہ بنا دیتی ہے رسولَ جس کے معنی بنتے ہیں وہ رسول جو گزر چکا، رسول تھا یعنی ماضی کے رسول کی بات ہو رہی ہے۔ آگے اس آیت کے آخر میں دو الفاظ ہیں جو ان کے عقیدے کی اصل بنیاد ہیں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.

خاتم النبیّن کا ترجمہ کیا جاتا ہے نبیوں کے خاتمے پر، نبیوں کو ختم کر دینے والے، نبیوں کے آخری یا نبیوں کی مہر وغیرہ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام کے تمام تراجم یا ان میں سے کوئی ایک بھی ترجمہ ٹھیک ہے؟

کسی بھی لفظ کا کوئی بھی ترجمہ یا معنی کیا جائے اور کہا جائے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے تو اسے تسلیم کر لیا جائے گا مگر یہ دیکھا جائے گا کہ ایسا کہنے والا کون ہے؟ کیونکہ کوئی بات کرے اور اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے یہ حق صرف اور صرف ایک ہی ذات کو حاصل ہے اور وہ ہے وہ ذات جس نے وجود دیا۔ اور وہ ذات جب انسانوں سے بات کرتی ہے تو اس طرح بات کرتی ہے جیسے اس کا قانون ہے۔ انسان چونکہ بشر ہیں تو وہ ذات انہیں میں سے کسی بشر کا انتخاب کر کے اس بشر کے ذریعے انسانوں پر حق واضح کرتی ہے اپنی بات پیش کرتی ہے جسے رسول کہا جاتا ہے۔

یعنی جتنے بھی بشر ہیں ان میں سے کوئی بھی کوئی بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بات کو مان لو کیونکہ میں جو کہہ رہا ہوں حق ہے تو دیکھا جائے گا کہ کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی بات مان لی جائے؟ یعنی کیا وہ اللہ کا رسول ہے وہ اسی ذات کا نمائندہ ہے اسی ذات کی نمائندگی کر رہا ہے جس نے وجود دیا؟ اگر تو وہ اس کا نمائندہ یعنی رسول ہے تو بلا شک و شبہ اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ایک اور بات بھی ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے اسی ذات نے یعنی اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہا کہ وہ رسول بھیجتا ہے البیّنات کیساتھ جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ. المائدہ ۳۲

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کروا اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا آئے ان میں انہی میں سے رسول البیّنات کیساتھ یعنی جو بھی رسول آیا ت تو وہ معجزات کیساتھ نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ آیا اس نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. التوبۃ ۷۰

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ. یونس ۱۳

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ. یونس ۷۴

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. الروم ۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. الروم ۴۷

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ. فاطر ۲۵

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. غافر ۲۲

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. غافر ۸۳

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ. التغابن ۵، ۶

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ. الحدید ۲۵

یہ چند آیات ہیں جن میں بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ رسول البیّنات کیساتھ آتے ہیں اور ہر رسول البیّنات کیساتھ بھیجا گیا یعنی اللہ جو بھی رسول بھیجتا ہے تو ایسا نہیں کہ وہ آتا ہے اور کوئی بھی بات کہتا ہے کہ جی میں رسول ہوں میری بات کو مان لو نہیں بلکہ رسول تو البیّنات کیساتھ آتے ہیں۔ بیّنات بیّن کی جمع ہے اور بیّن کہتے ہیں کسی بھی بات کسی بھی شئے کا ہر پہلو سے بالکل واضح ہونا اس کا انگ انگ بالکل واضح کھلا ہوا ہونا۔

رسول آتے ہیں البیّنات کیساتھ یعنی رسول جو بھی بات کرتے ہیں تو وہ اپنی بات کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر سامنے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کم سے کم عقل والے پر بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو کہہ رہا ہے یہ حق ہے اس کا رد ناممکن ہے اس کے باوجود وہ تسلیم کرے یا نہ کرے یہ اس پر منحصر ہے کہ اگر وہ تسلیم نہیں کرتا تو کن وجوہات کی بنا پر نہیں کرتا۔ لیکن رسول جو بھی بات کرتا ہے وہ اس قدر کھول کھول کر واضح کرتا ہے کہ کسی کا بھی اس پر کوئی سوال نہیں رہتا، کل کو کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیوں مان لی جاتی بات، اس وقت اس کے سچا ہونے کی کیا گارنٹی تھی۔

اس لیے اگر تو بات پیش کرنے والا رسول ہے تو پھر کوئی جتنے جی چاہے سوالات اٹھالے بالآخر اسے لاجواب ہونا پڑے گا رسول کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ میں کہہ رہا ہوں بس اسی بنیاد پر تم بات مانو بلکہ رسول جو بھی بات کرے گا وہ ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کرے گا وہ تسلیم نہ کرنے والوں کے لیے حجت بن جائے گا کل کو کوئی بھی تسلیم نہ کرنے پر عذر یا بہانہ پیش نہیں کر سکے گا۔

اور اگر بات کرنے والا رسول نہیں ہے تو پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ اپنی بات کو حق ثابت نہ کر دے، جب تک کہ وہ سامنے والوں کو مطمئن نہ کر دے۔ اگر وہ اپنی بات کو سچا ثابت کر دیتا ہے سامنے والوں کو مطمئن کر دیتا ہے سامنے والوں پر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ واقعتاً اس کی بات حق ہے اس کا رد نہیں کیا جاسکتا تو پھر بلاشک وشبہ اس کی بات کو تسلیم کیا جانا چاہیے اور تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر اپنی بات پیش کرنے والا رسول بھی نہیں ہے اور وہ اپنی بات کو سچا ثابت بھی نہیں کرتا، سامنے والوں کے سوالات کے جوابات نہیں دیتا انہیں مطمئن نہیں کرتا اعتراضات دور نہیں کرتا تو پھر اس کی بات کیونکر تسلیم کی جائے گی؟ اگر وہ کوئی بات کرتا ہے اور اپنی زبان سے اس کے سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اسے سچا ثابت نہیں کر سکتا سامنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتا ان کے اعتراضات وسوالات کے جوابات نہیں دیتا بلکہ الٹا وہ زبردستی دوسروں پر اپنی بات مسلط کرنا چاہتا ہے تو پھر آخر اس کی اوقات کیا ہے؟ اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیوں اس کی بات کو مان لیا جائے کیا وہ اللہ ہے؟ وہ اللہ ہے کہ اس کی وہ بات بھی مان لی جانی چاہیے جو عقل میں نہ بھی آرہی ہو؟

اگر وہ اللہ نہیں تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی بات کو سچا ثابت نہیں کر دیتا۔

تو اس آیت کے یہ جو تراجم، معنی ومفہوم کیے جاتے ہیں ایسے تراجم کرنے والے کیا اللہ کے رسول ہیں؟ جو آنکھیں بند کر کے ان کے ان تراجم وتفاسیر کو تسلیم کر لیا جائے؟ اگر نہیں تو پھر ان کو اپنے ان تراجم وتفاسیر کو سچا ثابت کرنا ہوگا، ان کو سامنے والوں کو مطمئن کرنا ہوگا، ان کے تراجم وتفاسیر پر اٹھنے والے اعتراضات و سوالات کے جوابات دیکر اپنی بات کو سچا ثابت کرنا ہوگا اگر ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو بلاشک وشبہ ایسے لوگ بے بنیاد اور باطل ہیں۔

آتے ہیں ان میں سے پہلے لفظ ''خاتم'' کی طرف۔

اس لفظ کو ہم مختلف پہلوؤں سے آپ پر واضح کر دیتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں سب سے پہلے آتے ہیں براہ راست اس لفظ کی طرف۔

عربی میں ختم ایک نہیں بلکہ دوطرح کا ہے۔ایک ہے لفظ ختم یعنی ''خ ت م'' ختم اوردوسرا لفظ ہے ''خ ط م'' خطم۔ ان دونوں الفاظ کو جب بولا جائے تو کوئی بڑے سے بڑا عرب بھی یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان میں سے کون سا ''ت'' والا ختم ہے اور کون سا ''ط'' والا خطم ہے اس وقت تک کہ ان الفاظ کو کسی پس منظر کے تحت بولا نہیں جاتا اور پس منظر واضح کرے گا کہ یہاں ''ت'' والا ختم ہے یا پھر ''ط'' والا خطم۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں صرف ایک چھوٹے سے اور معمولی سے فرق کے علاوہ۔

یعنی مثال کے طور پر اگر آپ لفظ ختم کے معنی آخری کریں یا جو بھی معنی کریں تو آپ کو لا محالہ یہی معنی ''ط'' والے خطم کے بھی کرنا پڑیں گے۔ یعنی ان دونوں الفاظ میں جس ایک لفظ کے آپ جو بھی معنی کریں لامحالہ دوسرے لفظ کے معنی بھی آپ کو وہی کرنے پڑیں گے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی لفظ کی معمولی سے فرق کی وجہ سے دوصورتیں ہیں۔

مثلاً آپ قرآن میں دیکھتے ہیں ایک لفظ ''اتینا'' جس کا معنی کیا جاتا ہے ''دیا ہم نے'' آپ اسے قرآن کی متعدد آیات میں دیکھ سکتے ہیں جن میں سے چند آیات درج ذیل ہیں جن میں یہ لفظ بالکل واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ. البقرة ۵۳

اور تب دی ہم نے موسیٰ کو الکتاب اور دیا الفرقان۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. الحجر ۸۷

اور تحقیق کہ دیا ہم نے تجھے ساتویں میں سے سات ایک دوسرے کے بعد آنے والے سے اور ایسا القرآن کہ اگر اس القرآن کو نکال دیا جائے تو پیچھے القرآن کی اہمیت وحیثیت بالکل ایسی ہی رہ جائے گی جیسے کہ جسم سے تمام کی تمام ہڈی نکال لینے سے پیچھے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. النمل ۱۵

اور تحقیق کہ دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم۔

اس کے علاوہ یہی لفظ ''ت'' کی بجائے ''ط'' سے بھی آیا ہے جیسے کہ آپ اسے درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. الکوثر ۱

اس میں کچھ شک نہیں دیا ہم نے تجھے الکوثر۔

آپ نے دیکھا ایک ہی لفظ ہے جو کہ ''ت'' سے بھی ہے اور ''ط'' سے بھی اور یہ فرق ایک معمولی سے فرق کو واضح کرنے کے لیے ہے بالکل ایسے ہی لفظ ختم ''ت'' سے ہو یا ''ط'' سے دونوں الفاظ ایک ہی لفظ کی دوصورتیں ہیں دونوں کا ایک ہی معنی ہے صرف ایک معمولی سے فرق کیساتھ۔

اب آپ لفظ ختم جو ''ت'' والا ہے اس کا جو جی چاہے معنی کرلیں اس پر کسی بھی قسم کی بحث کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ہم آپ کے اس معنی کو ماننے کے لیے بالکل تیار ہیں اس پر کسی بھی قسم کی کوئی بحث نہیں کریں گے لیکن اس شرط پر کہ ہم آپ کے سامنے لفظ خطم ''ط'' والا رکھیں گے اور آپ سے کہیں گے کہ آپ جو معنی ''ت'' والے ختم کا کررہے ہیں وہی معنی اس کو پہنا کر ثابت کریں اگر تو آپ وہ معنی ''ط'' والے خطم کو پہنا کر ثابت کردیتے ہیں تو ہم ''ت'' والے لفظ ختم کے آپ کے بیان کردہ معنی کو کھلے دل سے تسلیم کرلیں گے ورنہ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو پھر جان لیں کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے لفظ ختم کے معنی وہ نہیں ہوسکتے جو معنی آپ ''ط'' والے خطم کو پہنا کر ثابت نہیں کرسکتے۔

اس لیے ہم ایسا کرتے ہیں بجائے یہ کہ ہم ''ت'' والے لفظ ختم کے معنی پر بحث کریں ہم پہلے ''ط'' والے خطم کے معنی کو جان لیتے ہیں جو معنی ''ط'' والے خطم کا سامنے آجائے وہی معنی ''ت'' والے ختم کا بھی ہوگا۔

آپ کسی بھی عرب دان سے سوال کرلیں کہ ''ط'' والے ختم کا معنی کیا ہے تو وہ آپ کو کہے گا کہ محمد علیہ السلام کے وقت عرب بہت سی اشیاء کے لیے لفظ خطم کا استعمال کرتے تھے خود محمد علیہ السلام نے بھی یہ لفظ کئی مواقع پر استعمال کیا، مثلاً عرب جب دھول مٹی سے بچنا چاہتے تو اس غرض سے وہ اپنے ناک اور منہ کو

کپڑے سے ڈھانپ لیتے جسے عربی میں خطم کہا جاتا تھا اسی طرح جانوروں کو گند کھانے سے بچانے کے لیے یا فصلوں کو کھا کر خراب نہ کریں یا جانوروں کے بچے ماں کا دودھ نہ پی سکیں اس مقصد کے لیے ان کے منہ پر جو ماسک یا چھکا سا چڑھا دیا جاتا تھا اسے خطم کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر ایک نہر میں پانی بہہ رہا ہو اور اس میں بہت سا گند اور لکڑیاں وغیرہ بھی بہہ رہی ہوں اور آپ کی چاہت یہ ہو کہ اس سے آگے صرف پانی ہی جائے گا اس کے علاوہ کچھ بھی آگے نہیں جائے گا تو اس مقصد کے لیے وہاں کوئی جال سا لگا دیا جاتا جسے خطم کہا جاتا تھا۔

یہ چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں اب فیصلہ آپ خود کریں کہ لفظ خطم کے معنی کیا ہیں؟ کیا لفظ خطم کے معنی چھننی کے نہیں بنتے جسے آپ انگلش میں فلٹر کہتے ہیں۔ فلٹر یعنی آپ نے طے کرنا ہے کہ اس مقام سے آگے کیا جا سکتا ہے اور کیا نہیں جا سکتا۔ ذرا غور کریں عرب جب دھول مٹی سے بچنے کے لیے ناک منہ پر کپڑا چڑھا لیتے تو کیا یہ فلٹر نہیں کہ اس میں سے سانس لینے کے لیے آکسیجن تو گزرے مگر دھول اور مٹی وغیرہ نہ گزر پائے۔

جانوروں کے منہ پر ماسک کیا فلٹر نہیں کہ اس میں سے وہ پانی تو پی سکتے ہیں سانس تو لے سکتے ہیں لیکن نہ چارا کھا سکتے ہیں نہ کسی جانور کا دودھ پی سکتے ہیں یعنی آپ نے طے کر دیا کہ آکسیجن اور پانی تو گزرے مگر چارا اور کسی جانور کا تھن نہ گزر پائے کیا یہ فلٹر نہیں ہے؟ پھر نہر جاری ہے اس میں گند اور لکڑیاں وغیرہ بھی بہہ رہی ہیں آپ نے طے کر دیا کہ اس مقام سے آگے صرف پانی جائے گا گند اور لکڑیاں وغیرہ نہیں جس مقصد کے لیے وہاں کوئی جال سا لگا دیا تو کیا یہ فلٹر نہیں جسے آپ اردو میں چھننی یا چھلنی کہہ سکتے ہیں؟

یعنی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ خطم جو کہ ''ط'' والا ہے اس کے معنی فلٹر کے ہیں۔ جب ''ط'' والے خطم کے معنی فلٹر کے ہیں تو پھر لامحالہ ''ت'' والے ختم کے معنی بھی آپ کو فلٹر کے ہی کرنا پڑیں گے۔ یعنی اس لحاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ خطم ''ط'' والا ہو یا پھر ''ت'' والا ختم دونوں کے معنی فلٹر کے ہیں۔

آئیں ایک اور پہلو سے بھی اس لفظ کے معنی کو جان لیتے ہیں۔ لفظ ختم جو کہ ''ت'' والا ہے اس کے معنی آخری یا پھر مہر کے کر دیئے جاتے ہیں اب آپ اس کا ترجمہ آخری کریں یا مہر دونوں کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں یعنی دونوں کا معنی آخری کا ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً آخری تو بالکل واضح ہے کہ آخری کو یعنی جس کے بعد کوئی نہیں اسے کہتے ہیں اس کے علاوہ لفظ ختم کا جو معنی مہر کے کیے جاتے ہیں تو ایسے لوگ بھی دو گروہوں میں تقسیم ہیں ان میں ایک گروہ مہر کے معنی بھی آخری ہی کرتا ہے اور اس کے لیے دلائل پیش کرتے ہیں کہ مہر کہتے ہیں سیل کو مثلاً جب آپ کو خط یا پارسل پیک کرتے ہیں تو اس پر سیل یعنی مہر لگا دی جاتی ہے کہ اب اس نہ ہی کچھ باہر آئے گا اور نہ ہی اس میں کچھ داخل ہوگا۔

اب اگر یہ بات مان لی جائے کہ ختم کے معنی مہر اور مہر کا مطلب ہے کہ سیل لگا دینا اب اس کے بعد نہ ہی اندر سے کچھ باہر آئے گا نہ ہی باہر سے کچھ اندر جا سکے گا تو یہ معنی بھی آپ سورت البقرۃ درج ذیل آیت میں کسی بھی صورت فٹ نہیں کر سکتے یعنی سورۃ البقرۃ کی درج ذیل آیت میں بھی یہی لفظ ختم استعمال ہوا ہے اور یہ آیت اس معنی کو کسی بھی صورت قبول نہیں کرتی بلکہ الٹا مسترد کر دیتی ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ. البقرۃ ۷

وہ لوگ جو دنیا پرست ہیں جو دنیاوی مال و متاع سے حب کرتے ہیں جو اصل میں مفسدون فی الارض ہیں لیکن ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں یعنی وہ ہر شئے کا صرف ظاہری پہلو دیکھتے ہیں اور جو باطنی پہلو ہے اسے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ انہیں نظر ہی نہیں آتا ان کے بارے میں اللہ نے کہا کہ ان کے دلوں پر اللہ نے فلٹر لگا دیا اور ان کے سننے پر یعنی جو کچھ بھی سنتے ہیں وہ فلٹر ہو کر ہی ان کے دماغوں میں جاتا ہے اور ان کے دیکھنے پر بھی فلٹر ہیں جو شئے فلٹر بنی ہوئی ہے ان کے لیے اس نے انہیں ہر طرف سے ڈھانپ رکھا ہوا ہے یعنی دنیاوی مال و متاع اس کے ظاہری فائدے، یہ ہر شئے کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دنیاوی مال و متاع کا ظاہری پہلو ان کے لیے فلٹر ہے جیسے کہ آج پوری دنیا میں دابۃ الارض دھندناتا پھر رہا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی دابۃ الارض نظر نہیں آ رہا بلکہ اس کے بالکل برعکس یہ فائدے کی اشیاء نظر آ رہی ہیں، یہ سہولتیں، آسانیاں، آسائشیں، ترقی و انسانیت کی خدمت نظر آ رہی ہے کیونکہ ان کے کانوں اور آنکھوں پر فلٹر لگے ہوئے ہیں ان کی خواہشات کے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت آپ کے سامنے ہے اب وہ لوگ جن کا کہنا ہے کہ ختم کے معنی مہر بمعنی آخری یا پھر براہ راست آخری کے ہیں ان کو چیلنج ہے کہ اگر وہ سچے ہیں تو قرآن کی اس آیت سے اپنے ان معنوں کی تصدیق کروا کر دکھائیں یعنی ان معنوں کو اس آیت میں فٹ کر کے دکھائیں اگر تو وہ اپنے معنوں کو اس آیت میں فٹ کر دیتے ہیں یہ آیت ان کے معنوں کو قبول کر لیتی ہے تو وہ سچے ہیں اور اگر یہ آیت ان کے کیے گئے معنوں کو قبول کرنے کی بجائے مسترد کر دیتی ہے تو ایسے لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیں وہ حق پر نہیں بلکہ باطل پر ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن کی یہ آیت کسی بھی صورت ان کے کسی بھی معنی کو قبول نہیں کرتی بلکہ الٹا مسترد کر دیتی ہے۔

دوسرا گروہ جو ختم کا ترجمہ مہر اور مہر کا معنی کرتا ہے کہ مہر سیل کو نہیں بلکہ تصدیق شدہ کو کہتے ہیں جس پر مہر لگی ہو صرف وہی آگے جا سکتا ہے جس پر مہر نہ لگی ہو وہ نہیں جا سکتا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ خواہ یہ معنی اصل معنی کے کتنا ہی قریب تر کیوں نہ ہو یہ حق نہیں ہے آپ اس معنی کو سورۃ البقرہ کی اس آیت میں لفظ ختم کو نہیں پہنا سکتے اس لیے ختم کے معنی خواہ آپ مہر کریں یا کچھ اور وہ قرآن کبھی بھی قبول نہیں کرے گا جب تک کہ آپ اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک نہیں کر دیتے اور آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے قرآن کو اپنی مرضی کے مطالب پہنا کر اپنی چاہتوں کے مطابق ڈھالنے سے باز نہیں آتے۔ آپ اس وقت تک حق کو نہیں پا سکتے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جب تک کہ آپ زبردستی اپنے مطالب و معنی قرآن کو پہنانے کی بجائے خود کو مکمل طور پر قرآن کے آگے جھکا نہیں دیتے، جب تک کہ آپ قرآن کو بدلنے کی بجائے خود کو بدلنے کی غرض سے قرآن کی طرف نہیں لپکتے۔

آپ نے خود دیکھ لیا کہ ختم کے جو بھی معنی کیے جاتے ہیں وہ اس آیت میں اس لفظ پر پورے نہیں اترتے قرآن انہیں قبول نہیں کرتا سوائے فلٹر کے۔ آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے ہی سوال کرتے ہیں کہ آیا ختم کے معنی آخری کے ہیں یا کچھ اور تو قرآن اس کا جواب بالکل کھول کر واضح کر دیتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن الحکیم ہے اس میں جو لفظ جہاں جس طرح استعمال کیا گیا اس میں رائی برابر بھی رد و بدل کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے مثلاً جب قرآن سے سوال کیا جائے کہ کیا ختم کے معنی آخری کے ہیں تو قرآن سورت البقرۃ کی درج ذیل آیت کو سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ‌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ. البقرۃ ۷

سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی وہی لفظ ختم کا استعمال ہوا ہے اگر کوئی کہتا ہے یا دعویٰ کرتا ہے کہ ختم کے معنی آخری کے ہیں یا پھر اس کے علاوہ کچھ اور ہیں تو پھر ایسے ہر شخص کو کھلم کھلا چیلنج ہے کہ پھر اس آیت میں بھی لفظ ختم کو آخری یا پھر جو بھی معنی وہ کرتا ہے وہ معنی پہنا کر دکھائے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے جو کہ ممکن ہی نہیں تو پھر ختم کے معنی آخری کے نہیں ہیں عربوں کی زبان عربی میں آخری کو ختم نہیں کہتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ختم کے معنی آخری کے نہیں تو پھر آخری کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ تو قرآن اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الحدید کی درج ذیل آیت سے بڑھ کر واضح اور کوئی آیت نہیں ہو سکتی جو بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ آخر کو عربوں کی زبان عربی میں کیا کہتے ہیں۔

هُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ. الحدید ۳

اس آیت میں اول کی ضد آخر آئی ہے جس سے کسی بھی قسم کا کوئی شک و شبہ یا ابہام پیچھے نہیں رہتا کہ عربوں کی زبان عربی میں آخر کو آخر ہی کہتے ہیں نہ کہ ختم اور پھر کون نہیں جانتا کہ اول کیا ہے اور آخر اول کی ضد ہے یعنی عربی میں آخر کو آخر ہی کہا جاتا ہے نہ کہ ختم۔

اب جب قرآن سے ہی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ عربوں کی زبان عربی میں آخر کو ختم نہیں بلکہ آخر ہی کہتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ختم کے معنی آخری کے کیوں کیے جاتے ہیں؟ آج تک ختم کے معنی آخری کے کیوں کیے جاتے رہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ ختم لفظ نہ صرف عربوں کی زبان عربی میں پایا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ فارسی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عربی میں جن معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے فارسی میں اس کے برعکس مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں ختم کے معنی ہیں آخری یعنی جس کے بعد کوئی نہیں۔ وہ لوگ جو قرآن کو اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کے مطابق ڈھالتے ہیں وہ لوگ دھوکا دیتے ہوئے عربی کے لفظ ختم کو فارسی کا لفظ ختم بنا کر پیش کرتے

ہیں حالانکہ یہ القرآن فارسی میں تو نہیں بلکہ یہ القرآن تو عربوں کی زبان عربی میں ہے۔
فارسی میں ختم آخری کو کہتے ہیں لیکن عربوں کی زبان عربی میں ختم آخر کو نہیں بلکہ فلٹر یعنی چھننی کو کہتے ہیں اب اس کے باوجود اگر کوئی ختم کے معنی آخر کے کرتا ہے تو پھر اس سے بڑا دھوکے باز، مکار، جاہل، جھوٹا اور دجال کوئی اور نہیں ہوسکتا جو عربی کے لفظ کو فارسی کا لفظ بنا کر پیش کرے۔ یوں آپ پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ ختم کے معنی آخری کیوں کیے جاتے ہیں جو کہ محض دھوکے اور لاعلمی و جہالت کے سوا کچھ نہیں۔
اب آپ پر ہر لحاظ سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ ختم فلٹر کو کہتے ہیں جسے اردو میں چھلنی یا چھننی کہتے ہیں۔قرآن میں جہاں جہاں بھی لفظ ختم کا استعمال ہوا ہے،ہم آپ کو نہ صرف دعوت دیتے ہیں بلکہ چیلنج کرتے ہیں کہ وہاں وہاں یہ معنی پیش کریں اگر قرآن کا کوئی ایک بھی مقام اس معنی کا رد کرتا ہے اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو ہم باطل ہوں گے لیکن آپ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ جب ختم عربوں کی زبان میں کہتے ہی فلٹر کو ہیں تو قرآن بھلا کیوں اس معنی کا رد کرے گا اسے قبول کرنے سے انکار کرے گا بلکہ قرآن کے تمام مقامات صرف اور صرف اسی معنی کو قبول کریں گے اور قرآن کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے قرآن بذات خود اس معنی کی تصدیق کر دیتا ہے کہ یہی حق ہے۔
آگے چل کر یہ بات بھی بالکل کھول کر واضح کر دیں گے کہ اسی قرآن میں اللہ کا حکم ہے کہ جو بھی حق کا دعویدار ہے جو بھی کوئی بات کرتا ہے تو اس کی بات کو اس قرآن پر پیش کرو جو تمہارے دو ہاتھوں کے درمیان ہے اگر تو وہ حق ہوا اس کی بات حق ہوئی تو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہوگی قرآن اس کی تصدیق کرے گا ورنہ اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق پر نہیں نہ ہی اس کی بات حق ہے بلکہ وہ باطل ہوگا اس کی بات بالکل بے بنیاد و باطل ہوگی۔اس لیے کوئی بھی ختم کا جو جی چاہے ترجمہ و معنی کرے اگر تو قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ حق ہے اور اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کن کا معنی قرآن قبول کر رہا ہے کس کے معنی کس کی بات کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اور کس کا رد۔
اپنے آباواجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے آج تک عظیم دھوکہ دیا جاتا رہا ختم جو کہ عربوں کی زبان کا لفظ ہے اسے فارسی کا لفظ بنا کر پیش کیا جاتا رہا کیونکہ ختم نہ صرف عربوں کی زبان کا لفظ ہے بلکہ فارسی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن دونوں کے معنی یکسر مختلف ہیں۔ فارسی میں ختم کے معنی ہیں آخر مگر عربوں کی زبان میں اس کے بالکل برعکس ختم کے معنی ہیں چھننی یعنی فلٹر۔

اب آتے ہیں اگلے لفظ النّبیّن کی طرف۔
اس کا ترجمہ نبیوں کی جمع کا کیا جاتا ہے اور پھر وہ نبی جو ماضی میں گزر چکے یا پھر سارے کے سارے نبی۔حقیقت کیا ہے آتے ہیں اس طرف۔ پورے قرآن میں اس حوالے سے مجموعی طور پر پانچ الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے ان میں پہلا لفظ ہے ''نبی'' دوسرا لفظ ''نبیٍ'' یعنی لفظ نبی کے نیچے دو زیریں، تیسرا لفظ ''انبیاء'' چوتھا لفظ ''نبیون'' اور پانچواں لفظ ''نبیّن'' آیا ہے۔
آپ پورے قرآن کو اٹھا کر دیکھ لیں پورے کے پورے قرآن میں ان پانچ کے علاوہ کوئی چھٹا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جب آپ ان کے تراجم و تفاسیر اٹھا کر دیکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کے تراجم و تفاسیر میں ایک لفظ ''نبی'' کے معنی ایک ہی نبی کے کیے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ باقی چاروں الفاظ کا ایک ہی ترجمہ کیا جاتا ہے نبی کی جمع۔ یعنی ان کے نزدیک ان پانچ میں سے ایک لفظ تو واحد کا صیغہ ہے اور باقی چاروں کے چاروں محض جمع کے صیغے ہیں۔
اب یہاں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں سب سے پہلی بات کہ کیا اللہ یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ دیکھو میرے پاس ایک ہی بات کے لیے کئی کئی الفاظ موجود ہیں؟ دوسری بات کہ ایک طرف تو اللہ خود کو العزیز الحکیم اور قرآن کو بھی الحکیم قرار دے رہا ہے اور دوسری طرف ایک ہی بات کے لیے چار چار مختلف الفاظ کا استعمال کرنا ،اتنے بڑے بڑے فرق نظر انداز کرنا کہاں کی حکمہ ہے؟ پھر اللہ اور قرآن کیسے الحکیم ہو سکتے ہیں؟ یہ فعل تو اللہ اور قرآن کے الحکیم ہونے کی نفی کر رہا ہے۔
تیسری بات یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی درج ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام کے تمام انسانوں سے کی جانے والی گفتگو کا ریکارڈ ہے آیات کی صورت میں یعنی اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے کلام یعنی گفتگو کی تاریخ ہے تو پھر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے چلو ایک لمحے کے لیے تمہاری بات مان لی کہ نبی آنا بند ہو گئے مگر جب نبی آرہے تھے تو اس وقت کے انسانوں سے اللہ نے ماضی کے انبیاء کی کوئی بات نہ کی؟ حال کے نبیوں کی کوئی بات نہ کی؟

مستقبل کے نبیّن کی کوئی بات نہ کی؟ اگر کی تو پھر قرآن میں اس کی تاریخ دکھاؤ کہاں لکھا ہے؟ اور اگر کی تو ماضی کے انبیاء کا ذکر کس طرح کیا، حال والے نبیوں کا ذکر کن الفاظ سے کیا اور مستقبل والے نبیّن کے بارے میں جب کوئی خبر دی تو ان کا ذکر کیسے کیا؟ ماضی، حال اور مستقبل کے جو نبی تھے ان کی پہچان کیسے ہو گی؟

یہ بات جان لیں اور پیچھے بھی آپ جان چکے کہ اللہ نہ صرف الحکیم ہے بلکہ العزیز الحکیم ہے اور اس کا کلام قرآن بھی الحکیم ہے مطلب کہ اس قرآن میں جو جو لفظ بھی استعمال کیا گیا وہی استعمال کیا گیا جو استعمال کرنا تھا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں، اگر کہیں پر رائی برابر بھی فرق رکھا گیا تو وہ فرق لازم تھا، اس قرآن میں جو جو جیسا جیسا جہاں جہاں جیسے جیسے جتنا جتنا استعمال کیا گیا اس میں رائی برابر تبدیلی کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا، آپ زبر کو زیر اور زیر کو زبر نہیں بنا سکتے اگر آپ نے کہیں پر بھی کسی فرق کو نظر انداز کیا تو اس کا مطلب کہ آپ زبان سے لاکھ اللہ کو الحکیم کہو اللہ کو سبحان کہو اللہ کے لیے الحمد کہو مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے عمل سے اللہ کے الحکیم ہونے کا کفر کر رہے ہیں انکار کر رہے ہیں اللہ کے سبحان ہونے کا انکار کر رہے ہیں اللہ کے لیے الحمد کا انکار کر رہے ہیں۔ اگر آپ اللہ کو الحکیم تسلیم کرتے ہیں تو آپ پر لازم ہے کہ آپ رائی برابر فرق کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، جو فرق بھی رکھا گیا جو ترتیب رکھی گئی آپ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے جب تک اس کو جان نہیں لیتے تب تک آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔

جب آپ جان چکے کہ قرآن الحکیم ہے تو کیسے ممکن ہے کہ پانچ مختلف الفاظ ہوں، نہ کہ معمولی فرق بلکہ غیر معمولی فرق کیساتھ مختلف الفاظ اور ان میں سے ایک کے علاوہ باقی سب کا معنی یا ترجمہ ایک ہی ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے؟

اللہ العزیز الحکیم ہے اس نے کہیں رائی برابر بھی فرق رکھا تو وہ فرق لازم تھا آپ اسے کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے یہاں تو یہ پانچوں بالکل مختلف الفاظ ہیں۔

اب آتے ہیں ان پانچوں الفاظ کی طرف اور ہر پہلو سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کسی بھی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے۔ نبی، نبیٍ، انبیا، نبیون، نبیّن۔

سب سے پہلے لفظ نبی کی وضاحت کرتے ہیں کہ لفظ نبی کے معنی کیا ہیں اور نبی کا مقصد کیا ہے؟

جب ہمیں ان الفاظ کے جوابات مل جائیں گے تو حق کو سمجھنا بالکل آسان ہو جائے گا آپ کسی کے بھی فریب کا شکار نہیں ہوں گے۔

نبی: یہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے '' نَبَ اور ی ''

'' نَبَ '' عربی میں کہتے ہیں اس علم کو جو صرف اور صرف اس ایک کے پاس ہے جو خالق و مالک ہے یعنی اللہ، ایشور اس ایک کے علاوہ کسی کے بھی پاس نہیں اور وہ علم دوسروں کو دیا جائے جسے آپ اردو میں خبر کہتے ہیں لیکن یہ بات جان لیں کہ خبر عربی کا بھی لفظ ہے اور عربی میں خبر کہتے ہیں اس علم کو جو آپ یا آپ کے علاوہ اور کسی کے بھی پاس ہے مگر جن کے پاس نہیں ان کے لیے وہ علم اس وقت خبر کہلاتا ہے جب ان کے پاس وہ علم آجاتا ہے۔ مگر نبا کے معنی ہیں وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جب وہ علم اللہ انسانوں کو دیتا ہے ان پر ظاہر کرتا ہے تو وہ نبا کہلاتا ہے۔

نَبَ کا اگلا لفظ جو کہ ایک حرف ہے وہ ہے ''ی'' اور ''ی'' عربی میں خودی یا اپنے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ربّ اور ربی یعنی میرا ربّ۔ یعنی اگر ''ی'' کسی لفظ کے شروع یا آخر میں استعمال ہوتا ہے تو خودی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

نَبَ وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور لفظ نبی، اللہ کہہ رہا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ علم کیا ہے جو میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ علم کیا ہے؟ تو اس کا جواب بہت ہی آسان ہے ذرا آپ غور کریں کیا آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے سامنے یہ سوال آیا ہو کہ آپ کون ہیں؟ آپ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ اس دنیا میں کہاں سے آئے؟ آپ کا اول کیا ہے آخر کیا ہے؟ آخر آپ اس دنیا میں کیوں آئے کیسے آئے یا اگر بھیجے گئے تو کیوں اور کیسے کس نے اور کس مقصد کے لیے بھیجا؟

آپ جب اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتے ہیں تو کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے یہاں تک کہ آپ کچھ بھی بناتے ہیں خرید کر لاتے ہیں تو اس کا ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے تو پھر آپ کیا بغیر کسی مقصد کے وجود میں لائے گئے؟ جب نہیں تو آخر وہ مقصد کیا ہے؟

یہ ایسا سوال ہے جو زندگی میں کئی مواقع پر ہر کسی کے سامنے آتا ہے۔ جس میں ذرا سی بھی عقل ہے اس کے دل ودماغ میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہے اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ ایسے ہی بے مقصد وجود میں آ گیا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں ایسا سوال کبھی سامنے نہیں آیا ایسا سوال کبھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بالکل جھوٹ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوال تو کئی مواقع پر سامنے آتا ہے لیکن آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے آپ کی توجہ باقی اِدھر اُدھر کے معاملات میں ہونے کی وجہ سے وہ سوال نظر انداز ہو کر پھر اوجھل ہو جاتا ہے گویا کہ کبھی سامنے آیا ہی نہ ہو۔

اس کے باوجود ہم یہ سوال آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ ہاتھ ہے اور پھر یہ پوچھا جائے کہ کس کا ہے تو آپ جواب دیں گے کہ میرا ہے اسی طرح آپ کے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ جواب دیں گے کہ میرا ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ کے ہاتھ میں آپ کی کتاب پکڑ کر یا کوئی شئے پکڑ کر آپ سے پوچھا جائے کہ کس کی ہے تو آپ کہیں گے میری جس کا مطلب کہ آپ الگ ہو اور وہ شئے الگ ہے۔

جب آپ نے کہا یہ جسم میرا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آپ الگ ہو آپ کوئی اور ہو اور یہ جسم الگ ہے یہ جسم آپ نہیں ہو آپ کوئی اور ہو جو کہہ رہا ہے کہ یہ جسم میرا ہے۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ وہ جو میرا میرا کر رہا ہے وہ میں کون ہے؟ آپ کون ہو؟

کیا آپ کے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

جب آپ کو اس سوال کا جواب ملے گا تو تب اس کے بعد آپ پر واضح ہوگا کہ آپ اس دنیا میں کیوں آئے ہو آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے یا آپ کیوں بھیجے گئے ہو آپ کے بھیجے جانے کا مقصد کیا ہے۔ تو یہی وہ نبا ہے جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ صرف اور صرف میں ہی ہوں جو تمہیں بتا سکتا ہوں، ان تمام سوالات کے جوابات یہ سارا علم میں ہی تمہیں دے سکتا ہوں میں ہی تمہاری راہنمائی کر سکتا ہوں۔

نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہے میں ہوں تمہیں یہ سب نبا دینے والا یعنی یہ سب علم تم پر واضح کرنے والا جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

تم کون ہو، کیا ہو، کہاں سے آئے ہو، تمہارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اسے پورا کیسے کرنا ہے، کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا، کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا، کیسے کھانا ہے اور کیسے نہیں کھانا، کیسے اٹھنا ہے، کیسے بیٹھنا ہے، کون دشمن ہے اور کون دوست ہے، کیا کرنا کیا نہیں کرنا، دنیا و آخرت میں بلند مقام کیسے حاصل ہوتا ہے اور کیسے ذلت میں گرا دیا جاتا ہے یعنی یہ تمام کی تمام راہنمائی میں کر رہا ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کس طرح یہ علم دیتا ہے اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ انہیں میں سے کسی بشر کا انتخاب کرتا ہے اور اس کے ذریعے نبا دیتا ہے جسے رسول کہا گیا۔ یعنی رسول، اللہ کی زبان ہوتی ہے رسول جو بشری وجود ہوتا ہے وہ محض ایک آلہ ہوتا ہے انسانوں سے خطاب کا، اس آلے میں یعنی اس بشر میں اللہ بول رہا ہوتا ہے اللہ نبا دے رہا ہوتا ہے۔

نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس بشر کے ذریعے میں تمہیں نبا دے رہا ہوں تم پر تمہاری حقیقت تمہارے دنیا میں بھیجا جانے کا مقصد واضح کر رہا ہوں تم نے کیا کرنا ہے کیا نہیں اور کیسے کرنا ہے یہ سب میں تم پر واضح کر رہا ہوں دنیا میں زندگی گزارنے کی راہنمائی میں کر رہا ہوں۔

اس کے علاوہ ایک دوسرے پہلو سے بھی یہ بات جان لیں۔ جب آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہیں تو آپ کہیں گے کہ انسان۔

کیا کبھی آپ نے غور کیا لفظ انسان کے معنی کیا ہیں انسان کسے کہتے ہیں انسان کیا ہے؟

لفظ انسان کے معنی ہیں خود اپنے ہی آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا یعنی وہ جو اپنی ہی ذات کو بھول چکا ہے اور جسے وہ اپنا آپ سمجھ رہا ہے وہ اس کی ذات نہیں ہے۔

لفظ انسان کو گرائمر کی رو سے بھی دیکھ لیں۔ ”انسان“ یہ لفظ چار الفاظ کے مجموعے سے وجود میں آیا ہے ”ا، نس، ا، ن“

عربی کا اصول ہے کہ الف اگر شروع میں استعمال ہوتو لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے آخر میں استعمال ہوتو ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں استعمال ہوتو اسے فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں استعمال ہوتو اس میں کسی کا بھی استثنیٰ ختم کر دیتا ہے یعنی کُل کا کُل بنا دیتا ہے۔
اس لفظ کے شروع میں الف آتا ہے جو کہ آگے آنے والے لفظ کو بات کو سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ ہے ''نس'' جس کے معنی ہیں ایسے بھول جانے کے جیسے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو جو بھول گئے۔ اسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے مثلاً آپ نے اپنی پیدائش سے لیکر ۲، ۳ سال تک کی جو عمر گزاری اس میں آپ نے بہت کچھ کیا لیکن اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو اس وقت کے بارے میں آپ کو کچھ یاد ہے دو، تین سال کی عمر تک کا کوئی واقعہ سنائیں تو آپ کو کچھ یاد نہیں آپ اس طرح بھول چکے ہیں جیسے کہ وہ وقت کبھی آیا ہی نہیں۔
حالانکہ یہ اٹل حقیقت ہے کہ آپ پر ایسا وقت گزر چکا ہے مگر آپ بھول چکے ہیں اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔
اب ان دونوں الفاظ کو ملائیں تو لفظ بنے گا ''انس'' جس کے معنی بنیں گے کیا ہے جو اس طرح بھولا ہوا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو؟
اب آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ الف اگر آخر کی طرف درمیان میں آجائے تو کُل کا کُل بنا دیتا ہے اس میں کسی کا بھی استثنیٰ ختم کر دیتا ہے تو آگے آجاتا ہے ''الف'' جس کے معنی بنیں گے سب کا سب مکمل طور پر بھول چکے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے جو سب کا سب مکمل طور پر بھول چکے؟ تو آگے لفظ آجاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم، یعنی اپنی ہی ذات ''اللہ''۔
اب آئیں اس پورے لفظ کی طرف کے اس کے معنی کیا بنیں گے۔ ''انسان'' کیا ہے جو سب کا سب مکمل طور پر اس طرح بھول چکے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو وہ اپنی ہی ذات ہے جسے پورے کا پورا مکمل طور پر بھول چکے اپنی ہی ذات کا رائی برابر بھی کچھ یاد نہیں رہا۔ اور وہ اپنی ذات کیا ہے یہ الگ موضوع ہے لیکن اتنا جان لیں کہ ''ن'' کے معنی جب ہم کیے جاتے ہیں تو یہ اللہ اپنے لیے استعمال کرتا ہے یعنی ''ن'' اللہ کی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
پیچھے کہا تھا کہ اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہو تو آپ کہتے ہیں کہ آپ انسان ہو جس کا مطلب کہ آپ کون ہو آپ کو اس کا علم ہی نہیں آپ اپنی ہی ذات کو مکمل طور پر بھول چکے ہوئے ہو جیسا کہ پیچھے یہ بات بہت ہی آسان الفاظ اور مثال سے واضح ہو چکی۔
آپ کے اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے جب پورے جسم کے بارے میں پوچھا کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ نے کہا میرا جسم ہے جس کا مطلب یہ جسم آپ نہیں ہو بلکہ یہ جسم آپ کا ہے آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ تو جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کون ہو یعنی وہ جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے وہ کون ہے تو آپ کے پاس اپنی ہی ذات کے بارے میں کوئی جواب نہیں آپ اپنی ہی ذات کو بھول چکے ہو کہ آپ کیا ہو۔ اسی کو عربی کے ایک لفظی جملے میں بیان کیا جائے تو وہ ہے لفظ انسان۔

اب آپ خود غور کریں جو خود اپنی ہی ذات کو بھول چکا ہے جسے اپنی ہی ذات کا علم نہ ہو اسے یہ کیسے علم ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور وہ مقصد کیسے پورا ہوگا؟ اور کس کو علم ہے کہ آپ کون ہو؟ کون ہے جو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کون ہو؟
ذرا غور کریں کیا اس کے سوا کوئی ہو سکتا ہے جو بھولا ہوا نہ ہو؟ یعنی جسے سب علم ہو کچھ بھی بھولا ہوا نہ ہو۔ تو جو بھولا ہوا نہیں ہے وہ کون ہے؟ وہ اللہ ہے۔ اور اگر آپ کو علم نہیں تو جان لیں کہ لفظ انسان لفظ اللہ کی ضد ہے اسی کا ذکر قرآن کی سورت الحشر میں کیا گیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. الحشر ۱۹
اور نہ کرو یہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو یہ تم ہو رہے ہو بالکل ان لوگوں کی طرح جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں اللہ تھا جسے بھول چکے تھے جسے یاد کرنا تھا پس بھولے کے بھولے ہی رہ گئے خود اپنی ہی ذات کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس وقت موجود ہیں فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ کی بات کو حق کو بدل رہے ہیں اور ظاہر ہے جب بات کو بدل دیا جائے گا اس میں ملاوٹ کر دی جائے گی تو حق کیسے مل سکتا ہے ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟
اس آیت کے شروع میں جسے بھولے ہوئے ہیں اسے یاد کرنے کا کہا گیا اور بالکل دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ اللہ تھا جسے بھولے ہوئے ہو اور پھر ساتھ ہی

آ گے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر تم بھولے کے بھولے ہی رہ جاتے ہو تو تم خود اپنی ہی ذات کو بھولے کے بھولے ہی رہ گئے یعنی اپنی ہی ذات اللہ ہے اپنی حقیقت اللہ ہے نہ کہ کچھ اور۔ اور جو اپنی ہی ذات کو یاد کر لے تو ظاہر ہے وہ انسان نہیں پھر اللہ کا وجود ہے وہ ظاہر و باطن میں اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا وجود اور پھر اللہ اپنا کام کرتا ہے۔ وہ بشر تو ہے تمہاری ہی مثل لیکن وہ انسان نہیں ہے بلکہ اللہ ہے یوں اللہ اس کی صورت میں انسانوں کی راہنمائی کرے گا یعنی ان میں انہیں سے اس بشر کی صورت میں اللہ انسانوں کی راہنمائی کر رہا ہوتا ہے وہ علم دے رہا ہوتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جسے عربوں کی زبان میں نبی کہتے ہیں۔

اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ آپ کیا بھولے ہوئے ہو اور یہی اللہ کہہ رہا ہے جو کہ لفظ نبی ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ آپ کیا بھولے ہوئے ہو میں تمہیں نبا دیتا ہوں میں تمہیں نبا دے رہا ہوں جیسے میرا قانون ہے۔ تم انسان چونکہ بشر ہو تو تمہی میں سے کسی بشر کا انتخاب کرتا ہوں جیسے میرا قانون ہے اس بشر کے ذریعے میں تم سے کلام کر رہا ہوتا ہوں میں ہوتا ہوں جو اس بشر کی صورت میں تم پر حقیقت واضح کر رہا ہوتا ہے اس بشر میں میں بول رہا ہوتا ہوں اور عربی میں ایک لفظ اس بات کا احاطہ کرتا ہے اور وہ ہے لفظ نبی۔

اب آتے ہیں لفظ نبی سے متعلق ان پانچ الفاظ کی طرف جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔

نبی، نبیٍ، انبیا، نبیون اور نبیّن۔

ان میں پہلا لفظ ہے نبی جو کہ واحد کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں نبی۔

اگلا لفظ ہے نبی کے نیچے دو زیریں ''نبیٍ'' عربی کا اصول ہے کہ زیر کو جر کہتے ہیں، جر کہتے ہیں آگے بہنے کو یعنی مستقبل میں جانے کو، اس لیے جب بھی کسی لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر آئے تو وہ مستقبل کا صیغہ بن جاتا ہے۔ اور دو زیریں آ جائیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے جتنا آگے جایا جا سکتا ہے اب یہ اس لفظ پر منحصر ہے کہ اس کا آگے جانا کیا ہے؟ مثلاً جیسے ایک عربی میں لکھا جائے گا تو واحد لکھا جائے گا اور اگر واحد کی ''دْ'' کے نیچے دو زیریں آ جائیں تو یہ بن جائے گا ''واحدٍ'' واحد کے معنی ہیں اور ایک، واحدٍ کے معنی بنیں گے واحد جتنا آگے جا سکتا ہے جیسے کہ واحد یعنی اور ایک آگے جائے گا تو اور ایک یعنی دو آگے جائے گا تو اور ایک یعنی تین اسی طرح اور ایک، اور ایک کرتے کرتے جتنا آگے جا سکتا ہے۔

اور اس کے برعکس زبر زیر کی ضد ہے زیر آگے بہنے کو کہتے ہیں تو زبر پیچھے یعنی ماضی میں جانے کو، اور اگر دو زبریں آ جائیں تو جتنا پیچھے سے پیچھے جایا جا سکتا ہے جیسے واحدً اور ایک اس کے پیچھے نہیں جایا جا سکتا کیونکہ یہیں سے ایک کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے واحدً کا معنی صرف اور صرف اور ایک ہی بنے گا جس کا مطلب ہے یہی ایک جس کا ذکر کیا جا رہا ہے البتہ یہ اور ایک ہے یعنی اس کے علاوہ اور ایک بھی ہیں مگر یہاں صرف اسی ایک کی بات ہو رہی ہے۔

یہاں لفظ نبی کے آخری حرف کے نیچے دو زیریں ہیں ''نبیٍ'' جس کا مطلب کے لفظ نبی جتنا آگے جا سکتا ہے جس کے معنی بنیں گے اول تا آخر تمام کے تمام نبی یعنی کُل کے کُل نبی۔

اور جب آپ قرآن میں دیکھیں تو قرآن بذات خود ہر لفظ کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ رہے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ . آل عمران ۱۴۶

اور جتنے بھی نبی ہیں یعنی تمام کے تمام نبی ان میں سے بہت سے نبی جو اپنے اپنے وقت میں گزر چکے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ .آل عمران ۱۶۱

اور نہیں تھا کسی بھی نبی کے لیے یعنی تمام کے تمام نبی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا . الاعراف ۹۴

اور نہیں بھیجا ہم نے تمام کی تمام قریہ میں جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر یعنی جتنے بھی نبی ہیں تمام کے تمام کو ہر قریہ میں بھیجا۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ. الانفال۶۷
نہیں تھا کسی بھی نبی کے لیے یعنی تمام کے تمام نبی۔
وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا ۔ الحج ۵۲
اورنہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اور جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی بھی نبی مگر یعنی ہر رسول اور ہر نبی کو بھیجا۔
وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ۔الزخرف ۶
اور بالکل اسی طرح جیسے تجھے بھیجا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کو اسی طرح بھیجا الاولین میں۔
وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا ۔الزخرف ۷
اورنہیں آیا ان کے پاس جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی بھی نبی مگر یعنی تمام کے تمام نبی ان کے پاس آئے۔

ان تمام آیات میں کُل کے کُل نبیوں کا ذکر کیا گیا اور ہر آیت میں آپ کو یہی لفظ ملے گا نبیٍ۔ لفظ نبی کی ''ی'' کے نیچے دو زیروں کا استعمال کیا گیا جس سے لفظ نبی واحد سے جمع کا صیغہ نبیٍ بن گیا۔ نبیٍ کُل نبی۔
آپ نے دیکھا کہ کس طرح قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے قرآن نہ صرف اپنی وضاحت خود کرتا ہے بلکہ وہ ہر بات کو ہر پہلو سے پھیر پھیر کر سامنے لاتا ہے جہاں قرآن نے مختلف مقامات پر ایک پہلو سے یہ بات سامنے لا رکھی کہ نبیوں کی جمع کے لیے لفظ نبیٍ ہے تو وہیں مزید مقامات پر اسی بات کو ایک دوسرے پہلو سے بالکل کھول کر سامنے رکھ دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔
وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ ۔ الانعام ۱۱۲
اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کے لیے دشمن شیاطین انس و جن کو۔
وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ. الفرقان ۳۱
اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کے لیے دشمن مجرمین سے۔

ان آیات میں لفظ نبیٍ کے پیچھے کل کا لفظ استعمال کیا گیا جو لفظ نبیٍ کی غیر معمولی طریقے سے وضاحت کر دیتا ہے کہ نبیٍ کے معنی ہیں کُل کے کُل نبی یعنی لفظ نبیٍ جمع ہے لفظ نبی کی۔
یہاں تک دو الفاظ بالکل کھل کر واضح ہو چکے ہیں پہلا لفظ ''نبی'' واحد کا صیغہ ہے یعنی نبی اور دوسرا لفظ ''نبیٍ'' جمع کا صیغہ ہے کُل کے کُل نبی۔
اب پیچھے رہ جاتے ہیں تین الفاظ انبیا، نبیون، نبیّن۔
جب قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی لکھا ہوا ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے ہونے والی گفتگو کی تاریخ آیات کی صورت میں لکھی ہوئی ہے اور انسانوں کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہیں ماضی، حال اور مستقبل تو پھر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی کہ یہ تینوں الفاظ ماضی، حال اور مستقبل کے صیغے ہیں۔
اب آپ خود ذرا غور کریں جب اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے تو کیا اللہ انسانوں پر ماضی حال اور مستقبل کا فرق واضح نہیں کرتا؟ جب اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے تو کیا وہ ماضی حال و مستقبل کو مدنظر نہیں رکھے گا؟ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے وقت جب اللہ اس وقت کے انسانوں سے کلام کر رہا تھا تو اس وقت ان کو ماضی کے انبیاء کی بات بتانا مقصود ہوتی تو کیا اللہ انہیں یہ نہ بتاتا کہ یہ ماضی کے انبیاء کی بات ہے اور حال والوں کی بات کرنا مقصود ہوتی تو کیا یہ نہ بتاتا کہ یہ حال والے نبیوں کی بات کی جا رہی ہے اور اسی طرح اگر مستقبل والوں کی بات کرنا مقصود ہوتا تو کیا یہ نہ واضح کرتا کہ یہ مستقبل والے نبیّن کی بات کی جا رہی ہے؟ انسان کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہے ماضی، حال اور مستقبل اور پھر پیچھے تین ہی الفاظ بچتے ہیں تو اندھوں کو بھی نظر آ رہا ہے کہ ان میں سے ایک ماضی کے

انبیاء کا ذکر کیا جا رہا ہے ایک حال کے نبیوں کا اور ایک مستقبل کے نبیّن کا۔
قرآن خود اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ان میں سے ماضی والے انبیاء کے لیے کون سا لفظ ہے، حال والوں کے لیے کون سا اور مستقبل کے نبیّن کے لیے کون سا لفظ استعمال کیا گیا۔
قرآن سے ان تینوں الفاظ کی وضاحت سے پہلے عربی گرائمر کی رو سے ان الفاظ کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں اس کے بعد قرآن سے ان کی وضاحت کریں گے۔
ان میں پہلا لفظ آجاتا ہے انبیاء جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' ہے دوسرا لفظ ''نبی'' اور تیسرا لفظ بھی ایک حرف ''الف'' ہے۔ جب بھی الف کسی لفظ کے شروع میں استعمال ہوتا ہے تو الف اس کو اس طرز پر سوالیہ بنا دیتا ہے کہ جواب اس کے آگے ہی موجود ہوتا ہے یعنی لفظ کے شروع میں الف نہ صرف آگے آنے والے لفظ کو سوالیہ بناتا ہے بلکہ اگلے ہی لفظ میں اس کا جواب بھی موجود ہوتا ہے مثلاً اسے ایک مثال سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں اللہ اکبر۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔
اللہ اکبر میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔
اللہُ۔ اللہ کی ہ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہُ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے۔ اکبر۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' اور دوسرا لفظ ''کبر'' ہے۔ ''کبر'' کی ضد ''صغر'' ہے جس کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور ''کبر'' کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں ''الف'' اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔ اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے بڑا تو درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں؟ نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود، ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔
آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اگر الف کسی بھی لفظ کے شروع میں استعمال ہو تو نہ صرف الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ اگلے ہی لفظ میں اس سوال کا جواب بھی موجود ہوتا ہے۔ انبیاء میں الف کے بعد لفظ ''نبی'' کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی پیچھے واضح کیے جا چکے اب الف اور نبی کو جمع کیا جائے تو لفظ وجود میں آئے گا ''انبی'' جس کے معنی بن جائیں گے کون سا نبی، کیا نبی، کیسا نبی وغیرہ اس لفظ کے آخر میں الف کا استعمال اسی سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ الف کسی بھی لفظ کے آخر میں استعمال ہونے سے وہ لفظ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یوں لفظ انبیا کے معنی بنتے ہیں وہ نبی جو ماضی میں گزر چکے۔ اب جب غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ماضی میں کوئی ایک نہیں بلکہ بہت سے نبی گزر چکے ہیں جس کے لیے الف کو بیک وقت آخر اور آخر کی طرف درمیان میں لا کر ماضی کا صیغہ اور کُل کے کُل کا

مادہ لانے کے لیے آخر میں ''ء'' کا استعمال کیا گیا جس سے الف بیک وقت آخر میں اور آخر کی طرف درمیان میں آ جاتا ہے کیونکہ ''ء'' اپنے آپ میں لفظ نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک علامتی لفظ ہے جس سے انبیاء کے معنی بنیں گے وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے یعنی ماضی کے تمام کے تمام نبی۔

لفظ انبیا کے آخر میں اگر ''ء'' کا اضافہ کر دیا جائے تو الف اس لفظ کے آخر میں ہونے کیساتھ ساتھ درمیان میں بھی چلا جاتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں الف نہ صرف اس لفظ کے آخر میں بھی موجود ہے بلکہ ''ء'' کے استعمال سے درمیان میں بھی آ جاتا ہے جس سے لفظی جملہ بن جاتا ہے انبیاء۔
آپ نے جان لیا کہ الف اگر لفظ کے شروع میں استعمال ہوتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اگر آخر میں استعمال ہو تو اسے ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو اس میں کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا یعنی اس کے کُل کے کُل کا اظہار کرتا ہے۔
یوں لفظ انبیاء میں الف نہ صرف آخر میں آ کر اسے ماضی کا صیغہ بناتا ہے بلکہ ء کے استعمال سے الف بیک وقت درمیان میں بھی چلا جاتا ہے جو اس میں کس کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا یوں اس کے معنی بنیں گے وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے یعنی ماضی کے تمام کے تمام نبی۔
لفظ انبیاء کی وضاحت ہو چکی انبیاء کے معنی ہیں وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے اب آتے ہیں اگلے لفظ نبیون کی طرف۔ لفظ نبیون ایک جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''نبی، و، ن'' لفظ نبی کے معنی تو آپ پہلے ہی جان چکے ہیں آگے آ جاتا ہے ''وُ'' جس سے لفظ ''نبیوٗ'' بن جاتا ہے۔ کسی بھی لفظ کے آگے ''وُ'' کا استعمال حال کا صیغہ بنا دیتا ہے یوں لفظ ''نبیوٗ'' کے معنی بن جاتے ہیں وہ نبی جو حال میں موجود ہے یعنی حال والا نبی۔ اس کے آگے آ جاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ اپنا ذکر کر رہا ہے کہ جو حال والا نبی ہے یعنی جو نبا دے رہا ہے وہ اللہ ہے جو نبا دے رہا ہے۔
یوں لفظ ''نبیون'' جو کہ جملہ ہے بھی کھل کر واضح ہو گیا کہ نبیون کے معنی ہیں وہ نبی جو حال میں موجود ہیں حال والے نبی۔
اب جب کہ آپ نے جان لیا کہ انبیاء ماضی کے نبی اور نبیون حال والے نبی تو پھر پیچھے جو ایک لفظ بچا نبیّن جو کہ لامحالہ مستقبل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں آنے والے نبی یعنی مستقبل میں آنے والے نبی۔
یہ بھی تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''نبی، ی، ن'' لفظ نبی کی وضاحت پیچھے ہو چکی آگے آ جاتا ہے ''یّ'' جو کہ لفظ کے درمیان میں ہے جب بھی ''یّ'' کسی لفظ کے درمیان میں استعمال ہو اور وہ اس کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو ''یّ'' کے استعمال سے اس میں تسلسل یعنی دوام آ جاتا ہے جو اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتا ہے اور آگے آ جاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ اپنے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یوں عربی گرائمر کی رو سے لفظ نبیّن کے معنی بنتے ہیں مستقبل کے نبی یعنی آنے والے نبی، وہ نبی جو آگے آنے ہیں جو بعد میں آتے ہیں، بعد میں آنے والے نبی۔
آپ نے عربی گرائمر کی روشنی میں واضح طور پر جان لیا کہ قرآن میں استعمال ہونے والے ان پانچوں الفاظ میں سے ایک لفظ نبی واحد کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ایک نبی، دوسرا لفظ نبیٍ یعنی لفظ نبی کے نیچے دو زیریں جو اس میں پھیلاؤ لاتی ہیں جس سے یہ جمع کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی کُل کے کُل نبی۔ پیچھے رہ جاتے ہیں تین الفاظ ان میں پہلا انبیاء جس کے معنی ماضی کے نبی دوسرا لفظ نبیون جس کے معنی ہیں حال والے نبی اور تیسرا اور آخری لفظ ہے نبیّن جس کے معنی ہیں بعد میں آنے والے نبی یعنی مستقبل والے نبی۔

اب آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے ہی جان لیتے ہیں کہ ان تینوں الفاظ کے معنی کیا ہیں؟
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ .البقرة ۹۱
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. آل عمران ۱۱۲

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ. آل عمران ۱۸۱

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا. النساء ۱۵۵

قرآن میں مجموعی طور پر پانچ مقامات پر لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا ہے ان میں سے چار آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے قتل کیے جانے والے انبیاء کا ذکر کیا گیا جن کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا۔ ان چاروں آیات میں قتل کیے جانے والے انبیاء کو ماضی کے انبیاء کے طور پر پیش کر کے لفظ انبیاء کا استعمال یہ بات بالکل واضح کر دیتا ہے کہ انبیاء نہ تو تمام کے تمام نبیوں کو کہا جاتا ہے نہ ہی حال کے نبیوں کو اور نہ ہی مستقبل کے نبیّن کو بلکہ انبیاء ماضی میں گزر جانے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے اور پھر قرآن میں پانچویں مقام پر جہاں انبیاء لفظ کا استعمال ہوا وہ آیت بھی آپ کے سامنے ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. المائدہ ۲۰

اس آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ نے اپنی نعمت کیوں کی اس کی وجہ بیان کی گئی اور اس وقت یہ وجہ بیان کی گئی جب بنی اسرائیل ذلت و ہلاکت کا شکار تھے ذلیل و رسوا ہو رہے تھے تب ان پر واضح کیا گیا کہ ماضی میں جو تم پر اللہ نے اپنی نعمتیں کی تھیں ان کی وجہ ماضی میں تم میں آنے والے نبی تھے لیکن جب تم نے نبیوں کے آنے کا دروازہ ہی بند کر دیا تو یہ نتیجہ نکلا جو آج تم جس حال میں ہو۔ اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جہاں نہ صرف بالکل واضح الفاظ میں اس آیت میں ماضی کے انبیاء کا ذکر موجود ہے وہاں ان کے لیے انبیاء کا لفظ استعمال کیا گیا جس سے قرآن اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ ماضی میں گزر جانے والے انبیاء کو انبیاء کہا جاتا ہے۔

یہاں آیات کو کھول کر واضح نہیں کیا گیا نہ ہی آیات پر کوئی بات کی گئی اس کی وجہ ہمارا موضوع ہے موضوع کی مناسبت سے آیات کو سامنے رکھ کر بات کی گئی باقی آئندہ آگے چل کر اپنے موضوع کی مناسبت سے ان آیات کو ہر لحاظ سے بیّن کیا جائے گا یعنی انہیں ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کیا جائے گا۔

آپ نے جان لیا کہ ان پانچوں مقامات پر ماضی کے ہی انبیاء کا ذکر کیا گیا تو اس کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا اس کے برعکس باقی چار الفاظ میں سے یہاں کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور ایسا اسی لیے کیا گیا کیوں کہ قرآن الحکیم ہے جب بات ماضی کے انبیاء کی کی جا رہی ہے تو ظاہر ہے ماضی کے انبیاء کے لیے جو لفظ ہے وہی استعمال کیا جائے گا یوں قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. البقرة ۱۳۶

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. آل عمران ۸۴

قرآن میں مجموعی طور پر تین مقامات پر لفظ نبیون کا استعمال کیا گیا ان میں سے دو مقام آپ کے سامنے ہیں جن میں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسباط یعنی جو اسی طرح پے در پے بعد میں نبی آتے رہے یہاں تک کہ موسیٰ اور عیسیٰ کا ذکر ہے پھر عیسیٰ کے بعد والنبیون کا ذکر کیا گیا۔ اب یہاں سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود کو مسلمان کہلوانے والوں کے نزدیک تو عیسیٰ کے بعد صرف ایک ہی رسول و نبی تھے جو کہ محمد تھے تو پھر قرآن میں اللہ نے

یہاں پر انہی کے اصولوں کے مطابق جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا؟ کیونکہ ان کے نزدیک تو عیسیٰ کے بعد ایک ہی نبی ہے لیکن یہاں تو عیسیٰ کے بعد جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا آخرایسا کیوں؟ اگر خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی کے ہیں اور عیسیٰ نے کہا کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا اگر یہ سب سچ مان لیا جائے تو قرآن میں بہت بڑا تضاد سامنے آجاتا ہے ایک طرف عیسیٰ کے بعد صرف ایک ہی نبی نے آنا تھا اور دوسری طرف قرآن عیسیٰ کے بعد نبیون کا لفظ استعمال کر رہا ہے جو کہ ایک نہیں دو نہیں بلکہ دو سے زائد نبیوں کے لیے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے یوں تو قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر یہ قرآن تو غیر اللہ کی طرف سے ثابت ہو جاتا ہے۔

جب اپنے من گھڑت عقائد کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا جائے گا تو ظاہر ہے نتیجتاً پورا قرآن آپ کو اختلافات سے بھرپور ملے گا حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ ان آیات میں ابراہیم سے لیکر عیسیٰ تک پوری ترتیب کیساتھ نبیوں کا ذکر کیا گیا اور عیسیٰ کے بعد محمد کی بجائے والنبیون کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ عیسیٰ کو انجیل دی گئی اور انجیل کے بعد ھذا القرآن جو اپنے نزول کے وقت سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لیے راہنمائی کرنے والی ہے تو عیسیٰ کے بعد محمد سے لیکر الساعت کے قیام تک کا سارا وقت قرآن کے نزدیک حال کا وقت بن جاتا ہے یعنی محمد کی بعثت سے لیکر الساعت کے قیام تک ہر لمحہ ہی قرآن کے لیے حال کا وقت ہے تو جب یہ مدت ہر لمحہ قرآن کے نزدیک حال کا ہی وقت ہے تو ظاہر ہے اس دوران اگر نبیوں کا ذکر کیا جائے گا تو اس کے لیے حال کا ہی صیغہ استعمال ہوگا۔ اب یہاں جو بھی لفظ استعمال ہوتا ہے وہ صرف اور صرف حال کا ہی صیغہ ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان آیات میں لفظ نبیون کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں حال والے نبی۔

اسی طرح قرآن میں تیسرے مقام پر جہاں نبیون لفظ کا استعمال کیا گیا وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ. المائدہ ۴۴

اس آیت میں اللہ نے تورات میں جب تک ہدایت و نور تھا اس پورے وقت کو حال بناتے ہوئے اس دوران جتنے بھی نبی ہیں ان کا ذکر کیا جس کے لیے نبیون کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی اگر آپ ایک سو سال کی مدت کو بطور حال سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں تو اس سو سال کے دوران ہر واقعے کے لیے آپ حال کا ہی صیغہ استعمال کریں گے بالکل اسی طرح اللہ نے اس آیت میں تورات والی مدت کو جب تک کہ انجیل میں ہدایت و نور لازم نہیں ہو گیا اس پوری مدت کو بطور حال سامنے رکھتے ہوئے بات کی اور جب وہ پوری مدت بطور حال سامنے رکھی تو اس میں جتنے بھی نبی ہوں گے ان کے لیے حال کا ہی صیغہ استعمال کیا جا سکتا اس لیے یہاں جو لفظ استعمال ہوا اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اس کا معنی ہے حال والے نبی یعنی حال والے نبیوں کو نبیون کہا جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن نے اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے تین میں سے دو الفاظ انبیاء اور النبیون کی وضاحت کر دی اب پیچھے بچا صرف ایک لفظ النبیّن۔

اب نہ صرف پیچھے ایک ہی لفظ بچا بلکہ ایک ہی صیغہ بچا ہے اور وہ ہے مستقبل کا صیغہ جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ النبیّن مستقبل میں یعنی بعد میں آنے والے نبیّن کو کہا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم قرآن میں تیرہ آیات میں استعمال ہونے والے لفظ نبیّن میں سے کچھ آیات کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن میں لفظ النبیّن کا استعمال کیا گیا تا کہ لفظ النبیّن کے معنی کیا ہیں کسی بھی قسم کا کوئی شک و شبہ یا ابہام نہ رہے اور حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰۤـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤـئِكَ رَفِيۡقًا . النساء ۶۹

اس آیت میں النبیّن کو رسول کی اطاعت سے مشروط کر دیا کہ النبیّن انہیں میں سے ہوں گے جو رسول کی اطاعت کرنے والے ہوں گے یعنی دوٹوک الفاظ میں بالکل واضح یہ بات موجود ہے کہ رسول پہلے ہے اس کے بعد میں آنے والے نبی جو کہ رسول کی اطاعت سے ہی آ سکتے ہیں ان کے لیے لفظ النبیّن کا استعمال کیا گیا جس سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو۔ اسی طرح اگلی آیت میں

دیکھیں۔

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا. النساء ۱۶۳

اس آیت میں اللہ کا کہنا ہے اس میں کچھ شک نہیں ہم وحی کر رہے ہیں تیری طرف بالکل اسی طرح جیسے ہم وحی کر رہے تھے نوحؑ یعنی جو بہت سے نوح تھے ان کی طرف اور النبیّن کی طرف جو ان کے بعد تھے اور ہم وحی کرتے رہے ابراہیم کی طرف اور اسماعیل کی طرف اور اسحاق کی طرف اور یعقوب کی طرف اور اسباط یعنی پے در پے آنے والے نبیوں کی طرف اور عیسیٰ کی طرف اور ایوب کی طرف اور یونس کی طرف اور ہارون کی طرف اور سلیمان کی طرف اور دی تھی ہم نے داؤد کو زبور۔

اس آیت میں پہلے نوحؑ کی طرف وحی کرنے کا ذکر کیا گیا پھر نوحؑ کے بعد النبیّن اور پھر اس کیساتھ ہی من بعدہ کے الفاظ کا بھی استعمال کیا اور نوحؑ کے بعد والے نبیوں کے جب نام لیے گئے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن نبیوں کا یہاں نام لیکر ذکر کیا گیا کیا وہ نوحؑ سے پہلے والے نبی تھے؟ یا پھر نوح سے تو نبیوں کی ابتداء ہوئی تھی جتنے بھی نبی ہیں وہ نوح کے بعد ہی ہیں؟ جب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نوح پہلے نبی تھے اور اگر اس میں کوئی شک وشبہ ہو بھی تو جن کے نام لیے گئے وہ تو ہر کوئی جانتا ہے نوح کے بہت بعد میں ہی آئے تو پھر اس آیت میں لفظ النبیّن کے ساتھ ہی من بعدہ کے الفاظ کا استعمال کیوں کیا گیا؟

جب ہر کسی پر یہ واضح ہے کہ ابراہیم سے لیکر جن جن کے بھی نام لیے گئے وہ سب کے سب نوح کے بہت بعد میں ہی آئے تو پھر النبیّن کے ساتھ من بعدہ کے الفاظ کا استعمال صرف اور صرف اس لیے کیا گیا کیوں کہ قرآن اپنی وضاحت خود کر رہا ہے کہ النبیّن ان نبیوں کو کہتے ہیں جو بعد والے ہوتے ہیں۔ اس آیت میں نوح کے بعد والے نبیوں کا ذکر کیا گیا جس کے لیے نہ تو لفظ نبی کا استعمال کیا گیا نہ ہی انبیاء کا اور نہ ہی نبیون کا استعمال کیا گیا۔ جب قرآن الحکیم ہے تو جہاں بعد والے نبیوں کا ذکر کرنا مقصود ہے تو وہاں صرف اور صرف مستقبل کا صیغہ ہی استعمال کیا جا سکتا ہے نہ کہ کوئی اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور صیغہ استعمال کیا جاتا ہے تو قرآن الحکیم کیسے ہوسکتا ہے؟ نوح کے بعد والے نبیوں کا جب ذکر کیا جا رہا ہے تو اس کے لیے نبی، انبیاء یا نبیون کی بجائے لفظ النبیّن اسی لیے استعمال کیا کیوں کہ النبیّن بعد والے نبیوں کو ہی کہا جاتا ہے یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔ اور پھر ''وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ'' کے الفاظ لفظ نبیّن کی وضاحت کر رہے ہیں ورنہ تو ہر کوئی جانتا ہے جتنے بھی نبیوں کے نام لیے گئے وہ سب کے سب تو بعد میں ہی آئے۔ اس لیے یہاں ''وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ'' کے الفاظ لانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ قرآن اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے لفظ النبیّن کی وضاحت کر رہا ہے کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔

یوں آپ نے جان لیا کہ قرآن نے ہر لحاظ سے یہ بات واضح کر دی کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔

قرآن میں اللہ نے بات کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اللہ نے جب بھی بات کی تو پہلے ایک لائن لگائی جسے حال قرار دیا اس لائن سے پیچھے ماضی اور اس لائن سے آگے کو مستقبل قرار دیا پھر جب اللہ بات کرتا ہے تو اس لائن والے وقت کے لیے جو بھی بات کرتا ہے تو ایسے جیسے کہ ابھی حال کی بات ہو رہی ہے یوں اللہ اس کے لیے حال کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور اس لائن سے پیچھے کے لیے ماضی کا صیغہ اور آگے کے لیے مستقبل کا صیغہ۔ بالکل اسی طرح اللہ نے جب جب نبیوں کی بات کی تو پہلے ایک لائن لگائی جسے حال قرار دیا اس لائن والے وقت میں جب بھی نبیوں کی بات کی تو ان کے لیے النبیون کا لفظ استعمال کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ النبیون حال والے نبیوں کو کہا جاتا ہے اور جب بھی اس لائن سے پیچھے والے نبیوں کی بات کی تو اس کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء ماضی کے نبیوں کو کہا جاتا ہے پھر جب بھی اس لائن کے بعد والے نبیوں کی بات کی تو اس کے لیے النبیّن کا لفظ استعمال کیا جس سے کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے یوں تینوں الفاظ کی قرآن خود کھول کھول کر وضاحت کرتا ہے۔

اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اللہ العزیز الحکیم نہیں ہے؟ کیا یہ قرآن الحکیم نہیں ہے؟

جب اللہ العزیز الحکیم ہے تو اس کا کلام قرآن بھی الحکیم ہے یعنی اللہ نے اس قرآن میں جو جو الفاظ استعمال کیے جہاں جہاں استعمال کیے جہاں جہاں جو فرق بھی رکھا جو ترتیب رکھی اس میں رائی برابر بھی فرق یا تبدیلی نہیں کی جا سکتی اللہ نے جہاں بھی جو بھی فرق رکھا اگر اسے نظر انداز کیا جائے گا یا اس میں کہیں بھی ردو بدل کی جائے گی تو یہ اپنے عمل سے اللہ کے العزیز الحکیم ہونے کا کفر ہوگا۔

اب آپ خود بتائیں کیا آج تک ایسا ہوا کہ کسی ایک بھی مترجم ومفسر قرآن کے دعویدار نے اس فرق کو مدنظر رکھا ہو؟

کیا آج تک کسی نے بتایا کہ قرآن میں چار الگ الگ الفاظ ہیں اور اگر الگ الگ ہیں تو ظاہر ہے اللہ نے بغیر مقصد کے تو استعمال نہیں کیے اور پھر ان میں فرق کیا ہے کیا آج تک کسی نے واضح کیا؟ یا پھر تمام کے تمام مترجمین ومفسرین نے جہاں جہاں بھی یہ الفاظ آئے ان کا ایک ہی ترجمہ وتفسیر کی نبیوں کی جمع؟

کیا آج تک خود کو مترجم ومفسر قرآن کہلوانے والوں نے اللہ کے العزیز الحکیم ہونے کا کفر نہیں کیا؟

کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ دشمنی نہیں کی؟ یہ اللہ کیساتھ شرک عظیم نہیں ہے؟

یہی تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسی قرآن میں بار بار فاسق کہا ہے جو بات کو بدل دیتے ہیں جو اللہ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اللہ کے رکھے ہوئے فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جب آپ اللہ کی بات میں تبدیلی کریں گے اس میں فرق کو نظر انداز کریں گے تو ظاہر ہے آپ کسی بھی صورت اصل نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے آپ حق کو پا ہی نہیں سکتے اس کا نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔

ایسا کرنے والے مجرمین ہیں جن کے لیے اللہ کے قانون میں ہدایت ہے ہی نہیں حالانکہ وہ خود کو سب سے بڑے ہدایت یافتہ سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

ان کے ختم نبوت کے عقیدے کی بنیاد جن دو دلائل پر کھڑی تھی انہیں ہر لحاظ سے اکھاڑ کر رکھ دیا آپ نے جان لیا کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے باطل و بے بنیاد عقائد کو سچا ثابت کرنے کے لیے انہیں بنیاد فراہم کرنے کے لیے قرآن کیساتھ تراجم وتفاسیر کی صورت میں کھلواڑ کیا۔ یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ خاتم النبیّن کے معنی ہیں آنے والے تمام کے تمام نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول وخاتم النبیّن بعث نہیں کر دیا جاتا۔ محمد کے بعد جب تک کہ اگلا رسول نہیں آتا تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے ان میں سے صرف وہی اللہ کے رسول بن پائیں گے جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے جو محمد کے فلٹر سے نہیں نکلیں گے وہ اللہ کے ہاں نبی رسول نہیں بلکہ نبی کذاب کہلائیں گے وہ مجرمین ہوں گے جنہیں یہ حق نہیں تھا کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کی ذمہ داری اٹھالیں اس کے باوجود جب انہوں نے انسانوں کی راہنمائی کی ذمہ داری کو اٹھالیا تو ایسے تمام کے تمام نبیّن رسول نہیں بلکہ مجرمین شیاطین ہیں۔

اب آتے ہیں اس آیت کی مکمل وضاحت کی طرف اور اس آیت کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور پھر اس کے بعد جن روایات کو پیش کیا جاتا ہے اور ان کی بنیاد پر نعرے لگائے جاتے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور تیس کذاب ہوں گے وغیرہ ان روایات کی آڑ میں کس طرح دھوکا دیا جاتا رہا اس کو بھی ہر لحاظ سے آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

مَـا كَـانَ نہیں کیا تھا، یہاں یہ بات جان لیں کہ کان کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ کان ماضی کا صیغہ ہے جو کہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے کان اسی لفظ کی حالت ہے جس کی ایک حالت کن ہے اس کے علاوہ ایک حالت کونو اور ایک حالت کانو ہے۔ کان کے معنی ہیں جو بات قانون میں ہو چکی جیسے مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہو آپ اسے کوئی کام کہتے ہیں تو وہ آپ کو کہتا ہے کہ تمہارا کام ہو گیا حالانکہ ابھی وہ کام نہیں ہوا مطلب یہ کہ جب بادشاہ نے کہہ دیا ہو گیا تو سمجھو وہ ہو گیا قانون میں وہ ہو چکا اب بس وقت کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا وہ کام ہو جائے گا بالکل ایسے ہی ایک بات ایک کام جو قانون میں ہو چکا جو طے ہو چکا اس کے لیے لفظ کان کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ کا کہنا ہے کہ مَـا كَـانَ اللہ نے یہ بات قانون میں ہی نہیں کی اللہ نے یہ قانون میں کیا ہی نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کون سی بات کیا ہے جو اللہ نے

قانون میں کیا ہی نہیں تھا تو آگے اسی سوال کا جواب ہے مُحَمَّدٌ ''لفظ محمد کی د پر دو پیش ہیں دو پیش کیوں آتی ہیں اسے سمجھنے کے لیے پہلے پیش کو سمجھنا لازم ہے۔

زیر کو عربی میں جر کہتے ہیں اور جر کے معنی ہوتے ہیں آگے بہنے کے یعنی مستقبل میں جانے کے جب بھی زیر کا استعمال ہوتا ہے تو زیر اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتی ہے مثلاً لفظ رسول کی لام کے نیچے اگر زیر کا استعمال ہو تو یہ لفظ بن جائے گا رسولِ جس کے معنی بنیں گے آگے آنے والا رسول یعنی مستقبل کا رسول۔ جب آپ نے جان لیا کہ زیر کسے کہتے ہیں تو زیر کی ضد ہے زبر جب زیر سے مستقبل کا صیغہ بنتا ہے تو لامحالہ زبر سے ماضی کا صیغہ بنے گا یعنی جیسے زیر مستقبل میں آگے کو دھکیلتی ہے اسی طرح زبر پیچھے کو ماضی میں دھکیلتی ہے مثلاً اگر لفظ رسول کی لام پر زبر کا استعمال کیا جائے تو یہ لفظ بن جائے گا رسولَ جس کے معنی ہوں گے ماضی کا رسول یعنی وہ رسول جو گزر چکا۔ اب پیچھے رہ جاتی ہے پیش اور پیش بنتی ہے ''ہ'' اور ''زیر'' کو جمع کرنے سے، زیر کا تو آپ کو علم ہو چکا اور ''ہ'' کا استعمال ہوتا ہے کسی کی طرف اشارے کے لیے مثلاً آپ کسی شئے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ''ہ'' کا استعمال کیا جائے گا، جب ''ہ'' کسی شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے تو ظاہر ہے وہ شئے اپنا وجود رکھتی ہے اور ''ہ'' کیساتھ زیر جوڑنے سے یہ پیش بن جاتی ہے جس کے معنی بنتے ہیں جو موجود ہے وہ آگے کو جا رہی ہے یعنی وہ شئے جو نہ صرف موجود ہے بلکہ مسلسل آگے کو جا رہی ہے یعنی جسے آپ حال کہتے ہیں پیش کے استعمال سے حال کا صیغہ بن جاتا ہے مثلاً لفظ رسول کی لام پر پیش کا استعمال کیا جائے تو لفظ بن جائے گا رسولُ جس کے معنی بنیں گے وہ رسول جو موجود ہے آگے کو جا رہا ہے یعنی حال والا رسول جو موجود ہے۔

اب آتے ہیں دوزیر دوزبر اور دو پیش کی طرف۔

زیر تو آپ جان چکے ہیں آگے جانے کو کہتے ہیں اور دوزیر کے معنی ہوتے ہیں جتنا آگے جایا جا سکتا ہے جتنا پھیلاؤ آ سکتا ہے مثلاً لفظ رسول کو ہی لے لیں جب لفظ رسول کی لام کے نیچے دوزیریں آجائیں تو لفظ بن جائے گا رسولٍ جس کے معنی بنیں گے کہ لفظ رسول میں جتنا بھی پھیلاؤ آ سکتا ہے لفظ رسول جتنا بھی آگے بڑھ سکتا ہے جس کے معنی بنیں گے جتنے بھی رسول ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر دوزبر آجائیں تو آپ جان چکے ہیں کہ زبر کے معنی ہیں پیچھے جانا یعنی ماضی میں جانا اور دوزبر کے معنی ہوتے ہیں جتنا پیچھے جایا جا سکتا ہے جتنا سکڑ پن آ سکتا ہے مثلاً لفظ رسول کے لام پر دوزبریں آجائیں تو یہ لفظ بنے گا رسولً لیکن اسے یوں نہیں لکھا جائے گا بلکہ اس کے آخر میں الف کا استعمال کیا جائے گا جس سے یہ یوں لکھا جائے گا رسولاً جس کے معنی بنیں گے کہ لفظ رسول جتنے پیچھے سے پیچھے جا سکتا ہے یعنی لفظ رسول میں جتنا سکڑ پن آ سکتا ہے تو وہ ایک ہی رسول بنے گا یعنی ایک رسول۔

اب آتے ہیں دو پیش کی طرف، آپ جان چکے ہیں کہ پیش حال کا صیغہ بناتی ہے اور پیش ''ہ'' اور زیر کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے تو دو پیش یعنی ایک پیش پر الٹی پیش اس کے معنی کیا بنیں گے اسے بالکل آسان ترین الفاظ میں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ پیش ''ہ'' پلس زیر ''ہِ'' ''ہ'' شئے کی طرف اشارہ ہے اور زیر اس شئے کو آگے لے جا رہی ہے یعنی وہ شئے جو نہ صرف موجود ہے بلکہ آگے جا رہی ہے نہ کہ پیچھے، تو جتنا آگے جا سکتی ہے وہاں جا کر وہاں پر پھر الٹی پیش آجاتی ہے اور الٹی پیش ''ہ'' اور زبر کا مجموعہ ہے یعنی ایک شئے جو موجود ہے اور آگے جا رہی ہے جہاں تک وہ آگے جاتی ہے وہاں سے وہ پھر واپس پیچھے کو سفر کر رہی ہے یوں یہ کسی بھی شئے کی مکمل زندگی کی مدت کا تعین ہوتا ہے یعنی دو پیش کے معنی بنتے ہیں جب تک شئے موجود رہی کسی بھی شئے کی مکمل زندگی کی بات ہو رہی ہے اس مدت کی بات ہو رہی ہے جو اس کی مدت ہے جتنی مدت وہ موجود رہی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ''اس آیت میں لفظ محمد کی ''دٌ'' پر دو پیش ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب تک محمد دنیا میں موجود تھے اس پوری مدت کی بات ہو رہی ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ '' اللہ نے یہ قانون میں ہی نہیں کیا تھا کہ محمد جب تک دنیا میں موجود تھے اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ابا تھے تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی، رجال رجل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بالغ بااختیار مرد اور ابا کے معنی آپ پیچھے تفصیل کیساتھ جان چکے ہیں کہ ابا کہتے ہیں جس کی ملت پر چلا جائے جسے رول ماڈل بنانا ہے، اس نے کیسے زندگی گزاری کب کب کس کس موقع پر کیا کیا کیسے کیا بالکل ویسے ہی کرنا ہے۔

جو کچھ آج تک پھیلا دیا گیا لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیا گیا اس کی بنیاد پر یہ بات بہت تلخ ہے اور ہلا کر رکھ دینے والی ہے لیکن یہ حق ہے اور اللہ خود یہ کہہ رہا

ہے کہ محمد جب تک دنیا میں موجود تھے وہ تمہارے بااختیار مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے رول ماڈل نہیں تھے کسی ایک کو بھی یہ حکم نہیں دیا تھا کسی ایک کے لیے بھی یہ نہیں کیا تھا کہ محمد کی ملت پر چلنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر محمد کی ملت پر نہیں چلنا تھا محمد ابا نہیں تھے تو پھر ابا ہیں کون؟ کس کی ملت پر چلنا ہے کسے رول ماڈل بنانا ہے؟ اور پھر محمد تھے کیا؟ ان کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ تو اس کا جواب اللہ نے قرآن کے دوسرے مقام پر دے دیا۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے۔

آج آپ جانتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح جس طرح یہودیوں نے کہا کہ موسیٰ ہمارے ابا ہیں ہم موسیٰ کی ملت پر چلیں گے اور وہ اسی پر ڈٹ گئے انہوں نے ابا ابراہیم کو چھوڑ کر موسیٰ کو ابا بنالیا اور ان کے بعد عیسائیوں نے بھی وہی کیا کہ ابا ابراہیم کو ترک کر کے عیسیٰ ابن مریم کو اپنا ابا بنالیا اور اسی پر ڈٹ گئے بالکل اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو امت مسلمہ کہلوانے والوں نے بھی وہی کیا انہوں نے بھی یہی کیا کہ ہمارے ابا ابراہیم نہیں بلکہ محمد ہیں اور آج تک یہ محمد کو اپنا ابا بنائے ہوئے اسی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

اسی کی اللہ نے نفی کرتے ہوئے ان کے اس عقیدے ونظریے کا رد کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی کہ محمد تمہارے بالغ و بااختیار مردوں میں سے کسی کے ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے تمہارے لیے رول ماڈل ابراہیم تھے۔

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہمارے ابا محمد نہیں بلکہ محمد کے برعکس ابراہیم تھے محمد کی ملت پر چلنے کا کبھی بھی نہیں کہا گیا تو پھر محمد کیا تھے؟ کس بنیاد پر محمد کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا تھا؟ کس بنیاد پر اس وقت کے لوگوں نے جب محمد موجود تھے محمد کی اطاعت واتباع کی، محمد کو اپنا رول ماڈل بنایا یعنی محمد میں اپنے لیے اسوہ حسنہ اخذ کیا؟ کس بنیاد پر اس وقت لوگوں نے محمد کی ملت کی اتباع کی؟

تو ان تمام سوالات کا جواب بھی سورت الاحزاب کی اسی آیت میں آگے دیدیا گیا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اور لیکن رسول تھے اللہ کے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں ہونا لازم ہے کہ لفظ رسول کی لام پر زبر کا استعمال ہوا ہے جس کا معنی بنتا ہے وہ رسول جو ماضی کا حصہ بن گیا ماضی کا رسول گزرا ہوا رسول یعنی رسول تھے اب نہیں ہیں۔

اللہ نے یہاں یہ بات واضح کر دی کہ محمد رسول تھے اس لیے جب تک وہ موجود تھے تو محمد کی ملت نہیں بلکہ رسول کی ملت کی اتباع کی گئی رسول کو ابا بنایا گیا نہ کہ محمد کو، رسول کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ کیا گیا نہ کہ محمد کی ذات میں، اس وقت اگر محمد کی جگہ کوئی اور رسول ہوتا تو جو بھی رسول ہوتا تو رسول کی ملت کی اتباع کرنا تھی رسول کو ابا بنانا تھا نہ کہ اس شخص کو۔

کیونکہ جب آپ قرآن میں دیکھیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ نے صرف اور صرف ایک ہی شخص کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اس کے علاوہ کسی شخص کا نام نہیں لیا اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔ ابراہیم کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے امام بنا دیا اس کے علاوہ لفظ رسول کا استعمال کیا اور وہ اس لیے کہ جو بھی شخص رسول ہوتا ہے اس کی اپنی کوئی ملت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو محض ابراہیم کی ملت کیا ہے اس کو واضح کرتا ہے وہ تو خود ابراہیم کی ملت کی اتباع کر رہا ہوتا ہے، رسول کے ذریعے ہی تو انسانوں پر واضح کیا جاتا ہے کہ ابراہیم کی ملت کیا ہے اور اسی کو آپ قرآن کی درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ . الممتحنة ۴

اللہ نے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام ہمارے ابا ہیں یعنی وہ ہمارے لیے رول ماڈل ہیں ان کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے تو پھر ہم ان کو کس طرح رول ماڈل بنا سکتے ہیں کیونکہ رول ماڈل تو وہی ہوتا ہے جس کی زندگی آپ کے سامنے ہو اس نے زندگی گزاری تو کیسے گزاری تاکہ ہم بھی اسی کی طرح اپنی زندگی گزاریں وہ کیسے کھاتا تھا کیا کھاتا تھا کیسے اور کیا پیتا کب کون سا کام اور کیسے کرتا اس پر حق کیسے واضح ہوا وغیرہ لیکن ابراہیم کی تو ہزاروں سال قبل ہی وفات

ہو چکی ہمیں تو علم ہی نہیں کہ انہوں نے کیسے زندگی گزاری تو ہم ان کی ملت پر کیسے چل سکتے ہیں جب کہ نہ ہم نے انہیں دیکھا اور نہ ہی ہمیں ان کی زندگی کے بارے میں کچھ اتنا علم ہے؟ کیونکہ رول ماڈل یعنی ابا تو اسے ہی بنایا جا سکتا ہے جس کی زندگی آپ کے بالکل سامنے ہو جس کی زندگی کھلی کتاب ہو۔

تو اسی سوال کا جواب اللہ نے قرآن میں دے دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت کو دیکھ رہے ہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔ الممتحنۃ ۴

اللہ نے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

ہم جانتے ہیں کہ ابراہیم تو ہم میں موجود ہی نہیں نہ ہی ہم ان کے بارے میں اتنا جانتے ہیں تو پھر ابراہیم میں اپنے لیے اسوہ حسنہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے؟ جس میں اسوہ حسنہ اخذ کیا جائے وہ عربی میں ابا کہلاتا ہے تو ہم ابراہیم کو ابا کیسے بنا سکتے ہیں؟ تو اسی سوال کا اللہ نے ساتھ ہی جواب دے دیا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور ایسے جو اس کے ساتھ ہیں۔

ابراہیم میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنی ہے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا یعنی اپنے لیے رول ماڈل بنانا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ابراہیم تو موجود ہی نہیں ان کی ہزاروں سال پہلے وفات ہو چکی تو پھر ان کو ابا یعنی رول ماڈل کیسے بنایا جا سکتا ہے تو اسی کا اللہ نے ساتھ ہی آگے جواب دے دیا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور ان میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے انکی ملت پر چلنا ہے ان کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنی ہے جو ابراہیم کے ساتھ ہیں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہیں ان کی پہچان کیا ہے؟

تو آگے اللہ نے اسی سورت کی آیت نمبر ۶ میں ان کی وضاحت کر دی کہ وہ کون ہیں جن میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جن کے ذریعے تم پر واضح ہوگا کہ ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جائے گا ابراہیم کی ملت کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. الممتحنۃ ۶

تحقیق کہ یعنی ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل حق ہے تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کیونکہ یہ قدر میں کر دیا گیا تھا تمہارے لیے ان میں ہے اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر کی طرف رجوع کر رہا ہے اس کے لیے ان میں اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر تھا جس کی طرف رجوع کر رہا ہے اور جو پھر گیا پس اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو کچھ بھی موجود ہے وہ الغنی ہے الحمید ہے یعنی اگر تم رجوع نہیں کرتے تم ایسے شخص میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں کرتے جو اللہ اور یوم الآخر سے رجوع کر رہا ہے تو اس سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا وہ تمہارا نہیں بلکہ وہ تمہاری جگہ کسی اور کو لے آئے گا نقصان تمہارا اپنا ہی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ نے یہ واضح کر دیا کہ ابراہیم کے ساتھ والے کون ہیں جن میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے وہ ہیں ان میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہے ہیں جس سے رجوع کرنا ہے اللہ تھا اور یوم الآخرہ۔

اللہ سے اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا کیا ہے جب تک اسے سمجھ نہیں لیا جاتا تب تک بات کھل کر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ جب اللہ اور یوم الآخرہ کی وضاحت ہو جائے گی تب خود بخود ان کی پہچان ہو جائے گی کہ کون ہے جو اللہ اور یوم آخرہ سے رجوع کر رہا ہے اور جو فلاح کا طلب گار ہے اسے بھی اسی کی اطاعت و اتباع میں اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا ہو گا۔

پیچھے آپ پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ آپ کو ہر طرف اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ سے رجوع کرنا اپنی تمام تر ضروریات کے لیے فطرت پر انحصار کرنا ہے یعنی جب آپ کے پاس ہدایت آ جائے حق آ جائے تو غیر اللہ کو ترک کرتے ہوئے فطرت کی طرف پلٹنا اللہ سے رجوع کرنا کہلاتا ہے اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا کیا ہے اسے سمجھنے کے لیے آپ کو پہلے یوم الآخرہ کو جاننا ہو گا۔ اس وقت آپ دنیا میں موجود ہیں یہ پہلا مرحلہ ہے آج دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں گے جو جو اعمال کریں گے یہ زمین اگلے مرحلے میں ویسی ہی بن جائے گی اور آپ کو اسی کا سامنا کرنا پڑے گا یعنی اگر آج آپ زمین میں فساد کرتے ہیں، جو زمین میں فساد کر رہے ہیں ان کی معاونت کرتے ہیں تو اس فساد عظیم کی وجہ سے یہ زمین جہنم بن جائے گی تو جب یہ زمین جہنم بن جائے گی تو تمام

انسانوں کو دوبارہ وجود میں لایا جائے گا اور جو جو اس زمین کے جہنم بننے میں حصے دار ہوں گے انہیں اسی میں رہنا ہوگا اور اگر آج آپ اصلاح والے اعمال کرتے ہیں تو اگلے مرحلے میں جو کہ الآخرۃ کہلاتا ہے میں جو خلاء میں آپ کو سیارے نظر آرہے ہیں وہ باغات میں بدل چکے ہوں گے تو آپ کو بدلے میں ان میں سے آپ کے درجے کے مطابق دیا جائے گا یہ ہے یوم الآخرہ۔ یوم الآخرہ سے رجوع کرنا یہ ہے کہ آج جو زمین میں فساد کیا جارہا ہے اسے ترک کر دیا جائے تا کہ زمین کے جہنم بننے میں حصے دار نہ بن جائیں۔ اب آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سا بشر ہے جو گمراہیوں کو ترک کر کے اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کر رہا ہے یعنی فطرت کی طرف پلٹ رہا ہے اسی کی طرف پلٹنے کی دعوت دے رہا ہے جو بھی ایسا آپ کو نظر آئے تو وہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ابراہیم کا ساتھی ہے جس کی اتباع کرنی ہے جو کہ آپ پر اپنے عمل سے ملت ابراہیم کو کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

یہاں اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ ابراہیم کے ساتھ کون ہے جس میں اسوہ حسنہ ہے وہ جو اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کر رہا ہے تو ذرا غور کرو کیا تمہارے درمیان کوئی ایسی شخصیت موجود ہے اگر ایسی شخصیت موجود ہے تو جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے جیسا کر رہا ہے وہ ابراہیم کی ہی ملت ہے اللہ اس کے ذریعے تم پر ابراہیم کی ملت واضح کر رہا ہے اور دیکھیں اگلی آیت میں اللہ نے ان کو رسول قرار دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. الاحزاب ۲۱

تحقیق کہ یعنی ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل حق ہے تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کہ تھا تمہارے لیے بعد میں آنے والے رسول میں اسوہ حسنہ، آگے نہ صرف بعد میں آنے والے رسول کی پہچان کیا ہے بلکہ جو رسول میں اسوہ حسنہ اخذ کرتا ہے دونوں کی پہچان بتا دی اور وہی پہچان جو پچھلی آیت میں واضح کی گئی۔ جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر کی طرف رجوع کر رہا ہے اس کے لیے ان میں اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر تھا جس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اس آیت میں مزید اس کی پہچان کے لیے راہنمائی کر دی وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا اور یاد کرتا ہے کثیرا اسے جو بھلا دیا گیا تھا اور جو بھلا دیا گیا تھا جسے یاد کرنا ہے وہ اللہ تھا۔

وہ بشر جسے جو بھی حاجت لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اپنی تمام تر ضروریات و حاجات کے لیے اللہ کی طرف لپکتا ہے اور یوم الآخر سے رجوع کرتا ہے جو اللہ کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر تم پر واضح کر رہا ہے وہ اللہ کا رسول ہے یعنی اللہ کا بھیجا ہوا ہے جس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے یعنی وہ تم پر واضح کر رہا ہے کہ ابراہیم اگر اس وقت دنیا میں ہوتے تو وہ کیا کرتے ان کی ملت کیا ہے۔

ان آیات میں اللہ نے نہ صرف یہ واضح کر دیا کہ تمہارے ابا ابراہیم ہیں بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ ابراہیم کو تم کس طرح اپنا ابا بنا سکتے ہو۔ ابراہیم چونکہ وفات پا چکے تو ان کو ابا بنانے کے لیے ہم تم میں تمہی سے ایسی شخصیات بھیجتے رہتے ہیں جو عملی طور پر تم پر ابراہیم کی ملت کیا ہے اسے واضح کرتی ہیں لہذا تم نے ان کی اتباع کرنی ہے جیسا وہ کریں بالکل ویسا ہی تم نے کرنا ہے اور اللہ نے ان شخصیات کو رسول قرار دیا۔ یعنی رسول بھیجنے کا مقصد یہ نہیں کہ رسول تمہارا ابا ہے بلکہ رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول کے ذریعے تم پر واضح کر دیا جائے کہ تمہارے ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے یوں تم رسول کی اتباع نہیں بلکہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کر رہے ہوتے ہو۔

اب آپ کو یہ بات بھی کھل کر سمجھ آ چکی ہوگی کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر چالیس میں یہ کیوں کہا گیا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اور لیکن اللہ کے رسول تھے یعنی محمد کو بھیجا گیا تھا تا کہ تم پر محمد کے ذریعے یہ واضح کیا جا سکے کہ تمہارے ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے کیونکہ اس وقت تم میں سے بہت سے ابراہیم کے ابا ہونے کا دعویٰ تو کر رہے تھے لیکن وہ اپنے ابا ابراہیم کی ملت کو بھول کر بت پرستی میں مگن تھے بہت سے ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے اور کچھ ابراہیم کی ملت کو بھول کر ابراہیم کو ابا بنانے کی بجائے موسیٰ کو ابا بنائے ہوئے تھے اور اسی طرح کچھ ابراہیم کی ملت کو بھول کر عیسیٰ کو اپنا ابا بنائے ہوئے تھے، جیسے ان کو کہا تھا ان پر واضح کیا تھا کہ تمہارے ابا موسیٰ اور عیسیٰ نہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابراہیم کی ملت کو بھول کر موسیٰ و عیسیٰ کو اپنا ابا بنا لیا تھا اور جب ضلالٍ مبینٍ میں چلے گئے تو ہم نے رسول بعث کیا جس نے ان پر آ کر واضح کیا کہ ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے تو انہوں نے اس کا کفر کر دیا بالکل اسی طرح تم پر بھی واضح کر دیا گیا تھا تا کہ کل کو تمہارے پاس بھی کوئی بہانہ نہ رہے۔ جب کل کو تم ضلالٍ مبینٍ میں چلے جاؤ اور رسول بھیجا جائے تو ایسا نہ ہو کہ تم محمد کو ابا بنائے ہوئے رہو اور ہمارے رسول کی

تکذیب کر دو اگر ایسا ہی کرو گے تو تمہارے پاس کل کو کوئی عذر یا بہانہ نہ ہوگا، اور جیسے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا تم نے بھی وہی کیا تم بھی ابراہیم کی ملت کو بھول کر محمد کو اپنا ابا بنا بیٹھے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ محمد تمہارے ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے محمد تو محض ایک رسول تھے جو اس وقت انسانوں پر یہ واضح کرنے آئے تھے کہ ابراہیم کی ملت کیا ہے تا کہ انسان رسول کے ذریعے ابراہیم کی ملت کی اتباع کر کے ابراہیم کو اپنا ابا بنا سکیں۔ اور آگے اللہ نے مزید کہا وَخَاتَمَ النَّبِیّنَ اور خاتم تھے یعنی فلٹر تھے چھننی تھے بعد میں آنے والے النبیّن کے لیے جب تک کہ دوبارہ ضلالٍ مبینٍ نہیں آجاتیں اور اگلا رسول وخاتم النبیّن نہیں بعث کر دیا جاتا۔ محمد خاتم النبیّن تھے یعنی بعد میں آنے والے النبیّن کے لیے فلٹر تھے کہ کون سے نبی اللہ کے رسول بن سکتے ہیں وہی نبی اللہ کے رسول ہوں گے جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے یعنی وہ بالکل اسی طرح اللہ کی غلامی کریں گے جیسے محمد نے کی، جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے وہی اللہ کے نبی رسول ہوں گے ورنہ جو اس فلٹر سے نہیں نکلیں گے اگر ان کا موازنہ محمد کیساتھ کرنے سے ان میں اور محمد میں فرق نظر آئے تو وہ نبی اللہ کے رسول نہیں بلکہ کذاب شیاطین ہوں گے مجرمین ہوں گے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ. الاحزاب ۴۰

اس آیت کو اور بالخصوص وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ کو ایک دوسرے پہلو سے بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ حق ہر پہلو سے ہر لحاظ سے کھل کر آپ پر واضح ہو جائے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جو باشعور بھی ہو اور اس کے دل و دماغ میں یہ سوال نہ آیا ہو کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے یا اس کائنات کی حقیقت کیا ہے وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان اپنے ارد گرد دیکھتا ہے تو اسے کوئی بھی شیئے یہاں تک کہ ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی تخلیق کا کوئی مقصد نہ ہو ہر شیئے کا کوئی نہ کوئی مقصد نظر آتا ہے۔ اگر انسان خود بھی کچھ بناتا ہے یا خریدتا ہے تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اسے اپنا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ وہ کبھی کچھ کر رہا ہوتا ہے اور کبھی کچھ، اس کے آباؤ اجداد کچھ اور کرتے رہے، انسانوں میں سے ہر کوئی بے مقصد اور جدھر اس کا رخ ہوتا ہے ادھر ہی بھاگ رہا ہے کسی کو بھی علم نہیں کہ اس کی منزل کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ یوں انسان سوچتا ہے اس کے دل و دماغ میں یہ سوال بار بار کھٹکتا ہے کہ آخر اس کے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ جب وہ اس سوال کے جواب کو جاننے کے لیے سوچ و بچار کرتا ہے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خود اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اسے یہ ہی نہیں معلوم دنیا میں آنے کا مقصد تو بعد کی بات ہے۔

مثلاً اگر آپ کے جسم کے کسی بھی عضو کی طرف اشارہ کیا جائے آپ کے پاؤں کی طرف اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ یہ پاؤں ہے اور اگر پھر سوال کیا جائے کہ کس کا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ میرا ہے اسی طرح بتدریج آپ کے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ کا جواب ہوگا میرا جسم ہے۔ آپ بالکل اسی طرح میرا جسم کہیں گے جیسے آپ کے ہاتھ میں کوئی شیئے ہو مثلاً قلم اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کس کی ہے تو آپ کہیں گے میری ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قلم کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس کی ہے تو آپ نے کہا میری ہے اس کا مطلب کہ قلم آپ نہیں ہیں بلکہ آپ قلم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں تو جس طرح قلم آپ نہیں ہیں آپ قلم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں بالکل عین اسی طرح آپ اپنے جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ میرا جسم ہے جس کا مطلب کہ یہ جسم آپ نہیں ہو۔ آپ کوئی اور ہو جو اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اب آپ سے سوال ہے کہ آج تک آپ اسی جسم کو اپنا وجود سمجھتے رہے لیکن کیا حقیقت یہی نکلی؟ نہیں بلکہ آپ تو خود یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ جسم میرا ہے جس کا مطلب آپ یہ جسم نہیں ہو بلکہ آپ کوئی اور ہو اور آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کون ہو؟ وہ کون ہے جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے؟ اگر آپ یہی جسم ہو تو پھر آپ اس جسم سے پہلے کیا تھے؟ کہاں تھے؟ اور جب اس جسم کی موت ہو جاتی ہے تو وہ کون ہوتا ہے جو اس جسم میں اس سے پہلے میں میں کر رہا ہوتا ہے؟

ذرا غور کریں آپ پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ جس پانچ، چھ فٹ کے جسم کو آج تک آپ اپنا وجود سمجھتے رہے کہ یہی آپ ہو آج حقیقت اس کے بالکل

برعکس نکلی اور اب اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہو تو آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہو گا یعنی آپ خود اپنے آپ کو ہی نہیں جانتے جس کا مطلب کہ آپ اپنے آپ کو ہی بھول چکے ہوئے ہو۔

اسی کو عربوں کی زبان عربی میں انسان کہتے ہیں۔ لفظ انسان بنا ہے چار الفاظ کے مجموعے سے ''ا، نس، ا، ن'' جب بھی الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو نہ صرف وہ آگے آنے والے لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ آگے اسی سوال کا جواب بھی موجود ہوتا ہے تو لفظ انسان کے شروع میں بھی الف آتا ہے جو اگلے لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ ہے ''نس'' جس کے معنی ہیں بھول جانا، بھولا ہوا۔

''نس'' کو ایک مثال سے سمجھ لیں مثلاً اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو اپنی پیدائش سے لیکر دو، تین سال کی عمر تک آپ نے کیا کیا کیا؟ تو کیا آپ کوئی جواب دے سکیں گے؟ کیا آپ کو کچھ یاد پڑتا ہے؟ نہیں آپ کو کچھ بھی یاد نہیں آپ اس طرح بھول چکے ہیں جیسے کہ آپ پر کبھی ایسا وقت آیا ہی نہیں۔ اگر آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ پر ایسا وقت آیا تھا اور آپ کو یاد نہیں رہا یعنی آپ بھول گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے ہر روز یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آپ کے سامنے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پلتا بڑھتا جوان ہو رہا ہے اس کے علاوہ آپ اپنے آپ میں بھی تبدیلیاں دیکھ رہے ہیں کہ کچھ عرصے پہلے آپ چھوٹے تھے آپ بڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ بڑھاپے کی طرف جا رہے ہیں ان مشاہدات کی بنا پر آپ کو یہ یقین ہے کہ آپ پر بھی ایسا وقت آچکا ہے اس لیے آپ تسلیم کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ بھول چکے ہوئے ہیں ایسے بھول چکے ہوئے ہیں کہ جیسے ایسا وقت کبھی آپ پر آیا ہی نہیں اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔

آپ ذرا غور کریں اگر آپ کے سامنے بچہ پیدا نہ ہو وہ پلے بڑھے نہ یعنی جن مشاہدات کی بنا پر آپ کو یقین ہے کہ آپ پر بھی ایسا وقت گزر چکا ہے اگر آپ یہ مشاہدات نہ کر سکتے تو کیا پھر بھی آپ کو یقین ہوتا کہ آپ پر ایسا وقت گزر چکا ہے؟ کیا پھر بھی آپ تسلیم کرتے کہ ہاں ایسا وقت گزر چکا ہے مگر میں بھول چکا ہوں؟

نہیں بلکہ پھر آپ کبھی بھی تسلیم نہ کرتے اس وقت تک جب تک کہ آپ پر اس قدر واضح نہ کر دیا جاتا کہ آپ کو یقین ہو جاتا۔

اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔ الف جمع نس لفظ بنے گا ''انس'' جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بھولا ہوا یعنی کیا ہے جو اس طرح بھولا ہوا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں، بالکل اس طرح بھول چکا جیسے اپنے بچپن میں دو تین سال تک کی عمر کے وقت کو بھول چکا ہے۔ آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے آگے لفظ آجاتا ہے ''الف'' جو کہ لفظ انسان کے آخر کی طرف درمیان میں آتا ہے جب بھی الف لفظ کے آخر کی طرف درمیان میں آئے تو اس میں کُل کے معنی آجاتے ہیں یعنی اس میں کسی کو بھی استثنیٰ حاصل نہیں رہتا۔ اب لفظ انسان کے درمیان الف آنے سے پچھلے سوال کا جواب آجاتا ہے کہ کُل کا کُل یعنی سب کا سب مکمل طور پر بھولا ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کا کُل کا کُل مکمل طور پر بھولا ہوا یا کسے مکمل طور پر بھولا ہوا؟ کیا ہے جسے مکمل بھولا ہوا ہے؟ کون ہے جو سب کا سب بھولا ہوا ہے؟ آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے ''ن'' اور ''ن'' کے معنی ہیں ہم اور اللہ یہ لفظ اپنے لیے استعمال کرتا ہے۔

یوں لفظ انسان کے معنی بنیں گے وہ جو خود اپنے آپ کو ہی مکمل بھولا ہوا ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے۔

اب ذرا غور کریں جب آپ پر سوالات کے ذریعے واضح کیا کہ یہ جسم آپ نہیں ہو بلکہ آپ کوئی اور ہو جو اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے تو وہ کون ہے جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے یعنی آپ کون ہو تو آپ کے پاس کوئی جواب نہیں آپ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہو کہ آپ خود اپنے آپ کو ہی نہیں جانتے آپ خود اپنے آپ کو ہی اپنی ہی ذات کو بھولے ہوئے ہو اسی کو عربی میں انسان کہا جاتا ہے۔

انسان جو خود اپنی ہی ذات کو بھولا ہوا ہے۔ اب ذرا غور کریں دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے؟ آپ کون ہو کیا ہو آپ کی حقیقت کیا ہے سمیت جتنے بھی سوالات ہیں ان کے جوابات کون دے سکتا ہے؟ کیا کوئی بھولا ہوا ان میں سے کسی سوال کا بھی جواب دے سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔ اگر بھولا ہوا ان میں سے کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوتا تو پھر آپ خود جو بھولے ہوئے ہو آپ کو کسی دوسرے سے رجوع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی یعنی کوئی بھی بھولا ہوا ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے سکتا وہ یہ راہنمائی نہیں کر سکتا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اسے پورا کیسے کرنا ہے وغیرہ۔

اب سوال یہ ہے کہ کون ان سوالات کے جوابات دے سکتا ہے کون ہے جو راہنمائی کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان اور واضح ہے ظاہر ہے وہی جواب دے سکتا ہے وہی راہنمائی کر سکتا ہے جو بھولا ہوا نہیں ہے جسے سب یاد ہے جسے یہ علم ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے کہاں سے آیا ہے اس دنیا میں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہے انسان کو دنیا میں کیوں لایا گیا اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے وہ ہر سوال کا جواب دے سکتا ہے۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہے جو بھولا ہوا نہیں ہے تو نہ صرف اس کا جواب تھوڑا سا غور کرنے پر واضح ہو جاتا ہے بلکہ قرآن خود بار بار اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔ پیچھے ہم نے کہا تھا کہ لفظ انسان کے آخر میں ''ن'' کے معنی ہم ہیں اور اللہ خود اپنے لیے ''ن'' کا استعمال کرتا ہے یعنی اللہ ہے جو خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی بادشاہ ہو اور اس کی یادداشت چلی جائے وہ خود اپنے آپ کو ہی بھول جائے اور ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں سب فقیر ہوں تو وہ خود کو فقیر ہی سمجھے گا اسے اس بات کا رائی برابر بھی علم نہ ہوگا کہ وہ بادشاہ ہے بالکل ایسے ہی انسان کے معنی ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ اللہ خود اپنے آپ کو بھولا ہوا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ انسان لفظ اللہ کی ضد ہے۔

اسی کا قرآن میں کئی مقامات پر ہر پہلو سے ذکر کیا گیا مثلاً آپ سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ کو ہی دیکھ لیجیے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. الحشر ۱۹

پہلے اس آیت کا جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں کیوں کہ تراجم و تفاسیر کا بذات خود اس آیت کیساتھ گہرا تعلق ہے۔

''اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ بدکردار لوگ ہیں۔ **فتح محمد جالندھری**

اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔ **احمد رضا خان بریلوی**

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔ **ابوالاعلیٰ مودودی''**

تین تراجم آپ کے سامنے رکھے ہیں ان کے علاوہ باقی بھی جتنے تراجم ہیں ان میں بھی آپ کو وہی بات ملے گی جو ان تراجم میں موجود ہے تمام کے تمام تراجم و تفاسیر میں یہی کہا گیا کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے۔ اب ذرا غور کریں قرآن اللہ کا کلام ہے تو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق اللہ اس وقت اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام کر رہا ہے انسانوں کو کہہ رہا ہے یعنی آپ کو اللہ کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا آپ کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ اب آپ سے سوال ہے کہ بھولا کس کو جاتا ہے؟

اس کا جواب بالکل واضح ہے بھولا تو اس کو جاتا ہے جو پہلے یاد ہو، تو اس کا مطلب کہ آپ کو اللہ یاد ہے اس لیے آپ کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ آپ بتائیں اللہ کیا ہے؟ اللہ کیسا ہے؟ اللہ کے بارے میں مکمل علم کا اظہار کریں؟ تو کیا آپ کوئی جواب دے سکیں گے؟ نہیں بالکل نہیں اگر کوئی جواب دیں گے بھی تو آپ وہی کہیں گے جو آپ بچپن سے اللہ کے بارے میں سنتے آئے اور اگر وہ سچ ہے تو اس کا مطلب دنیا کے تمام مذاہب میں یا ہر شخص نے اللہ کے بارے میں جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے وہ حق ہے سچ ہے؟

بھولا تو اس کو جاتا ہے جو یاد ہو لیکن کسی کو بھی علم نہیں کہ اللہ کیا ہے ہر کوئی اللہ کو بھولا ہوا ہے۔

جیسا کہ آپ قرآن کے درجنوں مقامات پر پڑھتے ہیں اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو، ذکر عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بھولے ہوئے کو یاد کرنا۔ آپ قرآن کی ان درجنوں آیات میں سے درج ذیل چند آیات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ. البقرة ۱۵۲

پس میں تھا جو تمہیں بھلا دیا گیا تھا جسے تم بھول چکے مجھے یاد کر رہے ہو؟ اگر مجھے یاد کرتے ہو تو کیا ہے جسے تم نے یاد کیا؟ تم خود ہی ہو تم نے خود اپنے ہی آپ کو یاد کیا یعنی تم اپنے آپ کو ہی بھولے ہوئے ہوا گر تم مجھے یاد کرتے ہو تو تم خود ہی سامنے آؤ گے، مجھے یاد کرنا حقیقت میں خود اپنے آپ کو یاد کرنا ہے۔ تم خو ہی سامنے آؤ گے کوئی اور نہیں۔

یہ آیت بالکل کھول کر واضح کر رہی ہے کہ اگر آپ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اصل میں آپ خود اپنے آپ کو یاد کریں گے جب آپ اللہ کو جان جائیں گے تو اللہ ہی

آپ کی اپنی ذات کے طور پر ہی سامنے آئے گا۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ. البقرۃ ۱۹۸

پس یاد کر رہے ہو اسے جو تمہیں بھلا دیا گیا تھا ایسے کہ جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہیں اللہ تھا جسے تم بھول چکے جسے یاد کرنا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ. آل عمران ۱۹۱

ایسے لوگ جو خود ہی یاد کر رہے ہیں اسے جو انہیں بھلا دیا گیا اور جو بھلا دیا گیا جسے یاد کر رہے ہیں اللہ تھا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. الرعد ۲۸

وہ جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی دعوت کو دل سے تسلیم کر رہے ہیں جو اللہ کی بات مان رہے ہیں اور ان کے قلوب کو اطمینان حاصل ہو رہا ہے اللہ کو یاد کرنے سے جان لو اللہ کو یاد کر لینے سے ہی قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے یعنی جب آپ اللہ کو یاد کر لیں گے تو آپ ہر قسم کی پریشانیوں و بے چینیوں سے بالکل آزاد ہو جائیں گے آپ کے سارے غم اور خوف ختم ہو جائیں گے کسی قسم کا کوئی غم اور خوف نہیں رہتا کیونکہ جب اللہ کو یاد کر لیا جاتا ہے تو خود اپنی ہی ذات اپنی ہی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں سب سے زیادہ زور ہی اسی بات پر دیا گیا ہے کہ اللہ کو یاد کرو اور جب آپ اللہ کو یاد کریں گے تو حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہی یاد کریں گے کیونکہ آپ کی اپنی اصل حقیقت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کوئی دیو مالائی تصوراتی عقائد و نظریات کا نام ہے۔ جیسے آپ کے اپنے جسم میں ایک خلیے پر ایک انتہائی چھوٹی سی مخلوق ہو بالکل یہی حقیقت اس بشری وجود کی اللہ کی ذات میں ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ ایک طرف پورے قرآن میں اللہ بار بار کہہ رہا ہے اللہ کا ذکر کرو یعنی اللہ تمہیں بھلا دیا گیا اللہ کو یاد کرو اور دوسری طرف قرآن میں اللہ یہ کہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ بھولے ہوئے کو کیسے بھولا جاتا ہے؟ کیا بھولے ہوئے کو بھولا جاتا ہے یا پھر بھولے ہوئے کو یاد کیا جاتا ہے؟

بھولے ہوئے کو یاد کیا جاتا ہے بھولے ہوئے کو یاد کرنے کا کہا جاتا ہے نہ کہ یہ کہا جاتا ہے بھول نہ جانا۔ آپ سورت الرحمٰن کی آیت نمبر تین میں بھی دیکھ سکتے ہیں اس میں کیا کہا جا رہا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ. الرحمٰن ۳

خلق کیا گیا خود اپنے ہی آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا یعنی جب آپ کو خلق کیا گیا اس بشر کو خلق کیا گیا تو خلق ہی خود اپنے آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا کیا گیا اور کیا تھا جو بھلا دیا گیا وہ لفظ انسان خود بتا رہا ہے کہ خود اپنا آپ، اپنی ذات کو بھولا ہوا۔

اس آیت میں بالکل واضح اور دو ٹوک الفاظ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ خلق کیا گیا تھا خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا اپنے ہی آپ کو یعنی اللہ کو بھولا ہوا خلق کیا گیا تھا۔ جب آپ خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے تو پھر آپ کو یہ کہا جائے گا کہ بھولے ہوئے ہی نہ رہنا یاد کرو یا یہ کہا جائے گا کہ بھول نہ جانا؟ حق بالکل واضح ہے۔

اور یہی اس آیت میں کہا جا رہا ہے ذرا غور کیجئے گا۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

وَلَا اور نہیں تَکُوْنُوْا ت جو آپ کر رہے ہیں اس کا اظہار کر رہا ہے آپ کے اعمال کا جو بھی آپ دنیا میں کر رہے ہیں آگے لفظ ہے کونو جو کہ کن سے ہے اور کن کے معنی ہر کوئی جانتا ہے کن کہتے ہیں ہونے کو اور کونو حال میں ہو رہے ہونے کا صیغہ ہے کونو کے معنی ہیں ہو رہا ہے ہو رہے ہو۔ وَلَا تَکُوْنُوْا اور جو اعمال تم کر رہے ہو ایسا نہ کرو جس سے تم ہو رہے ہو کَالَّذِیْن بالکل ان کی طرح ہو رہے ہو نَسُو نس جمع و نس کے معنی آپ پیچھے جان چکے ہیں کس طرح بھولنے کو کہتے ہیں اور آگے ساتھ ''وْ'' حال کا صیغہ بنا دیتا ہے جو کام حال میں ہو رہا ہے یوں نَسُو کے معنی بنتے ہیں بھولے ہی رہ رہے ہیں جو اس طرح بھول گئے تھے جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہیں جیسے اپنی پیدائش سے لیکر دو، تین سال کی عمر کے وقت کو بھول گئے اس طرح جو بھولے ہوئے ہی خلق ہوئے وہ

بھولے ہی رہ رہے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا تھا جو بھولے ہوئے خلق ہوئے اور اسے یاد کرنا ہے آگے اسی کا جواب ہے اللّٰہَ اللہ کی ہ پر زبر ہے جس سے لفظ اللہ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں اللہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تھا اللہ جسے بھولے ہوئے ہیں جسے بھولے ہوئے ہی خلق ہوئے اور بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں تو آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے فَاَنسٰئھُمْ اَنفُسَھُم پس کیا ہے جو بھولے ہی رہ رہے ہیں وہ ان کی اپنی ہی ذات ہے جسے یہ بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں۔

آیت کو بالکل آسان الفاظ میں واضح کرتے ہیں

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰئھُمْ اَنفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

اس آیت میں کہا جارہا ہے کہ یہ جو تم کررہے ہو یہ تم بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہو لہذا ایسامت کروان کی طرح ہی کررہے ہو جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں جو بھلا دیا گیا تھا جو خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے تھے کیا تھا جو بھلا دیا گیا تھا جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں وہ اللہ تھا اور اللہ کیا ہے پس یعنی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جو کہا جارہا ہے خواہ تمہیں ناگوار گزرے یا کیسا ہی کیوں نہ لگے ایسا ہی ہے جو کہا جارہا ہے کہ ان کی اپنی ہی ذات ہے جسے یہ بھولے کہ بھولے رہ رہے ہیں۔اب ذرا غور کریں کسے بھلا دیا گیا؟ جسے یاد کرنا تھا؟ نہ صرف اس آیت میں واضح بتا دیا گیا کہ اللہ تھا بلکہ پورے قرآن میں بار بار یہی کہا جارہا ہے اللہ تمہیں بھلا دیا گیا تھا اللہ کو یاد کرو یہاں تک کہ قرآن میں یہ بھی کہا گیا کہ مجھے یاد کرتے ہو تو تم خود اپنے آپ کو ہی یاد کررہے ہو یعنی اللہ ہی تمہاری اصل حقیقت ہے تمہاری اپنی ذات ہے۔

یہ جو اللہ کو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں یہ کون لوگ ہیں آگے قرآن میں اس کا جواب بھی دے دیا گیا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن یہی وہ لوگ ہیں جو فسق کررہے ہیں یعنی بات کو اس کے مقام سے ہٹا رہے ہیں اس میں تبدیلی کررہے ہیں۔اب ذرا غور کریں کن لوگوں کی وجہ سے آج انسانوں کی اکثریت ان کی طرح بھولی کی بھولی ہی رہ رہی ہے؟ کون ہیں جو فسق کررہے ہیں یعنی اللہ جو کہتا ہے اللہ کی بات کو اس کے مقام سے بدل دیتے ہیں اللہ کی بات میں تبدیلی کر دیتے ہیں تو تراجم کی صورت میں فاسقون آپ کے سامنے ہیں۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ آیت میں کیا کہا گیا اور آیت کو کس طرح تراجم و تفاسیر کی صورت میں اللہ کے کلام کو بدل دیا گیا جن کے فسق کی وجہ سے باقی بھی فسق کا شکار ہو کر فسق کررہے ہیں اور ہدایت کی بجائے گمراہی کا شکار ہیں اس کے باوجود خود کو اہل حق سمجھے ہوئے ہیں۔

آپ یہ جان چکے ہیں کہ انسان کہتے ہیں جو خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا ہے اور انسان ضد ہے اللہ کی۔ اب کون ہے جو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کون ہیں آپ کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اسے کیسے پورا کیا جائے گا؟ وہ صرف اور صرف وہی بتا سکتا ہے جو انسان نہیں یعنی بھولا ہوا نہیں اگر انسان نہیں یعنی بھولا ہوا نہیں ہے تو پھر پیچھے صرف اللہ ہی رہ جاتا ہے اللہ ہی بتا سکتا ہے کہ انسان کی حقیقت کیا ہے یہ کیا بھولا ہوا ہے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کیا جاسکتا ہے۔

یوں جس پر اس کی خودی آشکار ہو جاتی ہے یعنی وہ انسان نہیں رہتا تو ظاہر ہے پھر پیچھے اللہ ہے تو اللہ وہ کرتا ہے جو اس کا کام ہے، اللہ انسانوں کو نبا دیتا ہے یعنی پھر اللہ ایسے بشر کی صورت میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں ہوں جو تمہیں نبا دے رہا ہوں تمہیں وہ علم دے رہا ہوں جو میرے یعنی اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں یوں ایسا بشر اللہ کا رسول ہوتا ہے جو انسانوں پر ان کے ابا ابراہیم کی ملت کو کھول کھول کر واضح کرتا ہے اور جو انسان کا انسان ہے اسے کوئی حق نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو اٹھالے وہ نبی بن بیٹھے یعنی انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار بن بیٹھے۔

یہی سلسلہ چلتا رہا موسیٰ آئے تو موسیٰ بھی اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن تھے جب تک کہ اگلا رسول نہیں بعث کر دیا گیا پھر جب عیسیٰ ابن مریم آئے تو پھر موسیٰ نہیں بلکہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن تھے تب تک جب تک کہ اگلا رسول نہیں آجاتا اور جب وہ وقت آیا تب اللہ نے محمد کو رسول بعث کیا تب محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن تھے یعنی بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول نہیں آجاتا۔

اور اللہ کا قانون ہے کہ رسول، اللہ صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں یعنی جب سو فیصد ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں نور کی ایک بھی کرن نہیں ہوتی اسی کا اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر بھی ذکر کر دیا جیسا کہ آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ آل عمران ۱۶۴

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ الجمعہ ۲

یہی بات آپ کو دنیا کے ہر مذہب کی کتاب میں ملے گی جیسے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی یہ بات درج ہے کہ ایشور تب تب اوتار بھیجے گا جب جب کلیوگ آئے گا یعنی جب جب ضلالٍ مبینٍ ہوں گی تب تب رسول بعث کیا جائے گا۔

اللہ نے جب یہ کہا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ تو اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ محمد کے بعد بھی رسول آئے گا بالکل ایسے ہی جیسے موسیٰ آئے پھر موسیٰ کے بعد عیسیٰ آئے کیونکہ موسیٰ کے بعد تب تک موسیٰ کی ملت کی اتباع کی جاسکتی تھی جب تک کہ موسیٰ میں اسوہ حسنہ تھا جب ایسا وقت آ جائے کہ موسیٰ کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں ہوسکتا یعنی موسیٰ کی زندگی میں آپ کے لیے راہنمائی نہیں رہی تو موسیٰ کو ہی ابا نہیں بنا سکتے کیوں موسیٰ ابا نہیں بلکہ ابا ابراہیم ہیں تب نیا رسول آ کر بتائے گا کہ ایسے حالات میں ایسے وقت میں ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جاسکتا ہے ابراہیم کی ملت کیا ہے۔ تو اس کے لیے عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا پھر عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں بلکہ ابا ابراہیم ہیں عیسیٰ ابن مریم کو اس وقت تک ابا بنایا جائے گا جب تک کہ عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں تمہارے لیے راہنمائی موجود ہے اور اگر ایسا وقت آ جاتا ہے جو عیسیٰ ابن مریم سے یکسر مختلف ہے عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں ہوتا تو عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں تھے بلکہ ابا ابراہیم تھے عیسیٰ ابن مریم کو ابا من الا براہیم بنایا گیا نہ کہ من دون ابراہیم ابا بنایا گیا۔ تب نیا رسول آ کر واضح کرے گا کہ ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جاسکتا ہے اور وہ ابراہیم کی ملت کو واضح کرے گا جس کے لیے محمد کو رسول بعث کیا گیا تو یاد رہے کہ ابا محمد نہیں بلکہ ابا ابراہیم تھے اس لیے محمد نے ابراہیم کی ملت واضح کی جب تک محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے تب تک محمد کو ابا بنانا گویا کہ ابراہیم کو ابا بنایا جارہا ہے لیکن جب دنیا میں ایسا وقت آ جائے کہ محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں کیا جاسکتا محمد کی ذات میں آپ کے لیے راہنمائی نہیں رہتی دنیا میں وقت ایسا آ جاتا ہے جس کا سامنا محمد نے نہیں کیا تو پھر ظاہر ہے محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ کیسے ہوسکتا ہے جب محمد کو ایسے حالات و واقعات پیش ہی نہیں آئے جب محمد نے ایسے وقت کا سامنا ہی نہیں کیا جو کچھ آج موجود ہے وہ اس وقت تھا ہی نہیں تو محمد کی ذات میں آج کے انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لیے اللہ نے کہا تھا کہ محمد تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی جیسے موسیٰ کے بعد جب موسیٰ کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہا تو عیسیٰ ابن مریم کو بعث کر کے ابا ابراہیم کی ملت کو واضح کیا بالکل اسی طرح جب عیسیٰ ابن مریم کے بعد وقت ایسا آ گیا کہ عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہا تو محمد کو بعث کیا کیوں کہ عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں تھے بالکل ایسے ہی جب محمد کے بعد دنیا میں ایسا وقت آ جائے کہ جو محمد کے وقت سے بالکل مختلف ہو تو جان لو محمد تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے اس لیے انہیں ابا نہیں بنانا پھر ابراہیم کو ہی ابا بنایا جائے گا جس کے لیے اللہ حسب سابق اپنا رسول بعث کرے گا جس کے ذریعے تم پر تمہارے ابا ابراہیم کی ملت واضح کرے گا اس لیے اس وقت اسے ابا بنانا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور لیکن رسول تھے اللہ کے اور خاتم النبیّن یعنی بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول بعث کرنے کا وقت نہیں آ جاتا اور وہ وقت تب ہی آئے گا جب محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہے تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے ان کو بالکل ایسا ہی بننا ہے جیسے محمد تھے یعنی جو محمد کو اپنے لیے فلٹر بنا کر اس میں سے نکلے گا وہی نبی اللہ کا رسول کہلائے گا اللہ کا بھیجا ہوا اور جو اس فلٹر سے نہیں نکلے گا تو وہ نبی رسول نہیں بلکہ وہ نبی کذاب ہوگا اللہ کا مجرم ہوگا اللہ کا شریک ہونے کا دعویدار ہوگا۔

اب آپ پر وہ روایات بھی بالکل کھل کر واضح ہوجائیں گی جنہیں احادیث کے نام پر جانا جاتا ہے جن کے تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا جاتا ہے محمد نے خود کہا کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس حوالے سے سب سے زیادہ عام روایت جوزبان زدعام ہے وہ ترمذی کی روایت میں موجود الفاظ ہیں ''انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی''
جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے کہا میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مکمل روایت درج ذیل ہے

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتی ......انه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی. ترمذی

اس کے علاوہ ایک اور روایت جو آپ کے سامنے ہے۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی بعدی. ترمذی

اوراس روایت کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ کہ رسالت اور نبوت منسوخ ہوچکی، منقطع ہوچکی، بند ہوچکی، ختم ہوچکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔
اس روایت میں لفظ قطع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے منسوخ کیا کچھ نے منقطع، کچھ نے بند اور کچھ نے ختم لیکن حقیقت کیا ہے آگے چل کر وضاحت ہوگی۔
پھر مزید کچھ روایات ہیں جن کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ محمد آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں وہ روایات بھی انہیں لوگوں کے تراجم کیساتھ درج ذیل ہیں۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله. ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا گمان یہی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتی.......انه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی. ابوداؤد
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیّن ہوں یعنی میں آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔

النبی ﷺ قال: لیس بینی و بینه نبی یعنی عیسیٰ. ابو داؤد
النبی ﷺ نے کہا ہرگز نہیں ہے میرے درمیان اور اس کے درمیان نبی یعنی میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

قال رسول الله ﷺ: لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب. ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔

یہ وہ چند ایسی روایات ہیں جن کے من پسند تراجم وتفاسیر کی بنیاد پر نہ صرف شور مچایا جاتا ہے کہ محمد آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ پھولے نہیں سماتے، حالانکہ حقیقت کیا ہے ان روایات سے بھی نہ صرف حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں بلکہ تراجم وتفاسیر کے نام پر ان لوگوں نے جو دجل کیا جو دھوکا دیا وہ بھی چاک کر کے ان کی اصلیت آپ پر واضح کرتے ہیں آپ پر واضح ہوجائے گا کہ کس طرح ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بالکل وہی کیا جو بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ انہوں نے بھی اللہ کے کلام کو بدلا اپنے عقائد ونظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے حق کو چھپایا حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کیا تو اس امت کے ملّاؤں نے بھی بالکل وہی کیا۔

ان روایات کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ نبی و رسول کے معنی کیا ہیں اور نبی کی بعثت کے مقصد کو نہیں سمجھ لیا جاتا اور جب نہ صرف ان الفاظ کو بلکہ اس بات کو بالکل واضح جان لیا جائے گا کہ نبی کی بعثت کا مقصد کیا ہے تو ان روایات کو سمجھنا انتہائی آسان ہوجائے گا یہاں تک کہ یہ روایات بالکل کھل کر واضح ہوجائیں گی اس لیے سب سے پہلے ان الفاظ کے معنی واضح کرتے ہیں اس کے بعد نبی کی بعثت کے مقصد پر بات کریں گے۔
لفظ نبی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''نب یعنی نبا'' ہے جس کے معنی وہ علم جو صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں

جب اللہ وہ علم انسانوں پر واضح کرتا ہے تو وہ علم نبا کہلاتا ہے۔ نبا کے معنی عام طور پر خبر کے کر دیئے جاتے ہیں حالانکہ نبا کے معنی خبر نہیں ہیں کیونکہ جیسے نبا عربی کا لفظ ہے بالکل ایسے ہی لفظ خبر بھی عربی کا ہے اور یہ دونوں الفاظ الگ الگ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اب اگر نبا کے معنی خبر ہوتے تو ظاہر ہے قرآن میں لفظ خبر نہ آتا مگر جب قرآن میں نبا کے علاوہ لفظ خبر بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ نبا اور خبر دو الگ الگ الفاظ ہیں ان کے معنی قریب تر تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کے معنی ایک نہیں ہو سکتے۔ قرآن الحکیم ہے اس لیے اگر اس فرق کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو یہ عملاً نہ صرف قرآن کے بلکہ اللہ کے الحکیم ہونے کا بھی کفر ہوگا۔

لفظ ''نَبَ'' کے آگے دوسرا لفظ ہے ''ی'' جو خودی کے لیے استعمال ہوتا ہے یوں لفظ نبی کے معنی بنیں گے میں وہ علم دے رہا ہوں جو علم میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور وہ علم صرف اور صرف اللہ ہی کے پاس ہے تو ''ی'' سے مراد اللہ ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نبا دے رہا ہوں یعنی میں وہ علم انسانوں کو دے رہا ہوں انسانوں پر واضح کر رہا ہوں جو میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ یہ ہیں لفظ نبی کے معنی اور دوسرا لفظ ہے رسول جو کہ رسل سے ہے رسل کے معنی بھیجنا اور رسول کے معنی بھیجے ہوئے کے ہیں۔

ان دونوں الفاظ کے معنوں کو آپ نے جان لیا اب بات کرتے ہیں نبی کی بعثت کے مقصد پر۔

شاید ہی دنیا کا کوئی ایک بھی ایسا انسان ہو جس کے دل و دماغ میں یہ سوال نہ آیا ہو کہ اس کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ آخر وہ کون ہے کیا ہے اس دنیا میں اس کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ مثلاً ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا وقت آتا ہے جب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اس کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، کسی کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے جو اس کی زندگی کا رخ تبدیل کر دیتا ہے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے، کسی کا کوئی بڑا نقصان ہوتا ہے جس سے وہ مایوسی کے عالم میں جاتا ہے اور اس دوران اس کے سامنے یہ سوال آتا ہے تو کبھی کوئی مالدار شخص مال کما کما کر دنیا کماتے کماتے بالآخر تھک جاتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اس کی اپنی حقیقت کیا ہے یا پھر ایک شخص جو غور و فکر کرنے والا ہے زندگی میں کبھی نہ کبھی وہ ایسے موڑ پر آتا ہے جہاں وہ اس بات میں غور کرتا ہے کہ اس کائنات میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی مقصد نہ ہو یعنی جو بغیر مقصد کے ہو ،آسمانوں و زمین میں ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے لیکن جب وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے تو اسے اپنا کوئی مقصد نظر نہیں آتا یوں اسے یہ سوال بے چین کرتا ہے کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور وہ بغیر کسی مقصد کے ہی وجود میں آ گیا، پھر جب وہ اس بات میں غور کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ آخر وہ خود ہے کون؟ اس کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ وہ کہاں سے آیا؟ اس کا اول کیا ہے اس کا آخر کیا ہے؟ یعنی اسے اپنی ہی ذات کا علم نہیں۔

مثلاً اگر آپ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا جائے اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ یہ ہاتھ ہے پھر سوال کیا جائے کہ یہ کس کا ہے؟ تو آپ جواب دیں گے میرا، بتدریج اسی طرح آپ کے جسم کے باقی اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کی طرف اشارہ کیا جائے اور پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ یہ جسم ہے اور جب یہ پوچھا جائے کہ کس کا ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ یہ میرا جسم ہے آپ بالکل اسی طرح میرا جسم کہیں گے جیسے آپ کے ہاتھ میں آپ کی کوئی شئے ہو یا آپ نے جو لباس پہنا ہوا ہے تو اس کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ کس کا ہے تو آپ کہیں گے میرا ہے۔

ذرا غور کریں جب آپ نے کہا کہ یہ لباس میرا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لباس آپ نہیں ہیں بلکہ آپ لباس کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں جیسے آپ لباس کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں بالکل ایسے ہی آپ اپنے جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جسم آپ نہیں ہیں بلکہ یہ جسم آپ کا ہے آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

اب آپ سے سوال کیا جائے کہ جب یہ جسم آپ نہیں ہیں یہ جسم آپ کا ہے تو پھر یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ آپ کیا ہیں؟ تو آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا کیونکہ آپ اپنی ہی ذات کو بھول چکے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی ہی ذات کو نہیں جانتے آپ اپنے آپ کو ہی بھولے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے جس وجہ سے آپ اس جسم کو آج تک اپنا وجود سمجھتے رہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جسم آپ نہیں آپ کوئی اور ہو اور یہ جسم آپ کا ہے۔

اب جسے خود اپنی ہی ذات کا علم نہیں ہے جو خود اپنے آپ کو نہیں جانتا اپنی ہی ذات کو بھولا ہوا ہے بھلا وہ کیسے یہ علم رکھتا ہوگا کہ اس دنیا میں وہ کیوں آیا اور اس مقصد کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ہر ایک کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے آسمانوں وزمین کی مثال ایک مشین یا ایک جسم کی سی ہے جیسے مشین میں بہت سے پرزے ہوتے ہیں ہر پرزے کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہر پرزے کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے جب تمام کے تمام پرزے اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کرتے ہیں تو مشین میں میزان قائم ہوتا ہے اور وہ میزان اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ہر پرزہ اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے ورنہ اگر کوئی ایک بھی پرزہ اپنے مقام سے ہٹے یا رائی برابر بھی کمی، کجی، کوتاہی یا سستی برتے گا تو مشین میں قائم توازن بگڑ جائے گا جس سے مشین کے نظام میں جو تسلسل ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوگی یوں مشین میں خرابیاں ہوں گی اور بالآخر مشین تباہ ہو جائے گی۔

بالکل یہی مثال آسمانوں وزمین کی ہے آسمان وزمین ایک مشین کی مانند ہیں ان میں تمام کی تمام مخلوقات پرزوں کی مانند ہیں ہر مخلوق کا اپنا اپنا مقام اور ذمہ داری ہے جب تک تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی آسمانوں وزمین میں قائم توازن برقرار رہے گا ورنہ اگر کوئی ایک بھی مخلوق اپنے مقام سے ہٹتی ہے، سستی، کجی، کوتاہی یا لاپرواہی کرتی ہے یا اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی ہوتی ہے تو آسمانوں وزمین میں قائم توازن بگڑ جائے گا جس سے خرابیاں اور بالآخر آسمانوں وزمین تباہیوں سے دوچار ہوں گے اور آسمانوں وزمین میں انسان سمیت لاتعداد مخلوقات کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر جب آسمانوں وزمین میں غور کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے آپ نہیں چاہتے کہ آپ کے جسم میں کسی بھی قسم کی کوئی خرابی ہو اسے کوئی نقصان پہنچے اور اگر کوئی آپ کے جسم کو یا آپ کے جسم میں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو آپ اسے برداشت نہیں کریں گے آپ اس سے انتقام لیں گے بالکل اسی طرح آسمانوں وزمین جس کا وجود ہیں وہ ذات بھی کسی صورت یہ نہیں چاہتی کہ آسمانوں وزمین میں کوئی خرابی ہو انہیں کسی بھی طرح سے نقصان پہنچایا جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ ذات اس سے انتقام لینے والی ہے۔

پھر جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اسے اپنے مقصد کا ہی علم نہیں اسے یہ علم ہی نہیں کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ مقصد کیسے پورا ہوگا اور دوسری طرف آسمانوں وزمین میں اگر ایک رائی برابر بھی ایسا عمل کیا جاتا ہے جو ان کے خلاف ہو تو ان میں خرابیاں وتباہیاں آئیں گی اور اس کا ذمہ دار ایسا عمل کرنے والا ہوگا یعنی ایک طرف آسمانوں وزمین کا نظام اتنا پیچیدہ ہے کہ ان میں ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی نہیں کی جا سکتی رائی برابر بھی ایسا عمل نہیں کیا جا سکتا جس کے بارے میں راسخ علم حاصل نہ کر لیا گیا ہو ورنہ خرابیاں وتباہیاں آئیں گی اور اس کا ذمہ دار انسان ہوگا تو دوسری طرف انسان کو کچھ بھی علم نہیں، اسے اپنی ہی ذات کا علم نہیں اسے اس مقصد کا علم نہیں جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے خلق کیا گیا اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے لیکن اس کے باوجود انسان رات دن اعمال پر اعمال کیے جا رہے ہیں۔

اب ظاہر ہے جب انسان بغیر علم کے اپنی مرضی کیمطابق اعمال انجام دے رہے ہیں تو پھر نہ صرف آسمانوں وزمین میں خرابیاں اور بالآخر تباہیاں آئیں گی بلکہ کل کو جس کا یہ وجود ہے وہ ذات پھر سوال بھی کرے گی کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور پھر سزا وجزا بھی دے گی مگر کل کو جب انسان سے وہ ذات اس بارے میں سوال کرے گی تو انسان بہت ہی آسانی سے یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ اگر اس پر اس کی تخلیق کا مقصد واضح کیا جاتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا جس سے آسمانوں وزمین میں خرابیاں اور بالآخر تباہیاں آتیں لیکن جب اسے کچھ بتایا ہی نہیں گیا اس پر کچھ واضح ہی نہیں کیا گیا اس کی کوئی راہنمائی ہی نہیں کی گئی راہنمائی تو دور اسے تو خلق ہی بھولا ہوا کیا گیا تو پھر حساب کس بات کا، حساب کتاب اور سزا وجزا کس جرم کی؟

یعنی ظاہر ہے آپ کسی کو بھی اس وقت تک سزا نہیں دے سکتے جب تک کہ اس کے پاس کوئی معقول وجہ ہو کوئی ایسا عذر ہو جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس کے باوجود بھی حساب لیا جاتا ہے سزا وجزا دی جاتی ہے تو ایسا کوئی ظالم ہی کر سکتا ہے اور اگر مالک ظالم نہیں ہے تو حساب کتاب اور سزا صرف اور صرف وہیں دی جا سکتی ہے جہاں سامنے والے پر حجت کر دی جائے یعنی اس پر ہر بات اس قدر کھول کھول کر واضح کر دی جائے کہ اس کے پاس کل کو کوئی عذر نہ ہو وہ چاہ کر بھی کوئی عذر یا بہانہ وغیرہ پیش نہ کر سکے اسے علم ہو کہ اس نے جو بھی جرم کیا ہے اس کا ذمہ دار ہر لحاظ سے وہ خود ہے اور وہ اس جرم کی سزا کا ہر حال میں حقدار ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس ذات نے جو آسمانوں وزمین کی مالک ہے آسمانوں وزمین جس کا وجود ہیں یعنی اللہ، اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ وہ انسان کو بنا دے گا یعنی انسان پر وہ علم واضح کرے گا جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں، وہ انسان کی راہنمائی کرے گا کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا اور وہ مقصد کیسے پورا کیا جا سکتا ہے تا کہ سب کچھ واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اگر انسان وہی سب کرتا ہے جرائم ہی کرتا ہے آسمانوں وزمین میں فساد ہی کرتا ہے تو کل کو جب اس سے حساب لیا جائے تو اس کے پاس کوئی عذر کوئی بہانہ وغیرہ نہ ہو ہر لحاظ سے اس پر حجت ہو چکی ہو۔

انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ انہیں میں سے بشر کے ذریعے ہی ان کی راہنمائی کرتا ہے انسانوں سے کلام کرتا ہے ان پر حق واضح کرتا ہے ایسے بشر کو نبی کہا جاتا ہے یعنی وہ نظر آنے میں تو باقی انسانوں کی طرح ایک بشر ہوتا ہے لیکن وہ انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا ہے اللہ راہنمائی کر رہا ہوتا ہے اس بشر کی صورت میں، نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہے کہ میں ہوں جو تمہاری راہنمائی کر رہا ہوں تمہیں وہ بتا رہا ہوں وہ علم دے رہا ہوں جو صرف اور صرف میرے یعنی اللہ ہی کے پاس ہے میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ اب انسان بھی بشر ہیں تو انسان بھی کل کو ایسا کریں گے یعنی انسان نبی ہونے کے دعویدار بن جائیں گے انسان اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں سے ہر کوئی یہی کہے گا کہ میں تمہاری راہنمائی کرتا ہوں کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے، کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، کیسے کرنا ہے اور کیسے نہیں کرنا یعنی بہت سے انسان بھی انسانوں کی راہنمائی کے لیے کھڑے ہو جائیں گے تو سامنے جو کہ ہیں ہی انسان جو ہیں ہی بھولے ہوئے وہ یہ فیصلہ کیسے کر پائیں گے کہ آیا ان میں سے اللہ کون ہے اور انسان کون ہے کیونکہ سب کے سب بشر ہی تو ہیں اب اگر اللہ ان میں سے اپنی پہچان یعنی اپنے بھیجے ہوئے کی پہچان واضح نہیں کرتا اور جو نبی بھیجے ہوئے نہیں ہیں بلکہ جھوٹے مکار اور فراڈ ہیں ان کی پہچان واضح نہیں کرتا تو ظاہر ہے انسان گمراہ ہی ہوں گے اور وہی ہو گا جو اللہ نہیں چاہتا یعنی آسمانوں وزمین میں خرابیاں وتباہیاں ہوں گی۔

ظاہر ہے اگر انسان ہی انسانوں کی راہنمائی کے لیے نبی بن کر کھڑے ہوں گے یعنی انسانوں کی راہنمائی کے لیے آگے بڑھیں گے تو وہ انسانوں کی کیسے راہنمائی کر سکتے ہیں جو بذات خود انسان ہیں بھولے ہوئے ہیں، جنہیں اپنی ہی ذات کا علم نہیں وہ کیسے راہنمائی کر سکتے ہیں اور اگر ان کو راہنما بنا لیا جائے گا تو نتیجہ کیا نکلے گا یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں نتیجہ تو پہلے سے واضح ہے اس لیے اللہ نے ایک قانون بنا دیا جس سے نہ صرف انسان یہ فیصلہ کر سکیں کہ نبیوں یعنی راہنمائی کرنے والوں میں سے رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا کون ہے اور کون کذاب ہے بلکہ خود ان لوگوں پر بھی واضح ہو جائے جو انسانوں کی راہنمائی کرنے کی صلاحیت دیئے گئے ہیں کہ کون سا نبی رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا بن سکتا ہے جس کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے کہ جب دنیا میں تمام کے تمام انسان ضلالٍ مبینٍ یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد ہی گمراہیوں میں ہوتے ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تو اللہ پوری منصوبہ بندی سے ایک نبی دنیا میں لاتا ہے ایسا نبی جو ہوتا ہی بھیجا ہوا یعنی رسول نبی ہوتا ہے۔

اس کی پیدائش سے لیکر اس کی موت تک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کا طے کردہ ہوتا ہے یعنی اللہ انہیں میں سے ایک بشر کو عملی نمونہ بنا کر انسانوں کے سامنے رکھتا ہے کہ تم نے بھی بالکل ویسا ہی بننا ہے ہر کام ویسے ہی کرنا ہے جیسے اس نے یعنی رسول نے کیا اور جو بعد میں انسانوں کی راہنمائی کرنے والے آئیں گے یعنی نبیّن ان کے لیے اسے خاتم یعنی فلٹر بنا دیا جاتا ہے جو بھی بعد میں نبی آئیں گے ان میں سے وہی نبی اللہ کا رسول ہو گا جو اس کے فلٹر سے نکل کر آئے گا یعنی بالکل اسی کی طرح کا ہو گا اگر اس کا رسول سے موازنہ کیا جائے تو اس میں رسول کی ذات ہی نظر آنی چاہیے۔

رسول کے بعد دنیا جب تک دوبارہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلی جاتی یہاں تک کہ نور کی ایک کرن بھی نہیں رہتی تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے یعنی وہ لوگ جو انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار ہوں گے جو انسانوں کو کہیں گے کہ ہم تمہاری راہنمائی کرتے ہیں دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے، کیسے کھانا ہے کیسے پینا ہے کیسے چلنا ہے کیسے اٹھنا بیٹھنا ہے کیسے شادی کرنی ہے کیسے بچے پیدا کرنے ہیں کیسے رشتے ہونے چاہئیں یعنی کسی بھی لحاظ سے جو انسانوں کی راہنمائی کریں گے خواہ وہ کسی بھی نام سے جانے پہچانے جائیں، لوگ انہیں علماء کہیں، مفتیان، شیوخ، علامہ، پروفیسر، استاد، پیر، لیڈر، راہنما یا جو بھی نام دیں عربی میں انہیں نبی کہا جاتا ہے اور ان میں سے صرف وہی نبی اللہ کے بھیجے ہوئے ہوں گے جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے جن کی ذات میں رسول کی ذات نظر آئے۔

جب دنیا ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوتی ہے کہ نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تب اللہ جس رسول کو بعث کرتا ہے وہ نہ صرف رسول ہوتا ہے بلکہ وہ خاتم

النبیّن بھی ہوتا ہے یعنی اللہ نے اسے بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر بنا دیا جب بھی کوئی شئے فلٹر سے نکلتی ہے تو فلٹر سے پہلے وہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن جب وہ فلٹر سے نکلتی ہے تو وہی بن جاتی ہے جیسے آپ نے فلٹر بنا دیا بالکل ایسے ہی اللہ جب رسول کو بعث کرتا ہے تو انسانوں کے سامنے عملی نمونہ رکھتا ہے کہ دیکھو تم نے ہر کام ایسے ہی کرنا ہے جیسے اس رسول نے کیا اس لیے اللہ رسول کو بعد میں آنے والے انسانوں کے راہنماؤں یعنی نبیّن کے لیے فلٹر بنا دیتا ہے اور عربی میں اسے رسول اللہ وخاتم النبیّن کہا جاتا ہے۔

بھیجا ہوا اللہ کا اور نہ صرف بھیجا ہوا اللہ کا بلکہ بعد میں انسانوں کی راہنمائی کرنے والے آنے والوں کے لیے فلٹر کے اس کے بعد صرف وہی نبی یعنی انسانوں کا راہنما اللہ کا بھیجا ہوا ہوگا جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آئے گا اور جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آنے والا نہیں وہ نہ صرف انسان ہوگا بلکہ وہ کذاب اور شیطان ہوگا اس لیے اس کی اطاعت واتباع نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار بنا پھرے ورنہ جب یوم القیامہ آئے گا تو اسے سب سے سخت عذاب دیا جائے گا۔

یہ ہوتا ہے رسول اللہ وخاتم النبیّن بالکل اسی طرح محمد بھی نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ وہ خاتم النبیّن بھی تھے یعنی تب تک آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر جب تک کہ دنیا دوبارہ سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلی جاتی کہ نور کی ایک کرن بھی نہ رہے اور پھر ایسی صورت میں پھر رسول اللہ وخاتم النبیّن کو بعث نہیں کر دیا جاتا۔

یعنی رسول اس وقت تک خاتم النبیّن یعنی بعد میں آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر ہوتا ہے جب تک کہ اگلا رسول نہیں آ جاتا۔

محمد نہ صرف رسول اللہ بلکہ خاتم النبیّن تھے اگلے رسول یعنی عیسیٰ رسول اللہ کی بعثت تک، محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی ایسا نبی نہیں تھا جو رسول نبی ہوگا کیونکہ رسول نبی صرف اور صرف اس وقت بعث کیا جاتا ہے جب دنیا سو فیصد گمراہیوں میں ہوتی ہے نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی جب رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو اس کی بعثت سے پہلے جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا ہے جو کہ اس سے پچھلے رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ سب کے سب پر لکیر پھیر کر صفر سے شروع کرتا ہے جو وہ بتائے گا صرف اور صرف وہی دین ہوگا اس کے علاوہ جو کچھ بھی کیا جا رہا تھا جو کہ ظاہر ہے گزشتہ رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ دین نہیں بلکہ گزشتہ رسول سے منسوب تمام تر گمراہیاں ہیں گمراہیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں اس لیے جب بھی رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو اسے اسی ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہم نے نہ ہمارے آباؤاجداد نے کبھی سنا تھا۔

جب موسیٰ کو بعث کیا گیا تو موسیٰ بھی رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھا موسیٰ کو بھی اسی ملامت کا سامنے کرنا پڑا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہمارے آباؤاجداد کے دین کیساتھ کوئی تعلق نہیں پھر جب موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں چلے گئے کہ نور کی ایک کرن بھی نہ رہی تو عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن کی بعثت ہوئی تو عیسیٰ ابن مریم کو بھی اسی ملامت کا سامنا کرنا پڑا اور پھر عیسیٰ ابن مریم کے بعد محمد کی بعثت ہوئی تو محمد کو بھی اسی بات کا سامنا کرنا پڑا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا نہ تو ہم سے اور نہ ہی ہمارے آباؤاجداد کیساتھ کوئی تعلق ہے اور یہی ہونا تھا محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن کے بعد احمد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کیساتھ کہ جب احمد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کو بعث کیا جانا تھا تو اس نے بھی اس سب پر لائن لگا دینی تھی جو محمد سے منسوب کر کے اس سے پہلے کیا جا رہا تھا اور اس نے جو دعوت دینی تھی لوگوں نے اسے یہی کہنا تھا جو حسب سابق گزشتہ ہر رسول کو کہا گیا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہم اور ہمارے آباؤاجداد کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

یہی نبا محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل اپنی بعثت کے دوران ہی دے دی تھی کہ **انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی** میں خاتم النبیّن ہوں نہیں نبی میرے بعد یعنی میں مستقبل میں آنے والے نبیوں کے لیے فلٹر ہوں میرے بعد کوئی نبی مستقبل میں آنے والے نبیوں کا فلٹر نہیں۔ ظاہر ہے خاتم النبیّن کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول خاتم النبیّن ہوتا ہے اور رسول کو صرف اور صرف تب بعث کیا جاتا ہے جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں تب رسول بعث کیا جاتا ہے جو کہ خاتم النبیّن ہوتا ہے محمد علیہ السلام رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھے ان کے بعد جتنے بھی نبی آئیں گے یعنی انسانوں کی راہنمائی کے دعویداران میں سے کوئی ایک بھی خاتم النبیّن نہیں ہوگا کیونکہ خاتم النبیّن صرف اور صرف رسول ہوتا ہے اور محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی رسول نہیں جس کا ذکر بھی محمد علیہ السلام نے کر دیا۔

النبی ﷺ قال: لیس بینی و بینه نبی یعنی عیسیٰ. ابو داؤد

النبی ﷺ نے کہا تھا: ہرگز نہیں ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی یعنی میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں جو رسول نبی ہو کیونکہ محمد نبی رسول نہیں بلکہ رسول نبی تھے اور رسول نبی جو بعث کیا جاتا ہے تب جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں خاتم النبیّن ہوتا ہے اور محمد کے بعد صرف اور صرف عیسیٰ ہے جو رسول نبی ہے جو کہ خاتم النبیّن ہوگا تو محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی رسول نبی نہیں ایسا اس لیے واضح کر دیا کیونکہ محمد اور عیسیٰ کے درمیان تقریباً تیس کے قریب ایسے لوگوں نے ظاہر ہونا تھا جنھوں نے اپنے عمل سے رسول ہونے کا دعویدار ہونا تھا جس کا ذکر بھی محمد علیہ السلام نے کر دیا جو کہ روایت آپ کے سامنے ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون قريب من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله. ترمذی

رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی الساعت جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا گمان یہی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

آپ پر یہ بات واضح ہو چکی کہ رسول صرف اور صرف اس وقت بعث کیا جاتا ہے جب دنیا سو فیصد گمراہیوں میں چلی جاتی ہے نور کی ایک کرن بھی نہیں رہتی اور رسول آکر دین کو بالکل نئے سرے سے سامنے لاتا ہے رسول کی بعثت سے قبل جو کچھ بھی گزشتہ رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ ہر لحاظ سے گمراہیاں ہوتی ہیں محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی رسول نہیں تو ظاہر ہے اگر محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی ایسا شخص سامنے آتا ہے جو خود کو رسول بتاتا ہے یا پھر وہ محمد کے برعکس کوئی اور شیئے سامنے لاتا ہے اور اسے دین قرار دیتا ہے تو وہ عملاً رسول ہونے کا دعویدار ہوتا ہے جو کہ دین کو بدلنے والا ہوتا ہے اور ایسی ہی تقریباً تیس شخصیات جنھوں نے محمد اور عیسیٰ کے درمیان آنا تھا اور دین کو بدلنا تھا محمد نے ان کے بارے میں آگاہ کر دیا اور وہ تیس کے قریب کون سی شخصیات تھیں ان کے بارے میں جاننا کوئی مشکل نہیں آپ اگر اس بات کو جان لیں کہ محمد کیا چھوڑ کر گئے اور ان کے بعد کیا اور کن لوگوں نے اس کے برعکس گھڑ کر انسانوں کو ہدایت کے نام پر تھما دیا تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ وہ تیس کے قریب کذابون دجالون کون لوگ تھے۔

محمد علیہ السلام نے صرف اور صرف ایک ہی شیئے چھوڑی اور وہ تھی الکتاب اور ھذا القرآن جب تک محمد کے بعد عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن کی بعثت نہیں ہو جاتی کسی کو بھی حق نہیں تھا کہ وہ اس قرآن کے متبادل کچھ گھڑ کر ہدایت کے ذریعے کے نام پر سامنے لاتا کیونکہ عیسیٰ رسول اللہ کی بعثت تک محمد رسول اللہ و خاتم النبیّن کے فلٹر سے جس جس نبی نے بھی آنا تھا اس کا کام تھا کہ وہ اپنے اپنے دور کے تقاضے کے مطابق صرف اور صرف قرآن کی آیات کو ہی بیّن کرتا نہ کہ قرآن کے برعکس کچھ گھڑ کر سامنے لاتا۔ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ھذا القرآن تو تاریخ ہے اللہ کے کلام کی یعنی اللہ کا اول تا آخر تمام کے تمام انسانوں سے جو کلام ہے یعنی گفتگو ہے وہ درج ہے اس قرآن میں آیات کی صورت میں اور اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے اپنے رسولوں کے ذریعے اور اللہ کے رسول ہوتے ہیں جو رسول اللہ و خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے نبی ہوتے ہیں۔ یوں اللہ نے جیسے محمد سے قبل ہر وقت کے انسانوں سے اپنے رسولوں کے ذریعے کلام کیا جس کی تاریخ اللہ نے قرآن میں آیات کی صورت میں اتاری بالکل اسی طرح محمد اور محمد کے بعد محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ اللہ کے رسول تھے ان کے ذریعے انسانوں سے کیے جانے والے کلام کی تاریخ اللہ نے چودہ صدیاں قبل ہی اتار دی تھی اس لیے محمد کے بعد آنے والے النبیّن کے ذریعے جو اللہ نے انسانوں سے کلام کیا ان النبیّن اور ان کے مخاطبین یعنی انسانوں کی تاریخ اللہ نے چودہ صدیاں قبل اتار دی تھی۔

محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے نبیوں نے کچھ نیا گھڑ کر سامنے نہیں لانا تھا بلکہ ان کی دعوت کو ہی اللہ نے اس قرآن میں آج سے چودہ صدیاں قبل آیات کی صورت میں درج کر دیا تھا اب اگر قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ محمد کے بعد آنے والے النبیّن میں سے کسی نے قرآن کے متبادل لوگوں کو تھمایا تو بلا شک وشبہ وہ لوگ نبی رسول تھے اور اگر قرآن اس کے برعکس کہتا ہے تو پھر ان تیس کذابون دجالون کو پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔

قرآن سے ہی اس کی راہنمائی لے لیں دیکھیں کہ قرآن اس سوال کا جواب کس طرح دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. الفرقان ۳۰

اور کہا جو بھی رسول موجود ہے اے میرے ربّ اس میں کچھ شک نہیں میری قوم نے اخذ کیا ہوا ہے پکڑا ہوا ہے اس قرآن کا متبادل وہ جس سے یہ اس قرآن سے ہجرت کیے ہوئے ہیں اس قرآن کو ترک کر کے اس سے راہنمائی لے رہے ہیں۔

اس آیت میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں کسی ایک رسول کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس آیت میں بہت سے رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور آیت میں بالکل دوٹوک

یہ بات واضح ہے کہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بعثت سے قبل نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ ان کی بعثت سے قبل انسانوں نے خود کو امت محمد کہلوانے والوں نے اس قرآن کے برعکس بہت کچھ گھڑ کر ہدایت کے نام پر اخذ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ اس قرآن کو ترک کر چکے ہوئے تھے۔ اس قرآن کے بعد ایسے اوقات میں جو بھی رسول موجود رہا تو اس کا کام یہی رہا کہ وہ لوگوں کو اس قرآن کی طرف دعوت دیتا رہا اس قرآن کی ہی آیات کو اپنے دور کے تقاضے کے مطابق بیّن کرتا رہا لیکن لوگوں نے اس کی دعوت کو تسلیم کر کے اس قرآن کی طرف آنے کی بجائے قرآن کو ترک کر کے اسی طرف ہجرت کیے رہے جو اس قرآن کے متبادل لوگوں کو تھما دیا گیا تھا۔

اس آیت میں سب سے پہلی بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ اللہ نے بند کر دیا تو پھر یہ اس آیت میں کن رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے پہلے ہی نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ اس قرآن پر ایمان لانے کے دعویدار بھی موجود تھے جنہوں نے اس قرآن کے متبادل جو کچھ گھڑ رکھا تھا اس قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کیے ہوئے تھے؟ دنیا کی کوئی طاقت اس آیت میں نہ تو ایک رسول کے ذکر کو ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ان سب کے سب کو صرف ایک ہی محمد ثابت کر سکتی ہے یہاں تک کہ اس آیت میں محمد کا تو ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان سے پہلے ہی نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ اس قرآن کو ماننے والے اور اس قرآن کے برعکس بہت کچھ گھڑ کر اس قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کیے ہوئے تھے اور ہر کسی کو علم ہے کہ محمد قرآن کے بعد نہیں بلکہ محمد کی بعثت کے وقت تو اس قرآن کو نام ونشان بھی نہیں تھا الٹا یہ قرآن تو محمد پر اتارا گیا تھا۔

اب یہ بات جان لیں کہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ اس قرآن کے بعد آنے والے رسولوں کا ذکر کیا گیا وہ رسول جو محمد رسول اللہ کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن تھے۔ محمد کے بعد النبیّن کی ایک بہت بڑی تعداد یہاں تک کہ ہزاروں کی تعداد نے آنا تھا لیکن ان میں سے کونسا نبی رسول ہے یعنی اللہ کا بھیجا ہوا ہے اس کا فیصلہ صرف اور صرف اس پر تھا کہ ان میں سے کون سا نبی محمد کے فلٹر سے نکل کر آتا ہے جو نبی محمد کے فلٹر سے نکلے گا تو فلٹر ہونے سے وہ رسول بن کر نکلے گا یعنی وہ رسول بن جائے گا اس کی ذات میں محمد ہی نظر آئے گا اس لیے ہر اس نبی جو کہ رسول ہو گا اس کا کام تھا کہ محمد کے لائے ہوئے قرآن کی آیات کی وہ آیات جو ان میں سے ہر ایک کے وقت کے لیے تھیں انہیں بیّن کرتا لوگوں پر کھول کھول کر واضح کرتا نہ کہ وہ اس قرآن کا متبادل گھڑ کر پیش کرتا اور پھر ظاہر ہے جنہوں نے اس قرآن کی آیات کو بیّن کرنے کی بجائے اس قرآن کے برعکس لوگوں کو کچھ ایسا گھڑ کر دیا کہ جس وجہ سے لوگوں نے قرآن کو ترک کر دیا لوگوں نے قرآن کی بجائے اسے ہدایت کا ذریعہ بنا لیا تو وہ نبی رسول نہیں بلکہ وہ شیاطین ہیں کیونکہ یہی آیت اس بات کو بھی ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیتی ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا. الفرقان ۳۰

جو بھی رسول ہے اس کی دعوت صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہے یوں اللہ نے ان نبیوں کی پہچان بھی واضح کر دی تھی جو نبی رسول ہوں گے شیاطین نہیں اور ان کی پہچان یہ تھی کہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہی دعوت دیں گے۔ اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا تو نبی کا بھی جوڑا ہے ایک نبی رسول تو اس کا جوڑا نبی رسول نہیں بلکہ نبی شیطان مجرم نبی۔

نبی رسول کا کام لوگوں کو اس قرآن کی طرف لانا اور نبی شیطان کا کام اور مقصد لوگوں کو اس قرآن کی طرف آنے سے روکنا اور اس کے لیے ظاہر ہے کوئی بھی ذریعہ اختیار کیا جا سکتا ہے جو بھی آ کر لوگوں کو اس قرآن کی طرف آنے سے روکے گا تو ظاہر ہے وہ اعلاناً تو ایسا نہیں کرے گا کہ لوگو میں تمہیں اس قرآن کی طرف جانے سے روک رہا ہوں بلکہ وہ اس طرح لوگوں کو قرآن کی طرف آنے سے روکے گا کہ کسی کو شک بھی نہیں ہو گا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آئے گا کہ یہ تو شیطان ہے یعنی یہ تو لوگوں کو قرآن کی طرف جانے سے روک رہا ہے اور اس کے لیے وہ کہے گا کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب نہیں تو اس لیے اس قرآن کے متبادل کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے یوں وہ قرآن کا متبادل لوگوں کے سامنے پیش کرے گا اور بالآخر لوگ اس قرآن کے متبادل کو ہی اپنے لیے ہدایت کا ذریعہ سمجھیں گے اور قرآن کو ترک کر دیں گے۔

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا. الفرقان ۳۰

محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے ہر نبی جو کہ فلٹر سے نکلنے سے رسول بن جائے گا نبی رسول اس کی دعوت صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہونا تھی اس نے صرف اور صرف اسی قرآن کو بیّن کرنا تھا لوگوں پر اس وقت کے تقاضے کے مطابق آیات کو کھول کھول کر واضح کرنا تھا اور ان کے برعکس

نبیّن شیاطین نے لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دینے کی بجائے قرآن کو اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق بیّن کرنے کی بجائے اس قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے لانا تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے ہدایت کا ذریعہ سمجھ کر اخذ کرلیں گے اور قرآن کو ترک کردیں گے۔

اب آپ کو ان تیس کذابون دجالون کی بالکل واضح سمجھ آجائے گی جن تیس کے قریب شیاطین نے محمد اور عیسیٰ کے درمیان اپنے عمل سے رسول ہونے کا دعویٰ کرنا تھا اور پھر ان میں سے ہر ایک کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ شیطان کے فلٹر سے نکل کر شیاطین ہی بنیں گے یعنی وہی کام کریں گے جو ان کے کذاب شیطان رسول نے کیا قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ان کی بھی واضح پہچان ہوجائے گی۔

تھوڑا سا غور کریں وہ کیا شیئے ہے جو محمد رسول اللہ علیہ السلام نے نہیں چھوڑی تھی لیکن بعد میں گھڑ کر اخذ کرلی گئی اور اس کی وجہ سے لوگ قرآن سے دور ہوگئے لوگوں نے قرآن سے اس کی طرف ہجرت کی اسی کو ہدایت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سے راہنمائی لیتے رہے؟

وہ کون سی شیئے ہے جو ھذا القرآن کی شریک ہے؟ وہ کون سی شیئے ہے جس کی وجہ سے بظاہر زبان سے تو قرآن کے بعد ثانوی حیثیت رکھتی ہے لیکن درحقیقت قرآن کو اس کے سامنے ثانوی حیثیت دی جاچکی؟ وہ کون سی شیئے ہے جس کو قرآن کے علاوہ قرآن کے ساتھ ساتھ لازم وملزوم قرار دیا گیا اس کا کفر قرآن کا کفر قرار دیا جاتا ہے؟ وہ کون سی شیئے ہے جو قرآن کو ترک کرکے اس کی طرف ہجرت پر ابھارا جاتا ہے؟ وہ کون سی شیئے ہے جو قرآن کو ترک کرکے اس کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اسے قرآن کا جزو یا قرآن کیساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے حق میں دلائل دیئے جاتے ہیں جس وجہ سے لوگوں نے قرآن کو ترک کردیا اور اس کیساتھ ایسے چمٹے ہوئے ہیں کہ اگر اس کے خلاف بات کی جائے تو دشمنی میں ہر حد پار کرنے پر اتر آتے ہیں؟

جواب بہت کڑوا ہے لیکن حق کسی کی خواہشات کی اتباع کا نام نہیں اور نہ ہی حق باطل کی پرواہ کرتا ہے جواب جو کہ حق ہے وہ یہ ہے کہ انہیں آج کتب احادیث کا نام دیا جاتا ہے اور انہیں روایات کی کتب کی بنیاد پر قرآن کی تفاسیر کے نام پر جو کچھ گھڑا گیا وہ سب ہے۔

وہ تیس کے قریب دجالون کذابون شیاطین جنہوں نے دین کو بدلنا تھا وہ وہی شخصیات تھیں جن کے بت دماغوں میں بنا کر انہیں پوجا جاتا ہے اور انہیں امام کہا جاتا ہے جن میں مالک، مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی، طبری، ابن کثیر وغیرہ سمیت ایسی ہی باقی شخصیات ہیں اور ماضی قریب میں ابن تیمیہ، ابن عبدالوہاب، احمد رضا خان بریلوی اور مرزا غلام قادیانی اور ابوالاعلیٰ مودودی سمیت کئی شیاطین مجرمین دجالون کذابون ہیں۔

ایک طرف محمد علیہ السلام نے صرف اور صرف قرآن چھوڑا تو دوسری طرف محمد کے شریکوں نے شیاطین نے قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے حق میں ایسے ایسے دلائل دیئے کہ لوگوں نے قرآن کو ترک کردیا اور اسے ہی قرآن سمجھ کر اخذ کرلیا، ان شیاطین کے فلٹر سے نکل کر آنے والے شیاطین نے بھی وہی کیا قرآن کے تراجم وتفاسیر کے نام پر لوگوں کو قرآن سے ہی دور کردیا۔

کیا یہی کتب روایات جنہیں احادیث کا نام دیا جاتا ہے یہ قرآن کا متبادل نہیں جنہیں لوگوں نے قرآن کو ترک کرکے اخذ کیا ہوا ہے؟

کیا یہی وہ قرآن کا متبادل نہیں جس سے ہر معاملے میں ہر مسئلے میں راہنمائی لی جاتی رہی اور لی جارہی ہے؟

کیا یہی وہ کتب روایات نہیں جنہیں قرآن کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے یہاں تک کہ انہیں قرآن کا جزو اور عملاً انہیں قرآن قرار دیا جاتا ہے؟

کیا یہی وہ کتب روایات قرآن کا متبادل نہیں جس کا انکار قرآن کا انکار قرار دیا جاتا ہے؟

کیا یہی کتب روایات ہی قرآن کا وہ متبادل نہیں جس کے خلاف ایک لفظ بولنے پر بھی آپ پر کفر وارتداد اور قتل کے فتوے جاری ہوجائیں گے؟

اب ذرا غور کریں اس امت میں دو طرح کے راہنمائی کرنے والے آئے ایک وہ جن کا مقصد، مرکز محور صرف اور صرف یہی قرآن تھا جن کا کردار اگر سامنے رکھا جائے تو قرآن ان کی گواہی دے گا کہ قرآن میں آیات کی صورت میں انہی کی تاریخ لکھی گئی تھی اور دوسری وہ شخصیات جن کا مرکز محور اور مقصد قرآن نہیں بلکہ قرآن کا شریک قرآن کا متبادل گھڑ کر اس کے ذریعے سے لوگوں کو قرآن کی طرف جانے سے روکنا تھا اور قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دینا تھی۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ. الفرقان ۳۱

اور بالکل اسی طرح کردیا ہم نے تمام کے تمام نبیوں کے لیے دشمن مجرمین سے۔

پچھلی آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا اس آیت میں واضح کردیا گیا کہ وہ رسول تمام کے تمام نبی ہیں جو قرآن کے نزول کے بعد آتے رہے جو آ کر صرف اور

صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیتے رہے اوران کے برعکس جو مجرمین تھے وہ قرآن کے برعکس قرآن کی طرف آنے سے روکتے اورقرآن کے متبادل کی طرف دعوت دیتے رہے یوں جب کسی بھی نبی رسول نے اس قرآن کی طرف دعوت دی تو نبی شیاطین جو کہ مجرمین ہیں وہ ہر نبی رسول کے دشمن بن گئے انہوں نے اللہ کے نبیوں پر کفر کے فتوے لگائے عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا مشتعل کیا جس وجہ سے محمد کے بعد محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ رسول تھے ان میں سے کچھ کو قتل کیا جاتا رہا اور کچھ کی تکذیب، ان کو طرح طرح سے تکالیف پہنچائی جاتی رہیں ان کے ساتھ ہر طرح سے دشمنی کی گئی۔

دونوں آیات کو سامنے رکھیں تو آپ پر یہ بات ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان دونوں آیات میں قرآن کے نزول کے بعد آنے والوں میں سے دو طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ایک وہ جن کا مقصد ومحور یہ قرآن تھا یوں وہ صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیتے رہے جنہیں رسول نبی کہا گیا اوران کے برعکس دوسرے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کا مقصد ومحور اس قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کو اس قرآن سے روکنا اور اس قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دینا تھا جنہیں مجرمین کہا گیا یعنی ان لوگوں نے اگر اس لائن کا انتخاب کیا تھا کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کریں تو ان کا کام تھا کہ وہ صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیں اس قرآن کی آیات کو ہی اپنے اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق لوگوں پر کھول کھول کر واضح کریں جو کہ انہوں نے نہ کیا اوراس کے برعکس کیا تو یہ ان کا جرم ہے یوں ایسے تمام کے تمام اللہ کے مجرم ہیں۔

اب ایک طرف النبیّن رسول ہیں اور دوسری طرف نبیّن شیاطین مجرمین اللہ کے مجرم، ظاہر ہے جب کوئی صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دے گا تو مجرمین اس بات کو ایسے بشر کو برداشت کریں گے؟ کیونکہ مجرمین کا مقصد ہی جب اس کے بالکل خلاف ہے لوگوں کو قرآن سے روکنا ہے تو جب کوئی ان کے اس مقصد میں رکاوٹ بنے گا تو یہ شیاطین مجرمین اس کے دشمن بن جائیں گے اور مجرمین دشمنی میں کسی بھی حد تک جانے سے بھی گریز نہیں کرتے یہی امت بنی اسرائیل اور گزشتہ ہر امت ہر قوم میں ہوا اور یہی موجودہ امت میں بھی ہوتا رہا۔

اب آپ کو اس روایت کی بالکل کھل کر سمجھ آ چکی ہوگی۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلھم یزعم انه رسول الله. ترمذی

رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا یہی گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتی ...... سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی. ترمذی

کہا رسول اللہ ﷺ نے نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ۔۔۔۔عنقریب ہی ہو رہے ہیں میری امت میں تیس کذاب تمام کے تمام کا یہ گمان ہوگا کہ وہ نبی ہے اوراس میں کچھ شک نہیں میں خاتم النبیّن ہوں نہیں میرے بعد نبی۔

ان روایات میں آپ پر ایک اور بات واضح ہو چکی ہوگی کہ روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ ہیں **سیکون فی امتی ثلاثون کذابون** بہت جلد ہی عنقریب ہو رہے ہیں میری امت میں تیس کذابون یعنی محمد علیہ السلام اس سے قبل یہ بات واضح کر چکے تھے جو کہ روایات میں بھی موجود ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے کہ اس امت کی عمر پندرہ سو سال ہے اور اس امت کے شروع میں ہی محمد علیہ السلام کے بعد جلد ہی ان تیس کذابون نے ظاہر ہونا تھا اور پھر محمد کی امت سے ہی ہونا تھا ایسا نہیں کہ وہ الگ امت کے دعویدار ہوں گے یا وہ اپنی زبان سے کہیں گے کہ وہ رسول نبی ہیں بلکہ یہ ان کا گمان ہوگا بظاہر وہ اپنی زبان سے کبھی بھی رسول نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کریں گے بلکہ ان کی پہچان یہ ہوگی کہ ان کا عمل ان کی حقیقت کو واضح کرے گا اور عمل ان کا یہ ہوگا کہ وہ وہی کام کریں گے جو کام صرف اور صرف رسول ہی کرتا ہے یعنی وہ دین کو بدل دیں گے اور رسول تو محمد علیہ السلام تھے جن کو یہ حق تھا کہ وہ دین کو بدلیں یعنی ان کی بعثت سے قبل جسے دین سمجھ کر اس پر چلا جا رہا تھا اسے دین حق سے بدل دیں اس لیے محمد رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھے ان کے بعد کوئی نبی نہیں جب تک کہ اگلا رسول اور خاتم النبیّن یعنی عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن نہیں آ جاتا۔

اب کون نہیں جانتا کہ وہ تمیں کذابون دجالون کون ہیں جنہوں نے دین کو بدل ڈالا جنہوں نے قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں پر پیش کیا تا کہ لوگ قرآن کو ترک کر کے جوانہوں نے گھڑا اس کو ہدایت کا ذریعہ سمجھ کر اس کی طرف ہجرت کرلیں۔

پھر باقی روایات جن کی بنیاد پر آج تک شور مچایا جاتا رہا کہ محمد آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی حقیقت بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور روایت آپ کو نظر آرہی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب. ترمذی

کہا رسول اللہ ﷺ نے اگر تھا نبی میرے بعد تو اس مقصد کے لیے تھا یعنی نبی تھا عمر بن الخطاب۔

اس روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ دیکھیں محمد علیہ السلام نے خود کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب ہوتا۔ اس روایت کی حقیقت جاننے کے لیے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں ہونی چاہیے کہ اس روایت میں محمد علیہ السلام نے رسول نبی نہیں بلکہ نبی رسول جو کہ رسول خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والا نبی ہوتا ہے اس کا ذکر کیا کہ میرے فوری بعد نبی نہیں ہے اگر میرے فوری بعد نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا محمد علیہ السلام نے ایسا اس لیے کہا کیوں کہ محمد علیہ السلام خود اس کی وضاحت بھی کر چکے تھے کہ امت بنی اسرائیل میں ایسا ہوتا رہا کہ موسیٰ کی وفات ہوئی موسیٰ کے بعد نبوت میں تعطل نہیں آیا بلکہ نبوت کا تسلسل برقرار رہا موسیٰ کے فوراً بعد نبی موجود تھا اور بلا تعطل نبوت کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ بنی اسرائیل سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلے گئے تھے درمیان میں ایک لمحے کے لیے بھی نبوت میں تعطل نہیں آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب موسیٰ کی وفات ہوئی تھی تو اس وقت بنی اسرائیل کی ایسی حالت تھی کہ ان کے لیے ان میں نبی کی موجودگی ناگزیر تھی جو موسیٰ کے بعد ان پر اللہ کی آیات کی تلاوہ کرتا ان کا تزکیہ کرتا انہیں الکتاب کا علم سکھاتا اور حکمہ یوں انہیں زمین میں مکن دیا جاتا جس مقصد کے لیے وہ امت وجود میں لائی گئی وہ مقصد ان سے پورا کروایا جاتا لیکن محمد علیہ السلام کی جب موت ہوئی تب نبی کی ضرورت تھی ہی نہیں اللہ نے محمد علیہ السلام کے ذریعے ہی نہ صرف اس امت کو وجود میں لایا بلکہ اس امت کو زمین میں مکن بھی دے دیا گیا اس لیے محمد کے فوراً بعد نبی کی ضرورت نہیں تھی اور بعد میں جب ضرورت پیش آتی تب تب محمد کے فلٹر سے نکل کر النبیّن کو آنا تھا جو کہ تسلسل کیساتھ نہیں بلکہ وقفے وقفے سے تعطل کیساتھ۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں نسل در نسل نبوت ابراہیم کی ذریت میں چلتی رہی لیکن محمد کی ذریت میں کوئی بالغ لڑکا نہیں تھا جس وجہ سے نبوت کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا تھا اور محمد کی ذریت میں بالغ بااختیار لڑکے کا نہ ہونا اس لیے بھی ضروری نہیں تھا کیونکہ اللہ نے ابراہیم کی ذریت میں سے آگے الساعت کے قیام تک نبوت کے لیے آل عمران کا انتخاب کیا تھا یعنی اس امت کے آخر میں اس امت میں جس عیسیٰ نے آنا تھا وہ آل عمران سے ہوگا۔

اسی کا ذکر محمد علیہ السلام نے کر دیا جو کہ آپ کو اس وقت روایت نظر آرہی ہے

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی. ترمذی

اور اس روایت کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ رسالت اور نبوت منسوخ ہو چکی، منقطع ہو چکی، بند ہو چکی، ختم ہو چکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔

اس روایت میں لفظ قطع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے منسوخ کیا کچھ نے منقطع، کچھ نے بند اور کچھ نے ختم لیکن حقیقت کیا ہے آپ جان کر چونک جائیں گے اس روایت میں استعمال ہونے والا لفظ قطع قرآن میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے آپ قرآن کی ان تمام آیات میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں اس کے علاوہ کسی بھی عربی جاننے والے سے آپ سوال کریں کہ لفظ قطع کے معنی کیا ہیں وہ بھی آپ پر واضح کر دے گا کہ لفظ قطع کے معنی ہیں کسی شئے میں تسلسل کا نہ ہونا یعنی ٹکڑے ہونا۔ جب لفظ قطع کے معنی ٹکڑے ہونے کے ہیں تو پھر ان لوگوں سے سوال کیا جائے کہ ان شیاطین نے اس روایت کے تراجم و تفاسیر میں اتنا عظیم دھوکا کیوں دیا؟ انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ منسوخ، بند یا ختم کیسے کر دیا؟

اب آپ کے سامنے روایت اور اس کی حقیقت رکھتے ہیں پھر آپ خود فیصلہ کیجئے گا کہ ان شیاطین نے کس طرح آج تک انسانوں کو دھوکے میں رکھا۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی. ترمذی

اس میں کچھ شک نہیں رسالت اور نبوت تحقیق شدہ بات ہے جو کہا جا رہا ہے بالکل ایسا ہی ہے اگر تحقیق کرو گے اپنے گھوڑے دوڑاؤ گے تو یہی بات سامنے آئے

گی کہ قطعت ہو چکی یعنی رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی پس نہیں رسول میرے فوراً بعد جس سے رسالت میں تسلسل ہو اور نہ ہی میرے فوراً بعد نبی ہے جس سے کہ نبوت میں تسلسل قائم رہے۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت اس میں کچھ شک نہیں یہ بات طے شدہ ہے تحقیق شدہ ہے کہ رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں ہے ٹکڑے ہو چکی، لفظ انقطعت کو نیچے دی گئی لائینوں سے آسانی کیساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔

- -

اوپر پہلی لائن میں آپ کو تسلسل نظر آئے گا اس میں کوئی ٹکڑا نہیں ہے لیکن اس کے برعکس نیچے والی دوسری لائن میں آپ کو تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے نظر آ رہے ہیں، دونوں لائنیں ہیں لیکن اوپر والی میں تسلسل ہے اور نیچے والی لائن میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ہیں اس طرح ٹکڑے ہونے کو انقطعت کہا جاتا ہے۔ محمد علیہ السلام نے یہ نہیں کہا تھا کہ رسالت ونبوت منسوخ ہو چکی، ختم ہو چکی یا بند ہو چکی بلکہ بذات خود محمد علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اس میں کچھ شک نہیں رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ہو چکے اگر رسالت میں تسلسل ہوتا رسالت انقطعت نہ ہوتی تو محمد کے بعد محمد کا بیٹا رسول ہوتا لیکن رسول خاتم النبیّن نہیں اور اگر نبوت انقطعت نہ ہوتی تو محمد کے فوراً بعد عمر نبی ہوتا جس سے نبوت کا تسلسل برقرار رہتا اس لیے محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرے فوراً بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں۔ محمد رسول اللہ تھے ان کے فوری بعد ان کی اولاد سے ہی رسول ہو سکتا تھا یعنی پیدائشی نبی لیکن جب محمد کی ذریت میں لڑکا بالغ ہوا ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے رسالت میں تسلسل نہ رہا اور محمد کے بعد الساعت کے قریب موجودہ قوم کے آخرین میں اس امت کے آخرین میں عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن آئے گا اور نبی تو آئیں گے محمد کے فلٹر سے نکل کر لیکن محمد کے فوری بعد نہیں بلکہ بلا تسلسل بعد میں جا کر وقفے وقفے سے آئیں گے جب تک کہ دوبارہ ضلالٍ مبینٍ آ کر اگلا رسول و خاتم النبیّن احمد عیسیٰ نہیں آ جاتا۔

یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے کہا تھا **قال رسول الله ﷺ: لو كان نبي بعدي لكان عمر بن الخطاب. ترمذی** کہا رسول اللہ ﷺ نے اگر تھا نبی میرے بعد تو اس مقصد کے لیے تھا نبی عمر بن الخطاب۔

جن روایات کی بنیاد پر آج تک شور مچایا جاتا رہا کہ محمد آخری رسول اور نبی ہیں یعنی ختم نبوت کے نام پر باطل اور بے بنیاد عقیدہ اخذ کر لیا گیا ان روایات کی حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ ان لوگوں نے شیاطین نے کس طرح آج تک لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کیے رکھا۔ آپ نے جان لیا کہ ان میں کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں جس میں وہ بات کی گئی ہو جو باتیں ان ملاؤں نے جو اللہ کے دشمن ہیں مجرمین ہیں شیاطین نبیوں نے لوگوں کے اذہان میں ڈالی ہوئی ہیں یہ لوگ آج تک محمد علیہ السلام پر بہتان عظیم باندھتے رہے جو محمد علیہ السلام نے کہا ہی نہیں اس کو محمد علیہ السلام سے منسوب کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے رہے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے رہے۔

ان کے علاوہ بھی ایسی روایات ہیں جو نبوت ورسالت کے حوالے سے ہیں جو ان کے دجل کو چاک کر کے رکھتی ہیں جنہیں یہ لوگ آج تک چھپاتے آئے تا کہ ان کا دجل چاک نہ ہو چونکہ حق کو ایسی بیساکھیوں کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے ہم ان روایات کا سہارا نہیں لیں گے خواہ وہ ان کے کانوں اور سروں پر ہتھوڑے کی مانند اہمیت وحیثیت رکھتی ہیں کہ ان روایات کے سامنے آنے پر یہ لوگ منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہیں لیکن ہم ان شیاطین نبیوں کی طرح روایات کا سہارا نہیں لیں گے کیونکہ ہم ان کی روایات کے محتاج نہیں ہیں اور اگر ہم کہیں پر روایات کو سامنے لاتے ہیں تو صرف اور صرف اس لیے تا کہ یہ خود جان لیں کہ جن روایات کی بنیاد پر یہ لوگ اچھلتے ہیں وہی روایات ان کی حقیقت چاک کرتی ہیں انہیں ننگا کر کے رکھ دیتی ہیں۔

جو بھی آیات اور روایات ان کے ختم نبوت والے عقیدے کی بنیاد تھیں اور دلائل تھے ہم نے ان کی حقیقت ہر لحاظ سے ہر پہلو سے آپ پر واضح کر دی اب جبکہ ان کے اس عقیدے کی بنیاد ہی کالعدم ثابت ہو چکی جس کا وجود ہی مٹا دیا گیا جڑ سے اکھاڑ دی گئی تو ان کے اس عقیدے کی موت ہو چکی۔

ختم نبوت کے نام پر دیا جانے والا دجل عظیم چاک کر کے رکھ دیا گیا،حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت حق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی اور آج ابھی آپ کے پاس وقت ہے کہ حق کھل کر واضح ہو جانے پر حق کو تسلیم کر لیں ورنہ ہر کوئی جان لے کہ حق کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے آج اگر حق سامنے آیا ہے تو اس لیے نہیں کہ تم لوگ نہیں مانو گے تو حق خاموش ہو جائے گا نہیں بلکہ ہر ایک کو ماننا پڑے گا لیکن فرق یہ ہوگا کہ اکثریت اپنے آباؤ اجداد قوم نوح،قوم عاد،قوم ثمود،قوم مدین،قوم لوط اور آل فرعون کی مثل مانے گی لیکن وہ ماننا کوئی نفع نہیں دے گا۔

عقیدہ ختم نبوت نامی دجل کی حقیقت اور نبیوں کی کثیر تعداد جہنم میں جائے گی

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ. الحج ۵۲

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل مِنۡ رَّسُوۡلٍ رسولوں میں سے کوئی ایک بھی رسول وَّلَا نَبِیٍّ اور نہ ہی جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نبی اِلَّآ مگر یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے اور جتنے بھی نبی بھیجے اِذَا تَمَنّٰۤی ہر رسول اور ہر نبی نے جب بھی تمنا کی۔

تَمَنّٰۤی تمنا اور ھوا یعنی خواہش ان دونوں میں بہت ہی چھوٹا سا فرق ہے لیکن بظاہر چھوٹا سا فرق اصل میں بہت بڑا فرق ہے جب بھی ان دونوں میں سے کوئی بھی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو دونوں کا ترجمہ ومعنی ایک ہی کر دیا جاتا ہے خواہش لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں ہے خواہش لفظ ھوا کا معنی تو ہے لیکن تمنا کا نہیں۔

لفظ تمنا کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ اپنے مالک کے بہت ہی وفادار ہیں یا آپ مالک کی وفاداری کا عہد کرتے ہیں مالک آپ کو ایک کام سونپتا ہے اور اس کام کو کرنے کا مکمل طریقہ بھی آپ کو بتا دیتا ہے اب ہوتا یوں ہے کہ جب آپ مالک کا کام کر رہے ہوتے ہیں تو حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے آپ کو لگتا ہے کہ مالک کے بتائے ہوئے طریقے سے کام نہ صرف بہت زیادہ وقت میں مکمل ہوگا بلکہ فائدہ بھی اتنا نہیں ہوگا جتنا کہ اس کے برعکس اپنی مرضی کرتے ہوئے کیا جائے تو ہو سکتا ہے یعنی آس پاس کے حالات وواقعات کے اثر انداز ہونے سے آپ سوچتے ہیں کہ مالک کو تو کام سے غرض ہے مالک کو تو یہ کام چاہیے اور اگر اس کام کے لیے مالک کے طریقے کی بجائے شارٹ کٹ استعمال کیا جائے یعنی ایسے کام کیا جائے کہ نہ صرف کم وقت میں مکمل ہو بلکہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اسے عربی میں تمنا کہا جاتا ہے یعنی تمنا کہتے ہیں مقصد ومشن تو آپ کا نہیں بلکہ آپ جس کی وفاداری کا حلف اٹھائے ہوئے ہیں مقصد ومشن اسی کا ہے کام اسی کا ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے طریقے کی بجائے خود سے کسی اور ایسے طریقے سے کام انجام دینے کے بارے میں سوچنا کہ جو نہ صرف کم وقت میں مکمل ہو بلکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو یعنی مالک کے بتائے ہوئے طریقے، مالک کی راہنمائی کے برعکس اپنی طرف سے زیادہ بہتر کے بارے میں سوچنا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤی اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں میں سے کوئی ایک بھی رسول اور نہ ہی نبیوں میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسولوں کو بھیجا ان میں سے ہر رسول نے اور جتنے بھی نبی بھیجے ان میں سے ہر نبی نے جب بھی تمنا کی یعنی اس کو جو مقصد ومشن دیا گیا جو ذمہ داری دی گئی تو حالات وواقعات کے اثر انداز ہونے سے اس نے اسے پورا کرنے کے لیے ایسے طریقے کے بارے میں سوچا جو ہمارا وضع کردہ نہیں تھا جو طریقہ ہمارا نہیں جب بھی اس نے اس مقصد اور ذمہ داری کو ہمارے قانون سے ہٹ کر اپنے طریقے سے جلد اور زیادہ بہتر کرنے کے لالچ میں سوچا تو تب اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ القا کر دیا یعنی ڈال دیا ملاوٹ کر دی جس نے القا کر دیا وہ شیطان ہے اس کی اس ذمہ داری میں یعنی جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے القا کر دیا اس کی امنیت میں جو ذمہ داری اسے دی گئی اسے پورا کرنے کے لیے جب بھی اس نے ہمارے قانون کے برعکس سوچا تب۔

کوئی بھی رسول یا کوئی بھی نبی تمنا کیسے کرسکتا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے پہلے رسول و نبی کی ذمہ داری کو جان لیں اور اللہ نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا جو قانون بنایا ہے جب اسے جان لیا جائے گا تب خود بخود یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ہر رسول اور ہر نبی نے تمنا کیسے کی اور پھر کیسے اور کیا شیطان نے القا کر دیا۔

رسول یا نبی یعنی رسول نبی یا پھر نبی رسول جو کہ رسول خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن ہیں ہر ایک کی ذمہ داری انسانیت کی راہنمائی کرنا ہے انہیں بتا دینا ہے یعنی انسان کو اس وقت جب وہ دنیا میں موجود ہے دنیا میں لائے جانے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے، جو وہ بھول چکے ہیں وہ سب ان پر کھول کھول کر واضح کرنا ہوتا ہے تا کہ انسان حق واضح ہونے پر اس کی اطاعت و اتباع کے ذریعے دنیا و آخرت میں ہلاکت سے بچ جائیں، اللہ سے بچ جائیں۔

اس مقصد یعنی اس ذمہ داری کو کیسے پورا کیا جائے گا اس کے لیے بھی اللہ کا قانون ہے اور وہ قانون کیا ہے اسے آپ آسمانوں و زمین کی کسی بھی شیئے میں غور و فکر کر کے جان سکتے ہیں آپ زمین اور اس کے گرد گیسوں کی تہوں میں کسی بھی شیئے میں غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ اللہ کا کوئی بھی کام چھو منتر کر کے اچانک سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا ہر کام علم و حکمت سے ہوتا ہے یعنی اللہ کے ہر کام کے پیچھے نہ صرف مکمل علم ہوتا ہے بلکہ اس علم کو اپنے اپنے وقت پر استعمال کیا جاتا ہے نہ ہی رائی برابر کچھ پہلے کیا جاتا ہے اور نہ ہی بعد میں بلکہ ہر شیئے کو اس کے اپنے مقام پر ہی رکھا جاتا جس کے لیے انتہائی صبر کی ضرورت ہوتی ہے یوں اللہ کا ہر کام ایک لمبی مدت میں کئی مراحل طے کرنے کے بعد مکمل ہوتا ہے۔

مثلاً آپ ایک درخت ہی کی مثال لے لیجئے کہ درخت ایک دم اچانک سے وجود میں نہیں آتا بلکہ وہ ایک لمبی مدت اور پوری ترتیب کیساتھ کئی مراحل طے کرنے کے بعد وجود میں آتا ہے، سب سے پہلے بیج زمین میں جاتا ہے پھر وہ پھٹتا ہے اس میں سے ننھا سا پودا نکلتا ہے وہ پودا مرحلہ بہ مرحلہ بڑھتے بڑھتے ایک وقت آتا ہے جب درخت بن جاتا ہے اسی طرح آپ اپنی ہی ذات میں غور کر لیں کہ آپ ایک دم اچانک سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ایک مرد اور عورت جو کہ آپ کے والدین ہیں ان کے ملاپ سے پھر ماں کے پیٹ میں کئی مراحل طے کیے اس کے بعد آپ کا جنم ہوا پھر آپ مرحلہ بہ مرحلہ ایک لمبی مدت جو کہ سالوں پر محیط ہے اس کے بعد آج اس مقام پر پہنچے جہاں آج آپ ہیں، اس طرح آپ آسمانوں و زمین میں جہاں بھی جس میں بھی غور کریں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ اگر کوئی کام کرتا ہے تو وہ کام چھو منتر کر کے یا پھر انتہائی تیز رفتاری سے نہیں کیا جاتا بلکہ ایک لمبی مدت میں انجام دیا جاتا ہے جس کے لیے سب سے پہلی شرط صبر کا ہونا لازم ہے اور دوسری بات آپ جب غور و فکر کریں گے تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جیسے آپ نے کوئی کام کرنا ہے مثلاً آپ نے پلاؤ بنانا ہے تو اس کے لیے نہ صرف علم درکار ہے کہ پلاؤ بنانے کے لیے کیا کیا درکار ہے بلکہ اس علم کا کیسے استعمال کیا جائے کہ بہترین مطلوبہ پلاؤ بن جائے اور وہ اسی صورت ممکن ہے جب ہر شیئے کو اس کے مقام پر رکھا جائے گا اور ہر شیئے کے صحیح استعمال کے لیے اس کے صحیح وقت کا انتظار کرنا پڑے گا اس کے صحیح وقت کے انتظار میں اگر کوئی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کسی تکلیف یا آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے برداشت کیا جائے گا یعنی صبر کرنا پڑے گا، مطلب یہ کہ کب آگ جلانی ہے کتنی جلانی ہے کب برتن رکھنا ہے کتنا گرم کرنا ہے کب اور کتنا گھی ڈالنا ہے اور کتنا گرم کرنا ہے بتدریج اسی طرح کب کب کتنی کتنی اشیاء ڈالنی ہیں اور کتنی کتنی پکانی ہیں یہاں تک کہ بہترین مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہو جاتا۔

اسے کہتے ہیں حکیم ہونا اور اللہ نہ صرف العلیم ہے یعنی اللہ کو علم ہے کہ کوئی بھی کام کرنے کے لیے کیا علم درکار ہے بلکہ اللہ الحکیم ہی نہیں العزیز الحکیم ہے یعنی اللہ جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو وہ انتہائی باریکیوں کیساتھ ہر شیئے کو اس کے اصل مقام پر ہی رکھتا ہے اللہ ہر شیئے کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کے لیے صبر کرتا ہے جب تک کہ اس کا ہر لحاظ سے صحیح وقت نہیں آ جاتا تب تک خواہ کچھ بھی ہو جائے اللہ صبر کرتا ہے بالکل اسی طرح جب کوئی بشر اس ذمہ داری کے لیے کھڑا ہوتا ہے یعنی رسالت و نبوت کا دعویدار ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انسانوں کی اسی طرح راہنمائی کرے جیسے اللہ کا قانون ہے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف اس کے پاس علم ہونا چاہیے بلکہ اس علم کا انتہائی باریکیوں کیساتھ صحیح استعمال بھی لازم ہے جس کے لیے صبر لازم ہوگا۔

اب جب کوئی بھی رسول آتا ہے یا کوئی بھی نبی تو اس کی زندگی میں ایسا وقت ضرور اور بار بار آتا ہے کہ جب وہ سمجھتا ہے کہ اصل مقصد تو اس پیغام کو پہنچانا ہے تو اس کے لیے اگر اُس طرح کام کیا جائے گا جیسے کیا جا رہا ہے تو ایسے نہ صرف ایک لمبی مدت درکار ہے بلکہ نتیجہ بھی وہ سامنے آتا دکھائی نہیں دیتا جو اِس یعنی کسی اور طریقے سے کرنے سے آ سکتا ہے یعنی وہ سوچتا ہے کہ کیوں نہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے شارٹ کٹ کا استعمال کیا جائے جس سے نہ صرف انتہائی کم

وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک دعوت پہنچ جائے گی بلکہ نتیجہ بھی بہتر سامنے آئے گا۔ اس کے علاوہ بھی اسے جب سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان سختیوں سے آزمائشوں سے بچا بھی جا سکتا ہے اگر اس کے لیے اپنی کوئی سوچ و بچار کی جائے، لوگ ملامتیں کرتے ہیں تو ان ملامتوں سے بچا بھی جا سکتا ہے مثلاً ایک بات جس کا ابھی وقت نہیں ہے لوگ اس بارے میں سوال اٹھاتے ہیں اگر ان کے سوال کا فوراً جواب دیا جائے تو لوگوں کی ملامتوں سے بچ جائیں گے لیکن اللہ کی طرف سے اس سوال کے جواب کا ابھی وقت نہیں ہے اور جب تک اس کا ہر لحاظ سے صحیح وقت نہیں آجاتا تب تک خواہ کچھ بھی ہو جائے صبر کیساتھ انتظار کرنا پڑے گا جب ایسا کیا جاتا ہے تو لوگ نہ صرف جواب نہ ملنے پر ملامتیں کرتے ہیں بلکہ طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں شدت کا اظہار کرتے ہیں اب ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر تمنا کی جائے یعنی اللہ کے طریقے کو چھوڑ کر اپنا کوئی طریقہ سوچا جائے لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے ان کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہیں۔

رسول یا نبی کی مثال ایک روبوٹ کی سی ہوتی ہے جس پر اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ اس پر کسی دوسرے کو مکمل اختیار ہوتا ہے، رسول یا نبی وہی ہو سکتا ہے جو خالص اللہ کا غلام ہوا سے خود بھی یہ علم نہ ہو کہ اگلے لمحے اس نے کیا کرنا ہے کیونکہ وہ تو محض ایک آلہ ہے جسے اللہ استعمال کر رہا ہے اللہ چلا رہا ہے اس لیے رسول یا نبی کو ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ رسول یا نبی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ رسول یا نبی صرف اور صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دے جیسے ڈرائیور جس طرح چاہے گاڑی کو چلائے گاڑی کو خود پر کوئی اختیار حاصل نہیں بالکل اسی طرح رسول یا نبی کا ڈرائیور تو اللہ ہوتا ہے اس لیے رسول یا نبی وہی ہو سکتا ہے جو چاہ کر بھی اپنی مرضی کا استعمال نہ کرے اور اگر کہیں بھی وہ اپنی مرضی کی کوشش کرتا ہے تو پھر لا محالہ جو اس کے دماغ میں بات آئی یا جس پر وہ عمل کرتا ہے وہ اللہ کا قول و عمل نہیں بلکہ غیر اللہ کا ہوگا۔

رسول یا نبی کی مثال ایک روبوٹ کی سی ہوتی ہے لیکن بشر ہونے کے ناطے اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ایک روبوٹ بنے یا پھر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرے، اگر وہ چاہے تو خود کو مکمل طور پر اللہ کے آگے جھکا دے مکمل طور پر اللہ کا غلام بن جائے ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی نہ کرے یا پھر وہ اللہ کی غلامی کیساتھ ساتھ اپنی من مانیاں بھی کرتا پھرے اور اگر کوئی بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی اپنے عمل سے انسانیت کی راہنمائی کی ذمہ داری اٹھا لیتا ہے تو پھر ایسا قطعاً نہیں کہ اللہ اسے آزمائے نہ بلکہ اللہ اسے فتنے میں ڈالے گا تا کہ اس پر اور ہر کسی پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ اللہ کا بعث کردہ نہیں بلکہ اسے کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ یہ اس ذمہ داری کو اٹھائے یوں اس نے جرم کیا اور ایسے تمام مجرمین کی چھانٹی کے لیے اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ ہر رسول اور ہر نبی کو فتنے میں ڈالا جائے گا تا کہ اگر تو وہ واقعتاً رسول یا نبی ہے تو وہ اس فتنے کا شکار نہیں ہوگا بلکہ صبر کیساتھ صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرے گا اور اگر وہ اللہ کا رسول یا نبی نہیں تو وہ صبر کرنے کی بجائے حالات و واقعات کا شکار ہو کر فتنے میں پڑ کر مجرم ثابت ہو جائے گا۔

یہی اللہ نے اس آیت میں کہا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول یا نبی بھیجے گئے ان میں سے ہر رسول اور نبی نے جب بھی تمنا کی یعنی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچا تو القا کر دیا جس نے القا کر دیا وہ شیطان ہے۔

شیطان جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے "شئ اور طان" شئ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں سے ہر ایک شئ ہے اور طان کہتے ہیں کسی کو اس کے اصل مقصد سے روک دینا۔ اور روکا نہ صرف طاقت وقوت سے بھی جاتا ہے بلکہ پیار سے، کسی کی کمزوری بنتے ہوئے یا کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، پیار سے یا اپنی طرف متوجہ کر کے اس کی اس کے مقصد سے توجہ ہٹا کر اس کے مقصد سے اسے غافل کر کے بھی روکا جا سکتا ہے ایسے ہی کسی کو اپنے پیچھے لگا کر بھی اس کے اصل مقصد و مشن سے روکا جا سکتا ہے تو کوئی بھی شئے جو اصل مقصد و مشن میں رکاوٹ بنے خواہ کسی بھی طرح رکاوٹ بنے وہ شیطان کہلائے گا۔

یعنی شیطان کے معنی ہیں ہر وہ شئے جو اللہ کی طرف جانے سے روک دیتی ہے اور روکا کیسے جاتا ہے اسے سمجھنا کوئی مشکل نہیں کوئی اپنی طرف متوجہ کر کے کسی کو اس کی منزل مقصد سے روک دیتا ہے تو کوئی لالچ دے کر، کوئی سختی سے روکتا ہے تو کوئی آپ کا معاونت کار بن کر سامنے آتا ہے جو بظاہر تو آپ کے مقصد و مشن میں معاونت کار نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ منزل و مقصد سے روک رہا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف لے جا رہا ہوتا ہے۔

اللہ نے کہا کہ شیطان ہے جو القا کر رہا ہے اور شیطان وہ سب کا سب ہے جو کچھ بھی ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے حیات الدنیا۔ شیطان کا القا کرنا کیا ہے اسے بھی سمجھ لیں تا کہ یہ آیت مزید کھل کر واضح ہو جائے۔

مثلاً آپ کے سامنے ایک ایسی شئے آ جاتی ہے جو آپ کی خواہش بن جاتی ہے یعنی آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کو حاصل ہو جائے جیسے کہ آپ نے ایک گاڑی دیکھی تو آپ میں اس کے حصول کی چاہت پیدا ہوگئی وہ آپ کی خواہش بن گئی، اب اس کے حصول کے لیے آپ کے دماغ میں طرح طرح کی منصوبہ بندیاں آنا شروع ہو جائیں گی سوچیں آنا شروع ہو جائیں گی کہ اسے فلاں طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے یہ جو خیالات اس شئے کے حصول کے لیے دل و دماغ میں آ رہے ہیں منصوبہ بندیاں آ رہی ہیں انہیں عربی میں القا ہونا کہا جاتا ہے جو کہ وہ شئے آپ میں القا کر رہی ہے یعنی آپ کے دل و دماغ میں وہ سب باتیں ڈال رہی ہے جو اسے دیکھنے کے بعد خواہش بن جانے پر آپ کے دل و دماغ میں آ رہی ہیں۔

رسول یا نبی کو یہ حق حاصل ہے ہی نہیں کہ وہ کہیں بھی ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی کرے اور ظاہر ہے اگر کوئی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچتا ہے یا کرتا ہے تو دو ہی صورتوں میں ایسا کرے گا یا کرنے کے بارے میں سوچے گا ان میں پہلی صورت یہ ہوگی کہ جہاں کام بہتر طریقے سے ہوتا نظر آ رہا ہوتا ہے کہ اگر مالک کی غلامی کی بجائے اپنی مرضی سے اس کام کو کیا جائے تو زیادہ بہتر اور جلد ہوگا یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں اپنی مرضی کی جاتی ہے جہاں حالات ایسے بن جائیں کہ صبر کرنا پڑے یعنی سخت سے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑے اور ان سختیوں کے ڈر یا ان کے دباؤ کی وجہ سے ملامتوں کے ڈر یا خوف کی وجہ سے اپنی مرضی کر کے ان سے بچا جا سکتا ہے۔

اب ظاہر ہے یہ دونوں طرح کے حالات جو کچھ بھی کھلم کھلا ہر طرف نظر آ رہا ہے اسی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہی شیطان ہے۔ اس لیے جب بھی ہر رسول اور ہر نبی پر ایسے حالات آئے ایسا وقت آیا اور اس نے تمنا کی یعنی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچا تو شیطان نے القا کر دیا۔ مثلاً جہاں جن میں رسول یا نبی کی بعثت ہوئی وہاں ایک ایسا شخص نظر آتا ہے کہ اگر وہ اس دعوت کو تسلیم کر لے تو نہ صرف سختیوں کا دروازہ بند ہو جائے گا بلکہ اکثریت آسانی سے اس دعوت کو تسلیم کر لے گی آسانی سے یہ دعوت لوگوں تک پہنچ سکے گی کیونکہ وہ شخص مال و دولت، اثر و رسوخ یا کوئی اعلیٰ عہدہ و مرتبہ رکھتا ہے، لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا پھر اس کی عزت کرتے ہیں تو رسول یا نبی دیکھتا ہے کہ اگر یہ شخص دعوت کو تسلیم کر لے تو بہت آسانی اور بہتری ہو جائے گی جس کے لیے رسول یا نبی اس پر محنت کرنے کے بارے میں سوچتا ہے حالانکہ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ الغنی ہے اللہ اپنا کام خود کرتا ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی وہ شخص خواہ وہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو اللہ سے کسی بھی لحاظ سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی ایسا شخص، کوئی ادارہ، کوئی ریاست وغیرہ کچھ اپنی شرائط سامنے رکھتے ہوئے تعاون کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ اگر ان کی شرائط کو مان لیا جائے تو وہ ہر لحاظ سے مدد کریں گے آپ کے مقصد و مشن میں تو ظاہر ہے دل و دماغ میں اس کو لیکر بہت کچھ آئے گا کہ اس سے بہتر اور آسانی سے پیغام پہنچایا جا سکتا ہے یہ ہے شیطان کا القا کرنا کیونکہ بظاہر تو ایسا بہت فائدہ مند نظر آ رہا ہوتا ہے بہت اچھا نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے حقیقت یہ ہوتی ہے کہ کیا اللہ کو نہیں علم تھا کہ اس طرح بھی اپنا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے؟ جب اللہ کو علم تھا تو اس کے باوجود اگر اللہ نے اپنے رسول یا نبی کے لیے کسی ایسے کا انتخاب کیا جو بظاہر بہت کمزور اور غیر معروف ہے تو اس میں اللہ کی حکمت ہے اور اگر اللہ کی حکمت کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی حکمت عملیوں کے بارے میں سوچا جائے گا شارٹ کٹ کے بارے میں سوچا جائے گا تو یہ یقینی بات ہے کہ ایسا کرنا آپ کو آپ کے مقصد و مشن کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جائے گا آپ رستے سے ہٹ کر کہیں اور ہی چلے جائیں گے۔

اب جب ہر رسول اور ہر نبی کی زندگی میں ایسے وقت کا آنا لازم ہے کیونکہ ہر رسول اور ہر نبی بالآخر بشر ہوتا ہے یعنی وہ کھاتا پیتا ہے رزق کا استعمال کرتا ہے تو پھر ظاہر ہے جو رزق وہ استعمال کرے گا وہ رزق اس پر اثر انداز تو ہوگا ہی، اس کو وہ تمام تر حاجات، احساسات، جذبات و تقاضے لاحق ہوتے ہیں جو کسی بھی بشر کو لاحق ہیں اس لیے ایسے وقت کا آنا کوئی بڑی بات نہیں جب اللہ کا غلام بننے کے برعکس اپنی مرضی کرنے والے حالات بن جائیں لیکن بڑی بات تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کی جائے یعنی صبر کیا جائے ان حالات کا ڈٹ کر سامنا کیا جائے، ان سختیوں سے گھبرانے کی بجائے ڈٹ جایا جائے اگر ڈٹنا نہیں تو پھر کیا دنیا میں صرف تم ہی ایک بشر تھے؟ کیا اور بشر نہیں ہیں؟ جب لاکھوں، کروڑوں، اربوں بشر موجود ہیں اور اگر وہی کرنا ہے جو ہر بشر ایسے حالات میں کرتا ہے ڈٹنے کی بجائے سمجھوتہ کر لیتا ہے تو پھر تمہارا ہی انتخاب کس لیے؟ رسول اور نبی صرف وہی بشر ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن سکے نہ کہ وہ بھی دوسروں کی طرح حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے سختیوں سے ڈر کر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرنا شروع کر دے، ڈٹنے کی

بجائے گھبرا جائے۔

جب ہر اس بشر پر ایسے حالات آتے ہیں جو رسالت ونبوت کا دعویدار ہوتا تو رسول اور نبی وہی ہو سکتا ہے جو ظلم نہ کرے یعنی کمی نہ کرے وہ اپنی مرضی کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کرے وہ ایسے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے وہ گھبرائے نہیں وہ اپنی مرضی پر اللہ کی غلامی کو ترجیح دے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر آگے اللہ کہتا ہے فَيَنسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ پس اللہ اسے ایسے مٹاتا رہتا ہے ایسے بھلاتا رہتا ہے اس کے دل ودماغ سے ایسے نکالتا رہتا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا جو کچھ بھی القا کر رہا ہے شیطان۔

جب حالات ایسے بن جاتے ہیں تو بشر کے اپنے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی بھی صورت ان حالات کی وجہ سے دل ودماغ میں آنے والے خیالات، تصورات اور باتوں کو روک سکے لیکن یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ ان کو عمل میں لاتا ہے یا نہیں یعنی عمل کا اختیار اس کے پاس ہے تو جو رسول اور نبی حالات کی وجہ سے دل ودماغ میں آنے والی باتوں، خیالات وتصورات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ان حالات سے بچنے کے لیے اپنی منصوبہ بندیوں کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کرتے ہیں تو ایسے کے دل ودماغ سے اللہ ساتھ ساتھ ایسی ملاوٹوں کو مٹاتا رہتا ہے گویا کہ ان باتوں کا ان خیالات کا کوئی وجود ہی نہیں تھا ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ پھر اللہ فیصلہ کن کر رہا ہے اس کی آیات یعنی جو بھی علم اس رسول یا نبی کو دیا جا رہا ہوتا ہے اس میں سے خالص اللہ کا علم کون سا ہے اور شیطان کی طرف سے القا کیا ہوا کون سا اس کا ساتھ ساتھ فیصلہ کیا جا رہا ہوتا ہے مطلب یہ کہ اللہ نے یہاں اپنے رسول اور نبی کی پہچان واضح کر دی کہ اللہ کا رسول یا نبی وہ ہے جو کوئی بات کرتا ہے تو کل کو جب اس پر واضح کر دیا جاتا ہے کہ اس میں سے فلاں بات ٹھیک نہیں تھی وہ شیطان کی طرف سے القا تھا حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے وہ باتیں دل ودماغ میں آئی تھیں جو کہ حق کی بجائے شیطان کی طرف سے القا تھا تو وہ لوگوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر ان پر واضح کر دیتا ہے کہ دیکھو فلاں جو بات کی تھی وہ اصل میں ویسے نہیں ایسے تھی یعنی وہ اللہ کی آیات کو فیصلہ کن کرتا جاتا ہے کیونکہ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ ہے علیم حکیم یعنی اگر پہلے رسول یا نبی نے کوئی بات کی اور بعد میں اس کے برعکس بات کر رہا ہے تو ایسا اس لیے ہے کیونکہ جیسے پہلی کلاس کے بچے کو دوسری یا تیسری کلاس کا سبق نہیں دیا جا سکتا بالکل اسی طرح آج جو بات کی جا رہی ہے جو کہ حق ہے یہ اُس وقت نہیں کی جا سکتی تھی جو اس وقت کی گئی اور اُس وقت والی بات کو آج نہیں کیا جا سکتا اِس مقام پر وہ حق نہیں ہے یعنی آج جو بات آپ پر واضح کی جا رہی ہے اگر یہی بات اُس وقت آپ پر واضح کی جاتی تو آپ متنفر ہو جاتے حق سے دور ہو جاتے کیونکہ اس وقت آپ کے عقائد ونظریات آپ کے لیے حق کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بن جاتے جیسے پہلی کلاس کا بچہ دوسری کلاس میں جا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے پہلی کلاس والا سبق ہی پڑھایا جائے اگر پہلی کلاس والا سبق دوسری میں نہیں پڑھایا جا سکتا تو وہ غلط ہے بالکل اسی طرح رسول اور نبی کسی بھی موضوع پر پہلے ایک بات کرتا ہے لیکن بعد میں جا کر اس کے برعکس کوئی دوسری بات کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پہلے اس نے اس موضوع پر بات کی تو وہ حکمت تھی اگر آج جو بات کی جا رہی ہے وہ اُس وقت کی جاتی تو کوئی بھی اُس وقت اسے تسلیم نہ کرتا مگر آج جب آپ اس مقام پر پہنچ چکے جہاں پر آ کر آپ اس بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آج آپ پر اصل بات واضح کر دی حق واضح کر دیا جو کہ آپ کے لیے تسلیم کرنا آسان ہو گیا۔

یہ ہوتا ہے اللہ کا رسول یا نبی اور جو لوگوں کی راہنمائی کا دعویدار ہوتا ہے لیکن جو اللہ کا رسول یا نبی نہیں بلکہ کذاب شیطان ہوتا ہے اس کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ قدم قدم پر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرتا ہے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے سمجھوتے کرتا ہے، ثابت قدمی کی بجائے آسانیوں کی طرف جاتا ہے، ڈگمگا جاتا ہے بلکہ وہ جو بھی بات کرتا ہے کل کو اگر اس پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح بھی کر دیا جاتا ہے کہ حق اس کے بالکل برعکس ہے تو وہ تہمتوں وملامتوں کے خوف سے کہ اگر آج اس نے مان لیا کہ پہلے جو وہ کہہ رہا تھا وہ غلط ہے وہ باطل ہے حق وہ نہیں بلکہ آج جو کہہ رہا ہے یہ حق ہے اپنی انا کی خاطر تہمتوں وملامتوں کے ڈر سے باطل پر ہی ڈٹا رہتا ہے اپنی غلط اور بے بنیاد بات کا دفاع کرنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ باطل پر ہے۔

یعنی اللہ کا رسول اور اللہ کا نبی صرف اور صرف وہ ہے جو نہ صرف علیم بلکہ حکیم بھی ہوتا ہے علم کا استعمال انتہائی حکمت کیساتھ کرتا ہے مثلاً تھوڑا پیچھے چلے جائیں تو ہم نے خاتم النبیّن یا ختم نبوت کے موضوع پر وہ بات نہیں کی تھی جو آج کی جو آج سامنے لائے ہیں، اُس وقت ہم نے وہی کہا جو باقی کہتے آ رہے تھے لیکن آج اس کے بالکل برعکس کہہ رہے ہیں تو ایسا کیوں؟ ایسا اس لیے کہ اس وقت اصل مقصد ختم نبوت کا موضوع نہیں تھا اس وقت اصل مقصد علامات واشراط الساعت کو کھول کھول کر رکھنا تھا لیکن اگر اُس وقت علامات واشراط الساعت کی بجائے یا ان کے ساتھ ساتھ ختم نبوت پر بھی حق سامنے لے آیا جاتا تو شیاطین

کے ہاتھ میں ہمارے خلاف سازشوں کے لیے ہتھیار آ جاتا چونکہ اکثریت کی ختم نبوت کے نام پر ایسی ذہن سازی کی جا چکی ہے کہ کوئی بھی ہم پر اس فتوے کی وجہ سے ہماری بات نہ سنتا ہماری بات سننے ہماری دعوت کے قریب بھی نہ آتا۔

ہمیں ان کی سازشوں کا ڈر یا خوف نہیں تھا کیونکہ اگر ان کی سازشوں، تہمتوں و ملامتوں کا خوف ہوتا تو ہم آج یہ بات کیوں کرتے جو اس وقت نہیں کی کیا آج ان کی تہمتوں، ملامتوں، سازشوں اور دشمنی کا دروازہ بند ہو گیا؟ نہیں بلکہ حکمہ یہ تھی کہ اگر اس وقت اس موضوع پر بات کی جاتی تو ان شیاطین کے ہاتھ لوگوں کو حق سے روکنے کے لیے ہتھیار آ جاتا جس کا استعمال کرتے ہوئے وہ لوگوں کو حق سے روک دیتے لوگوں کو کہتے کہ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں یوں لوگ ان کی اس سازش کا شکار ہو کر حق سے محروم رہ جاتے اب جب کہ اُس وقت اگر ہم اس موضوع پر بات کرتے جو کہ اُس وقت اس کی ضرورت ہی نہیں تھی اور لوگ تنفر ہوتے تو اصل میں قصور کس کا؟ شیاطین کا کام ہی لوگوں کو روکنا ہے لیکن اگر ہم نے حکمت کو اختیار نہ کیا ہوتا تو ظاہر ہے اصل میں قصور تو ہمارا ہوتا اس لیے اُس وقت جو کتب تھا جو کرنا فرض تھا اُس وقت جو کرنے کا وقت تھا جو سامنے لانے کا وقت تھا اسے ہی سامنے لایا گیا اور ختم نبوت کے موضوع کو نہیں چھیڑا گیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اُس وقت اگر ختم نبوت پر بات کی جاتی تو سازشوں کا شکار ہو کر تنفر ہو جاتے اور حق کو سننے یا دیکھنے کے قریب بھی نہ جاتے اور آج حق کو پہچان کر جس مقام پر ہیں اس مقام پر نہ ہوتے۔ آج انہیں نہ صرف باقی حق کا علم ہو گیا ان پر حق بالکل کھل کر واضح ہو گیا بلکہ ختم نبوت کی حقیقت بھی ان پر کھل کر واضح ہو چکی اور اب دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی سازشوں کا شکار نہیں کر سکتی۔

یہ وجہ ہوتی ہے کہ اللہ کا رسول یا نبی جب پہلے کوئی بات کرے اور بعد میں جا کر اس کے برعکس بات کرتا ہے تو اس میں حکمہ ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا رسول یا نبی تو محض روبوٹ ہوتا ہے اصل میں تو اللہ اس کی صورت میں بول رہا ہوتا ہے اللہ راہنمائی کر رہا ہوتا ہے اور اللہ علیم حکیم ہے یعنی اللہ کو نہ صرف علم ہے بلکہ علم کا کب، کہاں، کتنا، کیوں اور کیسے استعمال کرنا ہے اللہ یہ بھی جانتا ہے۔ بشر رسول کو نہیں علم ہوتا کہ آج جو بات کی جا رہی ہے کل کو اس کے برعکس بات کی جائے گی اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اس کے لیے یہ امتحان ہوتا ہے کہ کل کو اس کے برعکس جب حق سامنے لایا جاتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے آیا وہ لوگوں کی تہمتوں و ملامتوں سے ڈر جاتا ہے خوف کا یا کسی بھی قسم کے دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر وہ صرف اور صرف وہی کرتا ہے جو اللہ اسے کہہ رہا ہے یعنی وہ مکمل طور پر اللہ ہی کی غلامی کرتا ہے۔

اور اس کے برعکس جو اللہ کا رسول یا نبی نہیں ہوتا وہ نہ صرف اپنی مرضیاں کرتا ہے بلکہ وہ جو بات ایک بار کرتا ہے بعد میں خواہ ہر لحاظ سے اس پر حق واضح کر دیا جائے اور اسے واضح یہ علم ہو جائے کہ جو بات اس نے کی وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے تو وہ اسے تسلیم کرنے اور لوگوں پر پہلے کے برعکس حق واضح کرنے کی بجائے اپنی اسی باطل بات پر ڈٹ جاتا ہے الٹا اسے سچا ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کرتا ہے کیونکہ اسے لوگوں کی تہمتوں اور ملامتوں کا خوف ہوتا ہے کہ اگر آج جو کہہ رہے ہو یہ حق ہے تو پہلے اس کے برعکس بات کیوں کی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ نے ایسا قانون کیوں بنا دیا کہ جو بھی رسول یا نبی ہوگا اس کی طرف اللہ کی طرف سے وحی کیساتھ ساتھ شیطان بھی القا کرتا رہے؟ جب رسول یا نبی کی بعثت کا مقصد انسانوں کی راہنمائی ہے تو پھر رسول یا نبی کیساتھ ایسا کرنے کی ضرورت کیا ہے کہ اس کو ہر معاملے میں ہر لمحے ایسے حالات سے دوچار کیا جاتا رہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی اللہ نے اگلی ہی آیت میں دے دیا۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ۔ الحج ۵۳

لِّيَجْعَلَ اس لیے ایسا کر دیا گیا مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ جو شیطان القا کر رہا ہے فِتْنَةً فتنہ کر دیا یعنی امتحان بنا دیا لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی جو خالص اللہ کے غلام نہیں بلکہ انہوں نے اگر اس ذمہ داری کا انتخاب کیا ہے تو اپنے کسی لالچ کی وجہ سے مال و دولت کا لالچ، عزت و شہرت سمیت کسی بھی قسم کے لالچ کی وجہ سے جنہوں نے اس ذمہ داری یعنی رسالت و نبوت کو اختیار کیا ہے لوگوں کی راہنمائی کے دعویدار بنتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے فتنہ جو رسول یا نبی کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی چاہتے ہیں کہ اس کی اطاعت واتباع نہ کریں جس کے لیے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں مرض ہوتا ہے اگر وہ رسول یا نبی کی اطاعت واتباع کریں گے تو ان کی خواہشات کا قتل ہوگا جو کہ وہ نہیں چاہتے اور یوں وہ رسول یا نبی کے اس معاملے کی وجہ سے اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل کا سامنے آجانا جس سے اصل کی پہچان ناممکن حدتک مشکل ہو جائے اوران دونوں میں سے اصل کیا ہے وہ سوائے مالک کے کسی کو علم نہیں۔

اللہ نے ایسا قانون اس لیے بنادیا تا کہ وہ لوگ جو اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے مگر وہ رسول یا نبی ہونے کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں ان کے لیے فتنہ یعنی امتحان بنادیا جائے کہ حق کیساتھ ساتھ باطل جوشیطان کی طرف سے القاہور ہا ہوتا ہے جب وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی لالچ وغرض سے انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں تو وہ اصل اورنقل کی پہچان نہیں کر پاتے اور پھر نقل اتنی دلکش اور پرکشش ہوتی ہے کہ لوگ نہ چاہ کر بھی اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اس لیے جوکذاب ہوتے ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے لیکن وہ خود کو اللہ کے بھیجے ہوئے سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں وہ اصل کی بجائے جوشیطان القا کر رہا ہوتا ہے اسی کو عمل میں لاتے ہیں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ایسا ہوجاتا ہے کہ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُم اوران کے قلوب اس قدر سخت ہو جاتے ہیں کہ کوئی شئے ان کے قلوب پر اثر نہیں کرتی یعنی ان میں اللہ کا کوئی ڈرخوف نہیں رہتا وہ جو بھی ان کے دل ودماغ میں آتا ہے اسے ہی حق کا نام دے کر کرتے رہتے ہیں خواہ اس سے کسی کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے خواہ پوری کی پوری دنیا ہی تباہ کیوں نہ ہو جائے انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ اوراس میں کچھ شک نہیں ظالمین یعنی ظلم کرنے والے، ظلم کہتے ہیں کمی کو، کمی کرنے والوں کے لیے ہے کہ وہ اللہ سے کٹ کر اتنے دور جا گرتے ہیں کہ ان کی واپسی کے تمام کے تمام رستے ہیں بند ہو جاتے ہیں وہ واپسی کے تمام رستوں سے کٹ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کے باوجود وہ خود کو اللہ کے نبی سمجھ رہے ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے وہ مجرمین ہوتے ہیں اللہ کے شریک اللہ کے دشمن۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ قانون اس لیے بنادیا ہے کہ رسول اور نبی چونکہ باقی لوگوں کی طرح بشر ہی ہوتے ہیں تو وہ لوگ جو منافقین ہوتے ہیں جن کے قلوب میں مرض ہوتا ہے دنیاوی لالچ یا کسی بھی قسم کا لالچ ہوتا ہے جو خالص اللہ کے غلام نہیں ہوتے، اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک نہیں کرنا چاہتے، جو حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اپنے آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کو ترک نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ رسول یا نبی کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور رسول یا نبی کی تکذیب کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی نہ کوئی بہانہ مل جائے جسے بنیاد بنا کر وہ رسول یا نبی کو غلط کہہ سکیں اس کی تکذیب کر سکیں یوں انہیں اپنے باطل عقائد ونظریات کو ترک نہ کرنا پڑے، جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اسے اللہ کا بھیجا ہوا تسلیم نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں حالانکہ وہ اسے اللہ کا بھیجا ہوا ماننا نہیں چاہتے تو وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کوئی ایسی بات لگے جس سے وہ اس کا کفر کر سکیں جس سے وہ یہ کہہ سکیں کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا نہیں ہے کیونکہ جی اللہ کا بھیجا ہوا ایسا نہیں کر سکتا یا ایسا نہیں کہہ سکتا وہ ایسی باتوں کی وجہ سے رسولوں اور نبیوں کی تکذیب کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے لیے یہ بات امتحان ہوتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے پہلے اس نے ایک بات کی تھی آج اس کے بالکل برعکس ایک دوسری بات کر رہا ہے، یہ فلاں کام کر رہا ہے تو کیوں کر رہا ہے کیا کوئی رسول ایسا کام کر سکتا ہے یعنی انہوں نے اپنے ذہن میں رسولوں اور نبیوں کے بارے میں جو دیومالائی خاکہ بنایا ہوا ہوتا ہے وہ اسی پر اسے پرکھتے ہیں وہ اسے ایک بشر تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتے یوں بشری تقاضوں وغیرہ کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا کوئی رسول یا نبی کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے یہ رسول نہیں یہ نبی نہیں ہو سکتا یوں جن کے دلوں میں مرض ہوتا ہے وہ اس فتنے کا شکار ہو کر حق سے کٹ کر اتنے دور جا گرتے ہیں کہ ان کے لیے واپسی کے تمام کے تمام رستے بند ہو جاتے ہیں اور وہ رسول یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے سے دشمنی بھی کرتے ہیں لیکن انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا وہ کچھ بھی کریں سوچیں انہیں کوئی احساس تک نہیں ہوتا وہ بالکل نڈر ہو کر اللہ کیساتھ دشمنی کرتے ہیں اور الٹا یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں جو بھی کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں کیونکہ ان کے ایسا کرنے سے ان کے دل پتھر سے بھی سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

جب ایک بار وہ اللہ کے رسول کے خلاف کوئی اقدام کرتے ہیں تو انہیں اللہ کی طرف سے فوری طور پر کسی بدلے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا یعنی یہ اللہ کا رسول ہوتا تو اللہ کبھی بھی رسول کے دشمنوں کو آزاد نہ چھوڑتا انہیں بدلہ دیئے بغیر نہ رہنے دیتا رسول کے ساتھ دشمنی نہ کرنے دیتا اور ہم نے جب اس کیساتھ ایسا کیا ہے اور اللہ نے ہم پر کوئی ایسا معاملہ نہیں کیا تو ظاہر ہے یہ رسول نہیں یہ تو کذاب ہے یوں وہ پھر دشمنی کرتے ہیں دوبارہ انہیں کچھ نہیں ہوتا تو وہ پھر کرتے ہیں یوں اس طرح اللہ ان کے دلوں کو اتنا سخت کر دیتا ہے ان کے دل اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ مکمل طور پر اللہ کے دشمن بن

چکے ہوتے ہیں اور وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ تو اللہ کے چہیتے ہیں وہ تو بہت ہی اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس یہ ہوتی ہے کہ وہ فتنے کا شکار ہو کر حق سے اتنے دور جا چکے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے واپسی کے تمام تر رستے ہی بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان آیات میں مخاطب صرف محمد نہیں کیونکہ اللہ العزیز الحکیم ہے اور قرآن بھی الحکیم ہے اگر ان آیات میں مخاطب محمد ہوتا تو پھر آیت میں لفظ محمد کا استعمال ہونا لازم تھا تاکہ کوئی بھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ یہاں اس سے یا پھر محمد کے علاوہ کسی سے خطاب کیا جا رہا ہے لیکن آپ کے سامنے ہے کہ اس میں وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ ہے نہ کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِ محمد اگر قرآن میں یا اس آیت میں ''ک'' سے مراد محمد ہے تو پھر ایک ہی صورت میں یہاں ''ک'' سے مراد محمد ہو سکتا ہے جب پورے قرآن میں کہیں بھی محمد لفظ کا استعمال نہ کیا گیا ہو یعنی کہیں بھی محمد سے خطاب کے لیے اس کا نام استعمال نہ کیا گیا ہو کیونکہ اگر قرآن میں جہاں جہاں بھی ''ک'' کا استعمال کیا گیا وہاں خطاب محمد سے ہے تو پھر ظاہر ہے محمد لفظ کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اگر قرآن میں ''ک'' کے علاوہ لفظ ''محمد'' کا بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جہاں لفظ ''محمد'' کا استعمال کیا گیا وہاں صرف اور صرف خطاب محمد سے ہے وہاں مذکور صرف اور صرف محمد ہے کوئی دوسرا نہیں، کہیں کوئی وہاں محمد کے علاوہ کسی دوسرے کو یا خود کو مخاطب نہ سمجھ لے اس لیے وہاں محمد لفظ کا استعمال کر دیا گیا اور جہاں ''ک'' کا استعمال کیا گیا تو اس کا مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ اللہ اپنے رسول یا نبی سے خطاب کر رہا ہے۔ رسول اور نبی کے علاوہ کسی دوسرے کو علم ہو ہی نہیں سکتا کہ یہاں مخاطب کون ہے ہاں صرف اتنا علم واضح کر دیا گیا کہ ''ک'' سے مراد کوئی بھی رسول یا نبی ہے جسے اللہ کچھ نصیحت کر رہا ہے اس پر یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ کا رسول یا نبی کون ہوتا ہے اس لیے اگر تُو اس ذمہ داری کا دعویدار بن رہا ہے تو کیا تُو ان شرائط پر پورا اترتا ہے یا پھر تُو اس ذمہ داری کا حق دار نہیں تھا اہل نہیں تھا بلکہ تیرے دل میں مرض ہے تو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنے غرض و لالچ کے لیے اس ذمہ داری کا دعویدار بن رہا ہے اور اگر وہ واقعتاً اللہ کا رسول یا نبی ہے اور لوگ حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی دشمنی ہی کر رہے ہیں تو پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے اس پر واضح کر دیا گیا کہ یہ فتنہ ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے۔

یوں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیات میں محمد کے علاوہ اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک آنے والے رسول اور نبیّن سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ محمد کے بعد جب جب جس وقت میں جو جو نبی رسول موجود تھا اس سے خطاب تھا اور رسول نبی جو کہ خاتم النبیّن ہوتا ہے یعنی جب تک کہ اگلا رسول بعث نہیں کیا جاتا تب تک آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر ہوتا ہے وہ اس امت اس قوم کے شروع میں محمد رسول اللہ تھا اور اس کے بعد جب دوبارہ لوگوں نے ضلالٍ مبینٍ یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں چلے جانا تھا تو ایک ہی رسول پیچھے رہ گیا جس کو بعث کیا جانا تھا اور وہ ہے اللہ کا رسول عیسیٰ جو محمد کے بعد اس امت اس قوم کے آخرین میں بعث کیا جانا تھا ان آیات میں اس سے یعنی اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ سے خطاب کر رہا ہے۔

اور یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ یہ انہی شیاطین کا کام ہے جن کے قلوب میں مرض تھا اور ہے وہ کذاب جو انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے تھے اور بنے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں جو زبان سے تو خود کو علماء کہتے اور کہلواتے ہیں لیکن اپنے عمل سے نبوت کے دعویدار ہیں نبی بنے ہوئے ہیں۔

پھر اگر یہ بات مان لی جائے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ محمد پر بند کر دیا تھا تو پھر ان آیات کو قرآن میں لانے کا مقصد کیا تھا؟ کیونکہ یہ آیات تو صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں کے لیے ہیں نہ کہ رسولوں یا نبیوں کے علاوہ کسی ایک بھی بشر کے لیے؟ جب کوئی رسول آنا تھا ہی نہیں کوئی نبی آنا تھا ہی نہیں تو پھر قرآن میں ان آیات کو کیوں لایا گیا؟ قرآن میں یہ آیات بے مقصد و فضول ہو جاتی ہیں، ان آیات میں تو بالکل واضح ہے کہ رسولوں اور نبیوں کی کثیر تعداد نہ صرف جہنم میں جائے گی بلکہ اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک کہ جہنم کی اجل مسمیٰ نہیں آ جاتی۔

جب محمد کے بعد کسی رسول اور نبی نے آنا ہی نہیں تھا تو پھر کیا قرآن میں یہ آیات محمد کی کردار کشی کے لیے اتاری گئی تھیں؟ کیونکہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ محمد کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں اور ان آیات میں محمد سے خطاب کیا جا رہا ہے تو پھر ظاہر ہے یہ آیات تو کھلم کھلا محمد کی کردار کشی کر رہی ہیں محمد کے کردار کو مشکوک بنا رہی ہیں۔

اور انہی آیات کی بنیاد پر روایات جنہیں احادیث کا نام دے کر قرآن کیساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے ان کی حقیقت بھی چاک ہو جاتی ہے کہ محمد سے اس قرآن کے علاوہ جو کچھ بھی ملا وہ بعد والوں کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ نے خود یہ بات واضح کر دی کہ کوئی ایک بھی رسول یا نبی ایسا نہیں کہ جس کے ساتھ یہ نہ ہوتا رہا ہو اور نہ ہو کہ جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے القانہ کیا ہو اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بھی رسول یا نبی تمنا نہ کرے کیونکہ ہر رسول اور نبی بشر تھا اور کوئی بھی بشر چاہ کر بھی تمنا سے پاک نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی ان آیات کے مطابق محمد نے بھی جب بھی تمنا کی تو شیطان نے القا کیا اور محمد نے اسے لوگوں کے سامنے بیان بھی کیا لیکن بعد میں جب اللہ نے اس پر واضح کر دیا کہ فلاں جو بات کی تھی وہ حق نہیں بلکہ حق اس کے برعکس یہ ہے تو محمد نے اللہ سے رجوع کیا اور ایسا نہیں پہلے محمد نے جو بات کی وہ محمد نے شیطان کی اطاعت واتباع کی جرم کیا نہیں بلکہ جیسے پیچھے بھی واضح کیا جا چکا کہ جیسے پہلی کلاس کا سبق دوسری کلاس میں یا اس کے بعد والی کلاسوں میں نہیں پڑھایا جا سکتا اور اس کا مطلب یہ نہیں بن جاتا کہ پہلی یا پچھلی کلاسوں میں جو پڑھایا جاتا رہا وہ غلط تھا بلکہ اگر اسے آج اس مقام پر رکھا جائے گا یعنی بعد والی کلاسوں میں اسے لایا جائے گا تو اس مقام پر وہ باطل ہے اپنے اصل مقام پر باطل نہیں بلکہ اپنے اصل مقام پر وہ حق ہے۔

بالکل اسی طرح پہلے محمد نے کوئی بات کی تو محمد اللہ کا غلام تھا اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ کو علم ہے کہ کب کہاں کس موقع پر کیا بات کرنی ہے اس لیے پہلے جو کہا وہ اُس وقت کے لیے تھا بعد کے لیے نہیں بعد میں جب اس بات کی اصل حقیقت سامنے لانے کا وقت آیا تب پہلے کے برعکس حق سامنے لایا گیا۔ اس لیے روایات جن کو احادیث کا نام دیا جاتا ہے آپ کو ان میں تضادات ملیں گے کہ ایک ہی بات ایک موقع پر کہی تو کسی اور موقع پر اس کے بالکل برعکس کوئی اور بات کی، اب دونوں ہی روایات ہیں جنہیں احادیث کا نام دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہے ایک محمد سے منسوب کی گئی ہے اور ایک محمد کے اپنے الفاظ ہیں حالانکہ دونوں ہی محمد کے الفاظ ہیں لیکن اپنے اپنے مقام پر وہ حق ہیں، ان کو ان کے مقام سے نہیں بدلا جا سکتا، اب کچھ روایات میں تو کچھ باتوں یا کچھ معاملات کے اس طرح کے تضادات سامنے آتے ہیں لیکن روایات کی کثیر تعداد میں صرف ایک ہی بات کو نقل کیا گیا اب یہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ شیطان کا القا تھا اور حکیم ہونے کے ناطے وقت کی ضرورت یا پھر یہی حق تھا؟ سوائے اللہ کے یعنی اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی روایات میں حق کی نشاندہی نہیں کر سکتا اس لیے یہ روایات کسی بھی صورت راہنمائی کے قابل نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ قرآن کے علاوہ ان روایات سے راہنمائی لینے کی اجازت دیتا ہے۔

آپ نے سورت الحج کی ان آیات میں جان لیا کہ نہ تو نبوت کا دروازہ اللہ نے بند کیا اور نہ ہی اللہ ان آیات کو قرآن میں لا کر محمد کی کردار کشی کر رہا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ان آیات کی موجودگی میں محمد کو آخری رسول یا نبی ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ان آیات کو بیّن کرنے یعنی بالکل کھول کھول کر ہر پہلو سے واضح کرنے کے ایک سے زائد مقاصد تھے جن میں ایک تو یہ کہ یہ آیات بالکل دوٹوک واضح کر دیتی ہیں کہ اللہ نے رسالت ونبوت کا دروازہ بند کیا ہی نہیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ آج ایک عقیدہ ونظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے نبی کوئی بھی کچھ غلط کر ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ آیات تو دوٹوک الفاظ میں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ نبیوں کی ایک کثیر تعداد جہنم میں جائے گی نبیوں کی بھی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جو ظالمین ہیں جو مجرمین ہیں جو اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک کہ جہنم کی بھی اجل نہیں آ جاتی۔ آپ نے خود جان لیا کہ ان آیات میں خطاب صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں سے ہے اب آپ خود غور کریں اور فیصلہ کریں جب محمد کے بعد کوئی نبی اور رسول آنا ہی نہیں تھا اللہ نے دروازہ بند کر دیا تھا تو پھر ان آیات کو قرآن میں کیوں لایا گیا؟ اگر اللہ نے نبوت ورسالت کا دروازہ بند کر دیا تھا تو کسی بھی صورت ان آیات کو قرآن میں نہیں لایا جا سکتا تھا کیونکہ ان آیات میں خطاب صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں سے ہے نہ کہ انسانوں سے۔

یہ آیات مشرکین کے عقائد ونظریات کو جڑوں سے اکھاڑ کر رکھ دیتی ہیں جو کہ ان آیات کے بیّن ہونے کی دیر تھی کہ مشرکین کے عقائد ونظریات کو جڑوں سے ہی اکھاڑ کر رکھ دیا یوں اس پہلو سے بھی ان کے عقیدہ ختم نبوت نامی بت کو پاش پاش کر دیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت حق کا نہ تو رد کر سکتی ہے، اسے غلط ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی چاہ کر بھی حق کا کفر کر سکتا ہے ایک ایک حق کو تسلیم کرے گا لیکن اکثریت اپنے آباؤاجداد آل فرعون سمیت ہلاک شدہ اقوام کی مثل حق کو تسلیم

کرے گی جب تسلیم کرنا نہ صرف مجبوری بن جائے گا بلکہ وہ تسلیم کرنا کچھ نفع نہیں دے گا۔ اس لیے آج تمہارے پاس نہ صرف وقت ہے بلکہ موقع ہے کہ حسد، بغض، ضد، انا پرستی اور ہٹ دھرمی کو لات مارتے ہوئے حق کو تسلیم کرلیا جائے اور اپنے ملاّؤں کے پیچھے اندھوں کی طرح چلنے کی بجائے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے پر حق کو تسلیم کرلیا جائے نہ کہ محض ضد، حسد، بغض یا کسی بھی قسم کی انا پرستی و دشمنی کی وجہ سے حق کا کفر کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سودا کیا جائے اور بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ رہے۔ اور اگر کوئی حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اندھے کا اندھا ہی رہتا ہے تو پھر جان لے کہ کل کو وہ چیخے گا، چلائے گا، حق کو تسلیم کرنے کی ضد کرے گا لیکن تب اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں ہوگا۔

الکتاب

آیات بیّنات

جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ چہارم

فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً فَقَدۡ جَاءَ اَشۡرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن